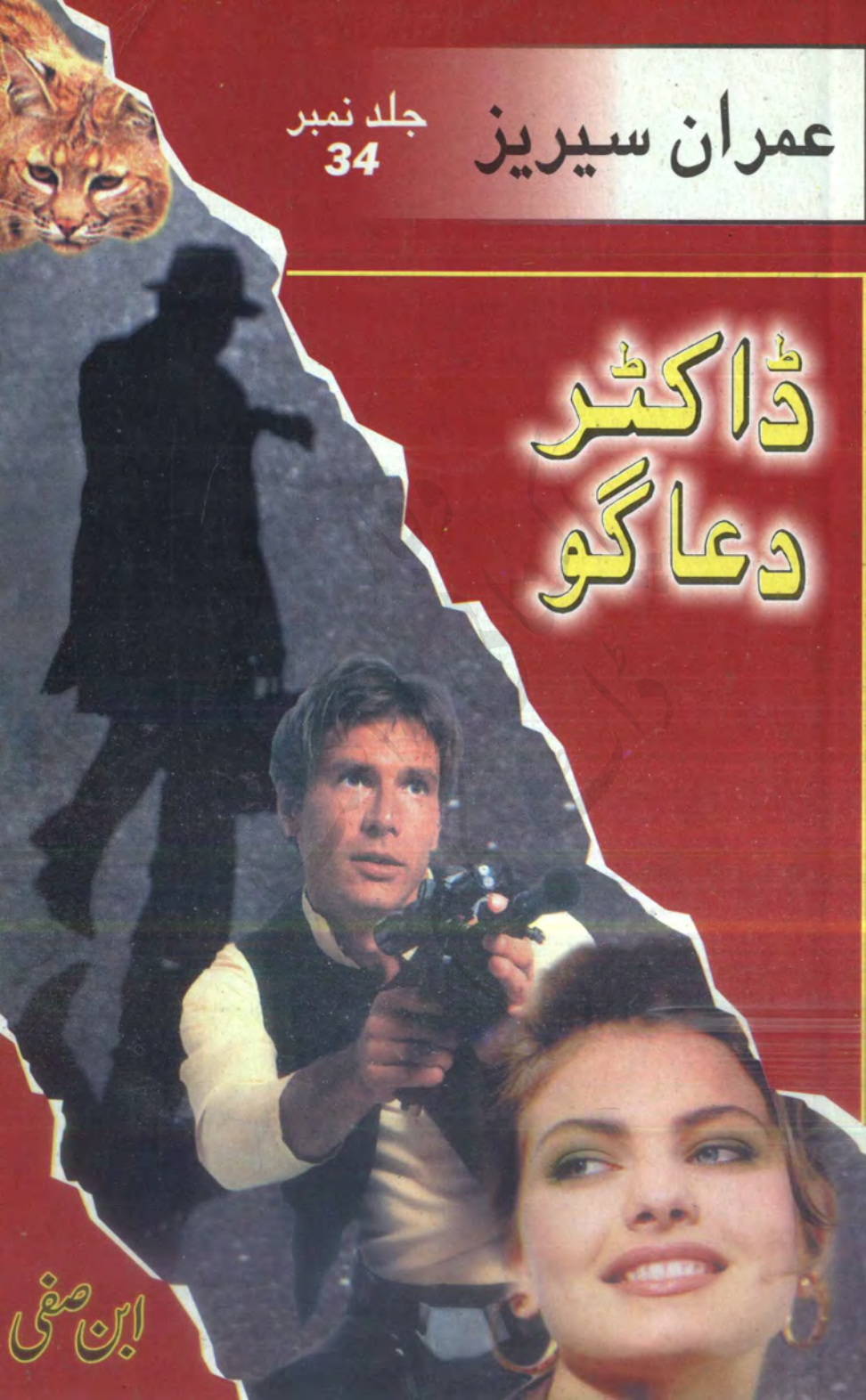


جلد نمبر  
34

عمران سیریز

# ڈاکٹر دعا گو



ابن صفی

## پیشترس

لیجے ڈاکٹر دعا گو بھی کتابی صورت میں حاضر ہے.... یہ ناول روزنامہ ”حریت“ کراچی میں بالاقساط شائع ہوتا رہا ہے۔ کسی اخبار کے لئے لکھنا میرے لئے نیا تجربہ تھا۔! بہر حال اسے بھی میرے پڑھنے والوں نے کافی سراہا ہے۔ بہتیرے حضرات تو یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ یہ عمران اور جاسوسی دنیا کے ان دونوں ناولوں سے بہتر ہے جو میری صحت یابی کے بعد شائع ہوئے ہیں۔ پسند اپنی اپنی! دو تین قسطیں ہی شائع ہوئی تھیں کہ ایک پڑھنے والے کا نہایت گرم اگر مخط آپہنچا جس کا متن یہ تھا کہ میں یہ کیسی گھٹیا حرکت کر بیٹھا ہوں۔ کسی روزنامے کے لئے لکھنا میرے شایان شان نہیں ہے۔!

اول تو میری شان ہی کیا۔ دوسرے یہ کہ اپنے یہاں کا باوا

آدم ہی نرالا ہے۔ گھٹیا اور بڑھیا کے عجیب عجیب معیار قائم کر رکھے ہیں یا ر لوگوں نے۔ ارل اسٹیلے گارڈن ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھے جاتے ہیں۔ کئی بڑے دانشوروں نے بھی ان کے کارناموں کو سراہا ہے۔ انہیں گارڈن صاحب کے بہترے اچھے ناول سب سے پہلے امریکہ کے بعض روزناموں اور ہفت روزہ اخبارات میں بالاقساط شائع ہوئے ہیں پھر کتابی صورت میں آئے ہیں۔

”حریت“ پاکستان کا ایک بلند پایہ روزنامہ ہے۔ ملک کے بہترین دماغ اس کے کارکن ہیں۔ لہذا میں نہیں سمجھتا کہ اس سے بڑے ناول لکھنا گھٹیا بات کیسے ہوگی۔

دیے جی بات تو یہ ہے۔

میں خود آیا نہیں الایا گیا ہوں

”حریت“ کے ایڈیٹر فخر مٹری صاحب بڑے باحوصل آدمی ہیں جس کام کا تہیہ کرتے ہیں بہ حال میں کر گزرتے ہیں۔

ابن صفیر

۸/۲/۶۳

لوگ اکثر سوچتے ہیں کہ عمران کی شخصیت اتنی غیر متوازن کیوں ہے۔ وہ ہر معاملے کو ہنسی میں کیوں اڑا دیتا ہے۔ والدین کا احترام اس طرح کیوں نہیں کرنا چاہیے۔

اس کے پیچھے ایک طویل داستان ہے۔ بچپن میں ماں اسے نماز روزے سے لگانا چاہتی تھی۔ باپ نے ایک امریکی مشن اسکول میں داخل کرادیا۔ باپ سخت گیر آدمی تھے اپنے آگے کسی کی نہ چلنے دیتے جب تک گھر میں رہتے..... سنانا چھایا رہتا..... لوگ اتنی آہستگی سے گفتگو کرتے کہ قریب ہی سے سنی جاسکتی۔ تو عمران بچپن ہی سے دوہری زندگی گزارنے کا عادی ہوتا گیا۔ باہر کچھ ہوتا تھا اور گھر میں کچھ۔۔۔ اس کے باپ رحمان صاحب جیسے جیسے ترقی کرتے گئے سخت گیری بھی بڑھتی گئی۔

مشن اسکول اور گھریلو تربیت کے تضاد نے اسے بچپن سے ہی ذہنی کشش میں مبتلا کر دیا تھا۔ ماں کہتی۔ اللہ ایک ہے نہ اسے کسی نے جنا اور نہ کوئی اس سے جنا گیا۔ مشن اسکول کہتا۔ عیسیٰ مسیح خدا کے بیٹے تھے۔

بچپن ہی سے ذہن تھا۔ اسکول میں بحث کرنا چاہتا یا ماں کے اقوال دہراتا تو ڈانٹ کر چپ کر دیا جاتا۔ گھر پر عیسیٰ مسیح کی بڑائی بیان کرتا تو ماں تھپڑ رسید کر دیتی۔ باپ کو ان فروعات سے دلچسپی ہی نہیں تھی۔ ان کا قول تھا کہ میں مسلمان ہوں تو بیٹا بھی ہر حال میں مسلمان ہوگا۔! نتیجہ یہ ہوا کہ بیٹا چوں چوں کامر بہ بننا گیا۔ تیرہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے نہ اسے عیسیٰ مسیح سے کوئی دلچسپی رہی اور نہ اس سے کہ اللہ واحد ہے یا اسکے دو حصے دار اور بھی ہیں۔ ہر چیز کا مضحکہ اڑا دینے کی عادت پڑتی جا رہی تھی۔

آئی ایس سی کرنے کے بعد لندن کے لئے رخصت سفر بندھ گیا۔ وہاں رحمان صاحب کے ایک انگریز دوست کے ہاں قیام ہوا۔ ان پابندیوں سے نجات ملی جن میں اب تک گزری تھی بس

نہ آیا..... فرمانے لگے۔ یہ سراغ رسانی نہیں کھلا ہوا لنگاپن ہے۔ لہذا یا تو قاعدے سے کام کرو۔ ورنہ استعفی دے دو۔ عمران اور قاعدے کی باتیں؟ وعدہ نہ کر سکا۔ اس لئے استعفی دینا پڑا۔ شاداب گھر سے ایک اینگو بریز لڑکی روشی بھی عمران کے ساتھ آئی تھی اس لئے گھر بھی چھوڑنا پڑا۔ رحمن صاحب بھلا اس کا وجود کیونکر برداشت کرتے۔

کیپٹن فیاض نے کئی مترکہ فلیٹوں میں قبضہ کر رکھا تھا۔ عمران نے دھونس دھڑلے سے کام لے کر ایک فلیٹ کی کتنی حاصل کی اور روشی سمیت وہیں جم گیا۔

سراغ رسانی کا عملی تجربہ تو تھا ہی۔ لہذا پرائیویٹ سراغ رسانی کی ٹھہری! لیکن اپنے یہاں پرائیویٹ سراغ رسانی کے لئے قانوناً کوئی جگہ نہ تھی! لہذا دفتر پر فارورڈنگ اینڈ کلیئرنگ ایجنسی کا بورڈ لگانا پڑا۔ جس کا مفہوم عمران کی لغات میں ”شادی اور طلاق تھا۔“

شہر میں ان دنوں خاندانی جھگڑوں کا موسم تھا! طلاق کے اتنے کمیز آئے کہ پنپانا مشکل ہو گیا۔ روشی اس کی پارٹنر کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔

اسی دوران میں وزارت خارجہ کے سیکرٹری سر سلطان جو عمران اور اس کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے ایک بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ وہ ان کا ایک نجی معاملہ تھا جس کی تشہیر ان کی بدنامی کا باعث بنتی۔ عمران ان کی مدد کرتا ہے اور اس خوبی سے اس کیس کو پنپا کر اصل فتنے کا سر کچل دیتا ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

پھر سر سلطان مجبور کرتے ہیں کہ وہ محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس کی سربراہی قبول کر لے۔ بہر حال کچھ دنوں بعد وہ سیکرٹ سروس کا چیف بن گیا! اس کے ماتحت اسے ایکس ٹو کے نام سے جانتے تھے۔ طرفہ تماشا تھی اس کی شخصیت بھی۔ عمران کی حیثیت سے وہ سیکرٹ سروس کا ایک معمولی ایجنٹ اور انفارمر تھا۔ اس کے ماتحت اس کا مذاق اڑاتے تھے لیکن جب وہ ایکس ٹو کی حیثیت سے انہیں فون پر مخاطب کرتا تو ان کا دم نکل جاتا۔ فون پر اس طرح موب ہو جاتے جیسے وہ سانس ہی موجود ہو۔ ایکس ٹو کو انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور دل میں اسے دیکھ لینے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ لیکن جب وہ بحیثیت عمران ان سے مل بیٹھا تو وہ اسے چنگیوں میں اڑانے کی کوشش کرتے۔

صرف ایک ماتحت ایسا تھا جو اس کی دونوں حیثیتوں سے واقف تھا۔ وہ بلیک زیرو تھا اور اس کے دوسرے ماتحتوں کو علم نہیں تھا کہ ان کے علاوہ کوئی اور بھی ایکس ٹو کا ماتحت ہے۔ یہ ماتحت ”بلیک زیرو“ کہلاتا تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ عمران کی عدم موجودگی میں ایکس ٹو بن کر ماتحتوں کو کنٹرول کرے۔ ماتحتوں میں ایک سوئیس لڑکی جولیا نافٹز وائر بھی تھی۔ تنویر، چوہان،

پھر کیا تھا کھل کھلا..... شاید ہی کوئی خانہ چھوڑا گیا ہو۔ انگریز میزبان پولیس آفیسر تھا! اکثر کہتا تم بھی تو محکمہ سراغ رسانی کے آفیسر کی اولاد ہو! کچھ نہ کچھ جراثیم ورثے میں ملے ہی ہوں گے۔ کر منالوجی کا بھی مطالعہ کرو۔ اکثر عملی مشق کے لئے ایک آدھ کیس بھی لادیتے۔ اس چکر میں پڑنے کے بعد ہر قسم کے آدمیوں سے ٹکراؤ ہوا..... اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا! وقت کافی تھا۔ دو سال بی ایس سی کے..... دو سال ایم ایس سی کے اور پھر ڈاکٹریٹ کے لئے ریسرچ کا وقفہ۔!

بہر حال وہ لندن سے سو فیصدی ”ناکارہ“ بن کر واپس آیا۔ رحمن صاحب کو علم ہی نہیں تھا کہ صاحبزادے سائنس کے ڈاکٹر ہونے کے علاوہ کر منالوجی کے بھی ماہر بن کر تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے اسے یونیورسٹی میں بھڑانا چاہا۔ لیکن عمران نے صاف انکار کر دیا۔ کہنے لگا..... لڑکے پڑھا سکتا ہوں بوڑھے مجھ سے نہیں پڑھائے جائیں گے۔!

رحمن صاحب کو توقع نہیں تھی کہ وہ اس بے تکلفانہ انداز میں نافرمانی کرے گا۔ بہت بھنائے۔ گرے برے بھی۔ لیکن وہ تو یورپین اسٹائل کا قلندر بن کر واپس آیا تھا ذرہ برابر پروا نہ کی۔

کچھ دنوں بعد محکمہ سراغ رسانی کے سپرنٹنڈنٹ کیپٹن فیاض سے یارانہ ہو گیا اور اس نے مذاق ہی مذاق میں بعض کیسوں میں اس کی رہنمائی کی۔ بس پھر کیا تھا۔ فیاض کی بن آئی..... یعنی حیرت انگیز طور پر اس کی سروس بک میں کارناموں کا اضافہ ہونے لگا۔ نہ جانے کتنے ناقابل حل معضے آئینہ ہو گئے۔ اور محکمے میں کیپٹن فیاض کا طوطی باقاعدہ بولنے لگا۔

پھر کچھ دنوں کے بعد عمران بعض آفیسروں کی نظر میں آگیا..... اور آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی کی حیثیت سے اس کا تقرر اپنے باپ ہی کے محکمے میں ہو گیا! رحمن صاحب اب ڈائریکٹر جنرل تھے! منظوری کے لئے کاغذات ان کے سامنے پہنچے تو بہت بگڑے۔ لیکن چونکہ وزارت داخلہ کی طرف سے سفارش تھی اس لئے مجبوراً تقرر کی منظور دینی ہی پڑی ویسے وہ متحیر ضرور تھے کہ ایسا کیونکر ہوا۔

پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ اوپر کی پروا کئے بغیر انہیں عمران کو الگ ہی کر دینا پڑا۔ ہوا یہ کہ شاداب گھر میں ایک نامعلوم اسمگلر نے بڑا ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ مرکز سے کئی آفیسر شاداب گھر بھیجے گئے لیکن ناکام واپس آئے۔ آخر کام عمران کی باری آئی اس نے بڑے دھڑلے سے اس اسمگلر اور اس کے خطرناک گروہ کا قلع قمع کر دیا۔ لیکن رحمن صاحب کو عمران کا طریقہ کار پسند



”کبھی چار بجے۔۔۔ کبھی رات کو۔“

”یہ گاڑی میں ڈاکٹر تھا!“

”جی صاحب!“

”یہ کون ڈاکٹر تھا!“ عمران یادداشت پر زور دیتا ہوا بولا۔

”پتہ نہیں سب۔“ چوکیدار نے جواب دیا۔

”خیر ہاں تو۔۔۔ اب تم اپنی بھی خیریت بتا جاؤ۔“

”ارے سب ہم کیا۔۔۔ ہی ہی ہی!“

”کب ہو رہی ہے تمہاری شادی وادی!“

”پیسہ کدھر ہے سب۔۔۔ اپنا مولک میں لڑکی والے کو پیسہ دینا پڑتا ہے! ڈھائی ہزار۔“

”لڑکی اور پیسہ۔!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی!

”خو سب۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔ آپ کا شادی کب ہو گا۔“

”جب کوئی لڑکی والا مجھے پچاس ہزار روپیہ دے گا۔ اس سے کم پر۔۔۔ ناممکن۔۔۔ قطعی

ناممکن۔“

پٹھان نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اس نے کوئی ناقابلِ برداشت حد تک نامعقول بات کہی ہو۔!

”خو سب۔۔۔ آپ لوگ کا۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ ادھر تو۔۔۔ لڑکی لوگ مفت بٹتا ہے۔“

”یقیناً۔ یقیناً!“ عمران نے غمناک انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی۔

وہ دراصل ڈاکٹر کی واپسی کا منتظر تھا۔ تاکہ اسی سے ماں کی صحیح کیفیت معلوم کر سکے گھر

والے تو سیدھے منہ بات بھی نہ کرتے۔۔۔!

اس نے چوکیدار کو مغموم نظروں سے دیکھتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی۔ اور منہ چلا کر بولا۔ مگر

یار ڈھائی ہزار جمع کرتے کرتے تو تم بوڑھے ہو جاؤ گے اور شاید وہ لڑکیاں بھی بوڑھی ہو جائیں

جن کی تم امیدواری کر رہے ہو۔!“

”اللہ کا مرضی سب!“ پٹھان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”وہ بڑا کریم ہے روز نیا نیا لڑکی

پیدا کرتا ہے!“

”بیشک بیشک!“ عمران نے اس طرح سر کو ہلا کر کہا جیسے وہ جملہ کسی بہت بڑے عالم دین کی

زبان سے نکلا ہو۔

”خو۔۔۔ سب۔۔۔ امارا باب کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو رو دیا تھا۔ ام کو بھی دے گا۔“

”بالکل، بالکل۔۔۔“ عمران نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے سر ہلایا۔

”بڑا سب آپ سے کیوں ناراض ہے؟“

”دکھ بھری کہانی ہے۔ لالہ۔۔۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ چند لمحے خاموش رہا پھر

بولا۔ ”بڑا سب۔۔۔ اسی مولک میں ٹھیک رہتا جدھر کا تم ہے۔ غلطی سے ادھر پیدا ہو گیا۔!“

”ارے۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔ بہوت غصہ ور ہے۔۔۔ امارا بھی دم نکلتا۔!“

اسی طرح دیر تک تفتیح اوقات ہوتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ کیم شیم ڈاکٹر پورچ میں نظر آیا۔

عمدہ تراش کے گرم سوٹ میں ملبوس تھا۔ سر پر فلت ہیٹ تھا اور داڑھی! اس میں تو یقینی طور پر

کوئی خاص بات تھی۔۔۔ ورنہ چہرہ اتنا عجیب نہ معلوم ہوتا۔

وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا! ثریا نے پھر اسٹیرنگ سنبھالا۔

کار پھانگ سے گزر کر باہر آگئی۔ عمران اپنی ٹوسٹیر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جو کوٹھی سے

تھوڑے ہی فاصلے پر پارک کی گئی تھی۔!

عمران چاہتا تو ثریا ہی سے پوچھ لیتا۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ جوابات تشفی بخش ہوتے

کیونکہ ثریا کی زبان بھی قہقہی کی طرح چلتی تھی۔ وہ کچھ پوچھتا اور وہ اسے ادھیڑ کر رکھ دیتی۔ اسی

وقت اگر ڈاکٹر ساتھ نہ ہوتا تو عمران کی شامت آجانے میں دیر تھوڑا ہی لگتی۔

اب اس کی ٹوسٹیر ثریا کی گاڑی کے پیچھے چل رہی تھی۔ عمران سوچ رہا تھا کہ ثریا کے

رخصت ہو جانے کے بعد ہی ڈاکٹر سے گفتگو کرے گا۔

اگلی کار شہر کے سب سے زیادہ متمول آدمیوں کی بستی میں رکی تھی۔ ڈاکٹر اترا۔ چند لمحے ثریا

سے گفتگو کی۔ اور پھر پچھلی نشست کا دروازہ بند کر کے ایک عمارت کی کپاؤنڈ میں مڑ گیا۔

عمران اپنی گاڑی آگے نکال لے گیا تھا اور رفتار کم کر دی تھی۔ جیسے ہی ثریا نے واپسی کے

لے اپنی کار موڑی اس نے بھی یوٹرن لیا اور گاڑی اسی عمارت کے سامنے روک دی۔ نیچے اتر کر

پھانگ کی طرف بڑھا۔ لیکن نیم پلیٹ پر نظر پڑتے ہی ٹھک گیا۔ ایک بار اپنے مخصوص اسٹائل

میں آنکھیں پھاڑیں۔۔۔ اور نیم پلیٹ کو اور زیادہ قریب سے دیکھنے لگا جس پر تحریر تھا۔

”ڈاکٹر دعاگو“

ذہنی اور جسمانی امراض کے ماہر

نام کے نیچے ڈگریوں کی فوج تھی۔ انگلینڈ، امریکہ اور جرمنی وغیرہ کے حوالے تھے۔ عمران

نے کپاؤنڈ کے اندر جھانکا۔۔۔ لیکن سامنے کوئی بھی نظر نہ آیا۔



وہ چند لمحے پھانک پر ہی کھڑا ہا پھر کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔  
پورج سے ملحقہ برآمدہ بھی سنسان تھا! عمران پورج میں پہنچ کر پھر رک گیا اور اس کی انگلی  
کال بل کے پش سوچ کی طرف بڑھنے لگی!

پہلے ہی دباؤ پر..... صدر دروازہ کھلا اور ایک باوردی بیرہ باہر نکل کر عمران کی جانب بڑھا!  
”میں ڈاکٹر صاحب سے ملنا چاہتا ہوں!“ عمران نے اس سے کہا۔  
”اپنا کارڈ عنایت فرمائیے۔ جناب!“ بیرے نے بڑی شائستگی سے کہا اور ہاتھ پھیلا دیا عمران  
نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکال کر اسے دیا۔

کارڈ لے کر بیرہ تو اندر چلا گیا اور عمران سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑ کر  
برآمدے کا جائزہ لینے لگا..... پھر اچھل پڑا۔ صدر دروازہ بڑی زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تھا۔  
پھر نگاہ میں بجلی سے کوند گئی تھی..... عمران نے متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑیں اور اس  
بجلی پر نظر جمادی جواب کو نہ دینے کے ساتھ ساتھ ہی گرجنے بھی لگی تھی۔

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ ڈاکٹر تم سے نہیں مل سکیں گے۔“ بجلی نے کہا!  
یہ ایک سفید فام غیر ملکی لڑکی تھی۔ بال سنہرے تھے..... آنکھیں سیاہ اور دلکش تھیں۔  
ہونٹ یا قوت کے تراشے۔ قد متوسط۔ متناسب الاعضاء..... آنکھوں کی بناوٹ کہہ رہی تھی کہ  
پھر تیلی بھی ہے عمر میں بائیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔

عمران نے متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”کیوں نہ مل سکیں گے“  
لڑکی نے چٹکی میں دبے ہوئے وزینگ کارڈ پر نظر ڈالی اور پھر عمران کو گھورتی ہوئی بولی  
”کیونکہ..... تم ایم ایس سی اور ڈی ایس سی بھی ہو۔۔۔!“  
”اگر وہ ملنے پر آمادہ ہو گئے تو وعدہ کرتا ہوں کہ ڈگری اور ڈاکٹریٹ آکسفورڈ یونیورسٹی کو  
واپس کر دوں گا۔“

”تم لوگ دوسروں کا وقت برباد کرنا خوب جانتے ہو۔“  
”میں نے وقت کو آباد ہوتے کبھی نہیں دیکھا..... مس ارور.....“ عمران ہکھلایا۔ پھر بولا۔  
”لیکن ڈاکٹر سے مل کر ہی جاؤں گا۔ آخر ایم ایس سی اور ڈی ایس سی ہونا اتنی بری بات کیوں  
ہے۔“  
”پڑھے لکھے لوگ عموماً ڈاکٹر کا دماغ چائنا شروع کر دیتے ہیں۔“

”میں نہیں چاٹوں گا۔۔۔ وعدہ کرتا ہوں۔۔۔!“  
”تم کیوں ملنا چاہتے ہو۔۔۔!“

”ایک مریضہ کے متعلق گفتگو کروں گا جو زیر علاج ہے۔“  
”اچھا!“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”کارڈ کی پشت پر مریضہ کا نام اور پتہ لکھ دو۔“  
عمران نے کارڈ لے کر پشت پر والدہ کا نام اور پتہ لکھا۔ لڑکی کارڈ اس سے لے کر پھر اندر  
چلی گئی۔ عمران نے مضحکہ انداز میں اپنے شانے سکڑے اور پھر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔  
تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئی اور بولی۔ ”چلو۔۔۔ لیکن پھر سمجھا رہی ہوں کہ ڈاکٹر سے بحث  
نہ کرنا۔“

”اگر کروں تو خود کان پکڑ کر باہر نکال دینا۔ مجھے کوئی شکایت نہ ہوگی۔“  
وہ اسے نشست کے کمرے میں لائی۔ یہاں دیواروں پر تجریدی آرٹ کے بہت بڑے بڑے  
نمونے نظر آرہے تھے۔ سامنے ہی ایک ایسا درخت تھا جس کی جڑیں آسمان سے باتیں کر رہی  
تھیں اور شاخیں زمین پر اونڈھی پڑی تھیں نیچے لکھا ہوا تھا ”تنہائی“ پھر دوسری تصویر پر نظر  
پڑی۔ پورے فریم پر صرف ایک بڑی سی آنکھ بنی ہوئی تھی۔ جس کے گرد کچھ رنگ بے ترتیبی  
سے بکھیر دیئے گئے تھے اس کے نیچے تحریر تھا ”جدائی“ پھر ایک ہونٹ سا چہرہ نظر آیا جس کے  
گرد مچھلیوں سے ایک پیٹرن بنا ہوا تھا..... اس تصویر کا عنوان تھا ”دوستیں“۔ پھر ایک تصویر میں  
ایک بھینس نظر آئی جس کی پشت پر مین رکھی ہوئی تھی اور نیچے تحریر تھا ”جذبہ تخلیق“  
لڑکی بھی جاچکی تھی اور ڈاکٹر بھی ابھی نہیں آیا تھا اس لئے عمران ان تصاویر سے دل نہاتا  
رہا۔ بھلا بھلا تا کیونکر۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ دل نہاتا بھی کسی قسم کی کوئی ”تجریبی“ حرکت  
ہی ہو سکتی ہے!

ڈاکٹر آیا۔ اس پر ایک اچھٹی سی نظر ڈالی اور چپ چاپ بیٹھ گیا۔ عمران جی مصافحہ کے لئے  
نہیں اٹھا تھا۔ اس وقت وہ سرے سے احمق نظر آ رہا تھا اور بالکل احمقانہ انداز میں ڈاکٹر کی طرف  
دیکھے جا رہا تھا۔

”فرمائیے۔“ ڈاکٹر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ جی ہاں۔۔۔!“

”میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو رحمان صاحب کی کوٹھی کے سامنے بھی دیکھا تھا!“

”جی ہاں۔ جی ہاں۔“

”مریضہ سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔۔۔!“

”مم۔ میری..... والدہ ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ تو وہ آپ ہی ہیں۔!“

”جی ہاں۔ جی ہاں۔“ عمران احقانہ انداز میں سر ہلاتا ہی چلا گیا۔

”میں خود ہی آپ سے ملنا چاہتا تھا۔!“

”جی بڑی خوشی ہوئی۔“ عمران نے دانت نکال دیئے اور پھر ہونٹ بند کر کے ہونٹوں کی

طرح ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہو سکتا ہے آپ ہی ان کی علالت کا باعث ہوں“

”جی وہ۔۔۔ ہائی بلڈ پریشر۔!“

”وہ کوئی ایسی اہم چیز نہیں۔۔۔ پریشر زیادہ ہائی نہیں ہے۔ بہ آسانی نارمل ہو سکتا ہے

بشرطیکہ۔۔۔!“

ڈاکٹر جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا اور عمران اتنے اطمینان سے چاروں طرف دیکھنے لگا

جیسے پوری بات ذہن نشین ہو گئی ہو..... پھر یک بیک چونک کر ڈاکٹر کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ ”کیا

آپ شاعر بھی ہیں۔“

ڈاکٹر بھی چونک پڑا اس کے ہونٹ خفیف سے کھل گئے۔

”یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا آپ نے!“ اس کے لہجے میں بھی تحیر تھا۔

”یہ دعا گو تخلص ہے شاید۔!“

”اوہ سمجھا! شاید آپ بھی بحث فرمائیں گے!“

”نہیں میں نقاد نہیں ہوں۔۔۔ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔“ ویسے آج کل ڈاکٹر وہ

میں شاعری کی دبا عام ہے۔ قریب قریب ہر ڈاکٹر تخلص ضرور رکھتا ہے چاہے وہ ادب کا ڈاکٹر

ہو چاہے ادویات کا۔! کیا آپ نے ڈاکٹر بلبل چچہانی کا نام نہیں سنا۔!“

”صاحبزادے۔۔۔ صاحبزادے..... آپ کہاں کی ہانک رہے ہیں۔“

”جی..... میں نہیں سمجھا!“ عمران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”آپ کس لئے تشریف لائے ہیں۔“

”میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ والدہ صاحبہ کی طبیعت اب کیسی ہے۔“

”کیا گھر سے نہیں معلوم کر سکتے تھے۔!“

عمران نے ایک طویل سانس لی اور اس کے چہرے پر دکھوں کے بادل چھا گئے۔ چند لمحے

مابو سانہ انداز میں سر ہلاتا رہا پھر بولا۔ ”اس اونچے مکان کا کرایہ ادا کرنے کی حیثیت نہیں رکھتا۔“

”سمجھا۔۔۔ یعنی آپ اپنی عادات ترک نہیں کر سکتے۔!“

عمران نے سوچا اسے سب کچھ بتایا گیا ہے۔ مشکل ہے کہ ثریا ایک بات چھیڑ کر پوری تفصیل

میں نہ جائے۔ اس نے ڈاکٹر کو کوئی جواب نہ دیا۔ بس اپنے چہرے پر ایک حماقت زدہ سا سوگ

طاری کئے بیٹھا رہا۔

”میں نے مسٹر رحمان سے وعدہ کیا ہے کہ مسٹر رحمان کے صحت یاب ہو جانے کے بعد

آپ کا بھی علاج کروں گا۔“

”واقعی!“ عمران بیحد خوش ہو کر بولا۔ ”مجھ پر بڑا احسان ہوگا اگر آپ ان کا بھی علاج

کر سکیں۔“

”ان کا نہیں آپ کا۔!“

”کیا بات ہوئی۔۔۔“ عمران پھر ست پڑ گیا۔

”آپ بھی کسی پیچیدہ ذہنی مرض کا شکار ہیں۔“

”اوہ آپ سمجھ گئے!“ عمران کھیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ ”مگر کسی سے کہیے گا نہیں جی ہاں

واقعی.....!“

چند لمحے خاموش رہا پھر راز دارانہ انداز میں آہستہ سے کہنے لگا۔ ”عجیب بناوٹ ہے میرے

دماغ کی۔ وہ آپ کی جو نرس ہے نا..... بڑی شوخ لپ اسٹک لگاتی ہے..... ہونٹ دیکھ کر میں

سوچنے لگا تھا..... یا اللہ کیا بلبل الٹ گیا ہے!“

”بلبل الٹ گیا ہے؟“ ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔۔۔ ”لا حول ولا

قوة۔“

اس کے ہونٹوں پر جھپٹی ہوئی سی مسکراہٹ تھی۔

”جی ہاں اور کیا!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”بالکل لا حول ولا قوة..... بس ایسے ہی اوٹ پناگ

خیالات میرے ذہن میں آتے رہتے ہیں ضرور علاج کیجئے میرا۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ خود ہی شاعر ہیں۔“ ڈاکٹر ہنسنے لگا۔ ”بلبل الٹ گیا ہے۔ واہ کتنی نادر

تشبیہ ہے۔ سبحان اللہ۔۔۔!“

”ہاں تو میں والدہ۔۔۔ صاحبہ۔۔۔!“

”فکر نہ کیجئے۔۔۔!“ ڈاکٹر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وہ اچھی ہو جائیں گی۔ وہ دراصل ذہنی الجھاؤ کی

شکار ہیں..... یہی بہتر ہے کہ ان کی جذباتی کشش کا رد عمل دوران خون پر ہو رہا ہے..... دوسری

صورت میں تو ہسٹریا قسم کے دورے بھی پڑ سکتے ہیں۔“



”اوہ..... میرے خدا۔“ عمران یک بیک چونک پڑا۔ ”کیس غیر ارادی طور پر کوئی بحث نہ چھڑ جائے۔ مجھے سرخ ہونوں سے ہول آتا ہے۔!“

”نہیں کوئی بات نہیں!“ ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ”یہ مار تھا کہ فرائض میں داخل ہے کہ کسی تفتیح اوقات کرنے والے کو مجھ تک نہ آنے دے۔“ اکثر لوگ فضول قسم کی باتیں چھیڑ کر بڑا وقت برباد کرتے ہیں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میرا طریق علاج بعض لوگوں کو بے یقینی اور الجھن میں مبتلا کر دیتا ہے۔ میں دراصل سائیکسٹھ سٹ ہوں۔ اگر اس سلسلے میں لوگوں سے کوئی سائنٹیفک بحث چھیڑوں تو ان کے پلے نہیں پڑے گی کیونکہ عام طور پر میرے کبھی مریض پڑھے لکھے نہیں ہوتے۔ لہذا ان کے ذہن نشین کرانا پڑتا ہے کہ وہ میری دعاؤں سے اچھے ہو رہے ہیں۔ کبھی ان کے بازو پر تعویذ بھی باندھنا پڑتا ہے جو حقیقتاً سادہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔“

”اوہ تو اسی لئے آپ ڈاکٹر دعاگو ہیں۔!“

”جناب!“ ڈاکٹر مسکرایا۔ ”اگر یہاں میں سائیکسٹھ کا بورڈ لگوا دیتا تو کوئی پاس بھی نہ پھٹکتا۔!“

”سمال ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”پڑھے لکھے لوگ تو خود ہی اپنا ذہن کریدنے لگتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی الجھنیں بعض اوقات خود ہی رفع بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن جو پڑھے لکھے نہیں ہوتے وہ اپنی بے چینی اور ذہنی الجھاؤں کو کوئی معنی نہیں پہناتے۔ لہذا دوڑے آتے ہیں۔ میرے پاس آکر کہتے ہیں کہ شاید ان پر کسی نے کچھ کر دیا ہے۔ پھر میں ان کے ذہن کو کریدتا ہوں۔ الجھنوں کی وجہ معلوم کر کے انہیں رفع کرنے کی تدبیر کرتا ہوں اور ان کی تسلی کے لئے ایک آدھ تعویذ بھی چل جاتا ہے وہ مرض سے نجات پاتے ہیں اس سادہ کاغذ کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں جو ان کے بازو پر بندھا ہوتا ہے۔!“

”یہ طریقہ بھی سائنٹیفک ہے!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”اس لئے میں ڈاکٹر دعاگو کہلاتا ہوں۔ بعض پڑھے لکھے مجھے فراڈ بھی سمجھتے ہیں! کم پڑھے لکھے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شاہ صاحب انگریزی بھی پڑھے ہوئے ہیں! سوٹ بوٹ میں رجتے ہیں۔ لیکن عملیات تیر بہدف ہیں! خطا کرتے ہی نہیں۔!“

”مگر بورڈ پر تو جسمانی امراض کا حوالہ بھی موجود ہے۔“

”ہمارا جسم قطعی طور پر ذہن کا تابع ہے اس لئے ہیکٹر فیصدی جسمانی امراض کی وجہ بھی ذہنی ہی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر میرے پاس ایک ایسی نوجوان مریضہ آئی جس کے دونوں بازو مفلوج ہو کر رہ گئے تھے حرکت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ اعصابی امراض کے ماہرین کا کہنا ہے کہ رگ اور پٹھے معمول پر ہیں۔ ان میں کوئی نقص واقع نہیں ہوا۔ یہ کیس ہر ایک کے لئے گورکھ دہندہ بنا ہوا تھا۔ میں نے لڑکی کے ذہن کو کرید کر وجہ معلوم کر لی۔“

ڈاکٹر خاموش ہو کر مسکرایا! پھر بولا۔ ”اور میں نے اس کے بازو پر تعویذ باندھ کر اس کے باپ کو مشورہ دیا کہ وہ اسے کہیں باہر بھیج دے۔۔۔۔۔ کیونکہ اس پر کیا جانے والا جادو اس شہر کی فضا پر منڈلا رہا ہے یہاں رہی تو کبھی اچھی نہ ہوگی۔“ تو جناب۔ باپ نے لڑکی کو اس کے نانہال بھجوا دیا۔ وہ دو ماہ بعد بالکل ٹھیک ہو گئی۔ پھر میں نے اس کے باپ کو مشورہ دیا کہ اگر وہ اس کی خیریت چاہتا ہوں تو اسے یہاں کبھی نہ بلائے۔ نانہال ہی سے اس کی شادی کر کے رخصت کر دے۔ یہی ہوا۔۔۔۔۔ لڑکی آج بھی زندہ اور بخیریت ہے۔“

ڈاکٹر پھر خاموش ہو کر سگریٹ کیس کھولنے لگا۔۔۔۔۔ پھر اسے عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”آپ جانتے ہیں مرض کیا تھا۔“

”شکریہ! میں سگریٹ نہیں پیتا!“ عمران نے اس طرح کہا جیسے سگریٹ نہ پینا بھی جرم ہو۔!

”لڑکی کی ماں سوتیلی تھی۔ جس سے اسے شدید نفرت تھی۔“ ڈاکٹر سگریٹ سلگانے کے لئے رکا اور سگریٹ سلگا کر دھواں چھوڑتا ہوا بولا۔ ”روزانہ رات کو اس کے پیر دبانے پڑتے تھے۔ لڑکی بامروت تھی انکار نہ کر سکتی تھی۔ لیکن اندر ہی اندر کھولتی رہتی تھی کہ کاش اسے یہ کام نہ کرنا پڑتا۔۔۔۔۔ لاشعور میں وہی ہوئی نفرت اعصاب پر بجلی بن کر گئی اور ہاتھ مفلوج ہو گئے۔ پیر نہ دبانے کی خواہش بلا واسطہ طور پر پوری ہو گئی سمجھ رہے ہیں نا آپ۔!“

”جی ہاں۔ بالکل بالکل۔“

”اسی طرح ملٹن اندھا ہو گیا تھا جو اپنی بیوی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔“

”اب تو بالکل سمجھ گیا۔!“ عمران بوکھلا کر بولا۔ ”شادی کے چھ ماہ بعد عموماً بیوی کی شکل دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔۔۔۔۔ معاذ اللہ۔۔۔۔۔ اللہ محفوظ رکھے جملہ مومنین کو۔!“

”آپ کی والدہ کبھی اتنی زیادہ بیمار بھی ہو سکتی ہیں کہ آپ کے والد صاحب بوکھلا کر آپ کو گھر آنے کی اجازت دے ہی دیں۔“

”ہوں۔!“ عمران تشویش کن انداز میں سر بلانے لگا۔

”آپ کی بے راہ روی بھی ان کے مرض کی وجہ ہو سکتی ہے۔۔۔۔۔ اب میں کرید رہا ہوں ان

کے ذہن کو۔ دیکھئے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔“  
 ”واقعی آپ بہت گہرے آدمی ہیں۔“ عمران نے ڈاکٹر کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں نرس مارتھا کمرے میں داخل ہوئی اور ڈاکٹر کو کسی کا وزینگ کارڈ دیا۔  
 ”اچھی بات ہے جناب!“ ڈاکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ ”کبھی کبھی ملتے رہیے گا۔“  
 ”لیکن خدا کے لئے میرا ذہن نہ کریدئیے گا!“ عمران نے کہا۔ ”ورنہ میں کسی کام کا نہ رہ جاؤں گا۔“

”اچھا۔ اچھا۔“ ڈاکٹر معنی خیز ہنسی کے ساتھ بولا۔

عمران ڈرائنگ روم سے اٹھ کر پھر برآمدے میں آیا لیکن اسے یہاں ایک ایسا آدمی نظر آیا جو کم از کم دعا تعویذ کا قائل تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ وزارت خارجہ کا ایک ڈپٹی سیکرٹری تھا۔ عمران اسے اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اسے نہ جانتا رہا ہو۔

اب نرس اسے اندر لے گئی۔ لیکن جاتے جاتے عمران نے آہستہ سے کہا تھا ”میں یہیں آپ کا منتظر ہوں گا۔“

ڈپٹی سیکرٹری کو اندر پہنچا کر وہ واپس آئی اور جھکے لہجے میں پوچھا۔ ”کیا بات ہے۔“  
 ”اس ہسپتال میں قیام کا انتظام بھی ہے یا نہیں۔!“

”کیوں؟“

”شاید میں بھی داخل ہونا پسند کروں۔!“

”تمہیں کیا بیماری ہے۔۔۔ مگر تم نے یہ ڈاکٹر ہی سے کیوں نہیں پوچھا۔ میں کوئی فلرٹ لڑکی نہیں ہوں سمجھے۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم بجد نیک اور شریف ہو! ڈاکٹر سے پوچھنا بھول گیا تھا۔ دراصل مجھے بھول جانے ہی کا مرض ہے۔“

عمران اسے اپنی لپچے دار باتوں میں الجھائے رہا! مقصد جو کچھ بھی ہو۔ وہ جو تھوڑی غصہ در بھی معلوم ہوتی تھی بات بات پر بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔ شاید دس منٹ گزر گئے۔ پھر وہ چونکی اور اس نے کہا۔ ”تم ضرور داخلہ لے لو۔۔۔ بھول جانے کا مرض چند دنوں میں جاتا رہے گا۔“  
 ڈاکٹر ماہر ترین سائیکو اینلیسٹ ہیں۔“

دفعۃً صدر دروازہ پھر زور دار آواز کے ساتھ بند ہوا۔ عمران چونک پڑا۔ باہر آنے والا وہ ڈپٹی سیکرٹری تھا جو کچھ دیر پہلے ڈاکٹر سے ملنے آیا تھا۔ عمران نے اس کے چہرے پر کوئی عجیب سا

بات مارک کی۔ آنکھیں خالی خالی اور ویران سی نظر آرہی تھیں۔ وہ سامنے ہی نظر اٹھائے ہوئے تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ پھر پھانک سے بھی گزر گیا۔ عمران لڑکی کی طرف مڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اچھل پڑا۔ وہ فائر کی آواز تھی اور ساتھ ہی ایک چیخ بھی فضا میں ابھری تھی۔

عمران آواز کی جانب جھپٹا! اندازہ یہی تھا کہ یہ سب کچھ کیاؤنڈ کے باہر ہوا ہے۔ عمران سے اندازے کی غلطی نہیں ہوئی تھی۔ بائیں جانب پھانک سے چند ہی گز کے فاصلے پر ڈپٹی سیکرٹری انتہائی کرب کی حالت میں ایڑیاں رگڑ رہا تھا اور اس کی داہنی کینٹی سے ابلتے ہوئے خون سے قرب و جوار کی زمین سرخ ہوتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی عمران کی نظر اس ریوالور پر بھی پڑی جو تشیخ کی وجہ سے داہنی مٹھی میں جکڑ کر رہ گیا تھا۔



عمران کے پیچھے ہی پیچھے نرس مارتھا بھی آئی تھی۔ دم توڑتے ہوئے زخمی پر نظر پڑتے ہی ہسٹریائی انداز میں چیخنے لگی۔۔۔۔۔ پھر اسی طرح چیختی ہوئی دوبارہ کیاؤنڈ میں بھاگ گئی۔

اب وہ ایک ٹھنڈی لاش تھی۔ ریوالور اب بھی اس کی مٹھی میں جکڑا ہوا تھا۔ ذرا ہی سی دیر میں بھیر لگ گئی۔ عمران محض ایک تماشائی کی حیثیت میں کھڑا آنکھیں پھاڑتا رہا۔ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لاش کے سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔ دفعتاً مجمع سے کسی نے بلند آواز میں کہا ”ہسکو یہاں سے ورنہ خواہ مخواہ ایسی شہادت میں دوڑنا پڑے گا۔!“

پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے مجمع صاف ہو گیا۔ اب وہاں صرف عمران تنہا کھڑا احقانہ انداز میں پلکیں جھپک رہا تھا۔

پھر ڈاکٹر دعا گو بھی جھپٹتا ہوا پھانک سے نکلا اور عمران کے قریب ہی رک گیا۔

”اوہ۔ اوہ۔ میرے خدا۔۔۔۔۔ وہ ہو ہی گیا جو نہ ہونا چاہئے تھا۔!“ وہ مضطربانہ انداز میں بڑبڑایا۔ ”ہاں۔۔۔ اوہ۔۔۔ ریوالور مٹھی میں دبا ہوا ہے۔ خود کشی میرے خدا۔۔۔۔۔“

پھر بائیں ہتھیلی سے اپنی پیشانی رگڑتا ہوا عمران کی طرف مڑا اور یک بیک چونک کر بولا ”اوہ۔۔۔ میں بھی کتنا احمق ہوں۔ پولیس کو اطلاع دینی چاہئے۔“

وہ پھر پھانک کی طرف مڑ گیا۔ عمران جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ راہ گیر رکتے اور استفسار حال کر کے بڑی تیزی سے آگے بڑھ جاتے۔ قریب کی بعض کوٹھیوں کی کھڑکیاں کھٹکھٹ بند ہو رہی تھیں۔ غالباً سبھی کو خدشہ تھا کہ کہیں شہادت کے لئے عدالت میں طلب نہ کر لئے

جائیں!

ڈاکٹر پھر واپس آیا..... اور عمران سے بولا۔ ”آپ ابھی یہاں موجود ہیں۔“

عمران نے اثبات میں سر ہلا دیا

”جائیے ورنہ خواہ مخواہ گواہی کے لئے عدالت میں طلب کر لئے جائیں گے!“

”اب کے یہ تجربہ بھی سہی!“ عمران مسکرایا

”یہ وزارت خارجہ کا ڈپٹی سیکرٹری تھا۔“

”ارے!“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔

”جی ہاں! کتنا اچھا آدمی تھا۔ کیا بتاؤں آپ سے! میں اس کا علاج کر رہا تھا۔“

”اف فوہ۔“ عمران صرف آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

”زندگی سے مایوس ہو چکا تھا۔“

”اکثر بوسیر کے مریض ہو جاتے ہیں۔“

”جی!“ ڈاکٹر نے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”جی ہاں!“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا دیا۔

”نہیں جناب! آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ یہ فوبیا زور کو مہلکمز کا شکار تھا۔“

یہ کیا چیزیں ہیں!“ عمران نے حیرت سے پوچھا

”آپ سائنس کے ڈاکٹر ہیں۔“ ڈاکٹر دعاگو کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی۔ وہ تو..... میں نے آکس کریم فریزنگ پر ریسرچ کی تھی۔“ عمران نے شرما کر کہا۔

پوہ۔!“ پھر کبھی بتاؤں گا!“ ڈاکٹر نے گھڑی پر نظر ڈال کر کہا۔ ”کتنا غیر ذمہ دار ہوتا جا رہا ہے

یہ محکمہ بھی..... دس قدم پر پولیس اسٹیشن ہے لیکن آہی نہیں چکتے۔ کسی صورت سے۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ دو ایک راہ گیر پھر رکے اور لاش کے متعلق استفسار کر کے جلدی سے

آگے بڑھ گئے۔ ”لا حول ولا قوۃ!“ ڈاکٹر برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”کس مصیبت میں پھنس گیا! کاش

ان حضرت نے گھر جا کر خودکشی کی ہوتی۔ ابھی راہ گیر دماغ پاٹ رہے ہیں پھر عدالت چائے گی

لا حول ولا قوۃ۔۔ لا حول ولا قوۃ..... کیوں جناب آپ کیوں اپنی گردن پھنسا رہے ہیں۔ آپ

بھی تشریف لے جائیے۔!“

”اکیلے آپ کا جی نہ گھبرائے گا۔“ عمران نے بڑی مصومیت سے پوچھا۔

ڈاکٹر اسے اس طرح گھورنے لگا جیسے گالی دیتے ہوئے رک گیا ہو۔ پھر لا پرواہی سے شانے

کوڑے اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

مقامی تھانے کا انچارج چند کانسٹیبلوں کے ساتھ جھپٹتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔

”آپ ہی نے فون کیا تھا؟“ اس نے لاش پر نظر ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھا تھا۔

”جی ہاں!“ ڈاکٹر نے پھانک کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ ”اب جو کچھ بھی پوچھنا ہے اندر

آکر پوچھئے گا۔ کھڑے کھڑے پیروں میں درد ہونے لگا۔“

سب انسپکٹر نے پیکس جھپکائیں کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن پھر خاموش ہی رہ گیا۔

کیونکہ ڈاکٹر جا چکا تھا! پھر وہ تھر آلود اسٹائل میں عمران کی طرف مڑا اور لکھنے لہجے میں غرایا

”اور آپ کون ہیں۔“

”نچ۔ جی..... میں..... علی عمران۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ آکس ہوں۔“

”ہوں!“ اس کی آنکھیں کچھ اور زیادہ اہل پڑیں۔ ”یہاں کیوں کھڑے ہیں؟“

”مم۔ میں نے کہا۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ کر جائے۔!“

”کیسی گڑبڑ۔!“

”جی کوئی ریوالور ہی پار کر جائے۔ کافی قیمتی معلوم ہوتا ہے۔ ہاتھی دانت کا نقشین دستہ

ہے۔“

”یہ کیسے مرا۔!“

”پتہ نہیں۔ جب میں نے دیکھا ہے تو ترپ رہا تھا..... ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ محکمہ

خارجہ کا ڈپٹی سیکرٹری ہے!“

”جی!“ انچارج اچھل پڑا۔ اب اس پر کچھ اس قسم کی بوکھلاہٹ طاری ہو گئی جیسے ڈپٹی

سیکرٹری کو سلام کرنا بھول گیا ہو اور اب لاش ہی کو سلیوٹ جھاڑ بیٹھے گا۔ پھر وہ بدحواسی ہی کے

عالم میں دوڑتا ہوا ڈاکٹر کے کپاؤنڈ میں داخل ہو گیا۔ جاتے جاتے اپنے ماتحتوں کو کہہ گیا کہ عمران

کو روکے رکھیں۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور جیب میں چیو گلم کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔

پولیس پارٹی کے افراد اسے ایسے ہی کڑے تیوروں سے دیکھ رہے تھے جیسے مرنے والے کا

خون اسی کے سر پر ہو!

”مجھے کب تک انتظار کرنا پڑے گا بھائی صاحب!“ اس نے ایک کانسٹیبل سے پوچھا۔ اور وہ

اپنی بڑی بڑی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”میں نہیں جانتا!“

”اللہ۔!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر منہ چلانے لگا۔

پھر انچارج کے واپس آتے آتے ایک دوسری پارٹی بھی وہاں پہنچ گئی جو محکمہ سرانصرسانی

”بار والا کہہ رہا تھا کہ اب شراب کا ادھار کھاتہ بند کر دیا گیا ہے۔ اپنے باس سے کہو ماہانہ

”بکواس مت کرو تم بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہو

”بکواس مت کرو تم بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہو!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”شادی سے پہلے ہی۔“ عمران نے مایوسانہ لہجے میں پوچھا۔

”بکواس کرنا بھول جاؤ گے۔۔۔ اگر گھر سے غائب ہوئے تو مجبوراً وارنٹ نکلوانا پڑے گا۔“

”ارے باپ رے۔“ عمران گھبرا کر بولا۔

”بس۔۔۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عمران ریسیور رکھ کر احمقانہ انداز میں مسکرایا اور چیونگم کا پیکٹ پھاڑنے لگا۔ پندرہ منٹ بعد ایکس ٹو والے فون کی گھنٹی بجی اور عمران اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس فون پر دوسری طرف جولیانا فٹروائر تھی۔

”صفدر بیان کی نقل حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”ڈپٹی سیکرٹری بعض ذہنی امراض میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر دعا گو اس کا معالج تھا۔۔۔۔۔ پچھلے چند ماہ سے ڈپٹی سیکرٹری بیحد مایوس ہو گیا تھا! اکثر اس سے کہتا رہتا کہ اب وہ خودکشی کر لے گا۔ آج بھی یہی کہنے آیا تھا کہ اب وہ کبھی کام کا آدمی نہ بن سکے گا۔ دنیا کو اب اس کی قطعی ضرورت نہیں رہی۔ کوئی اس کی پرواہ نہیں کرتا گھر والے اسے بد گوشت سمجھنے لگے ہیں۔ بیوی سوچنے لگی ہے کہ کاش وہ بیوہ ہوتی۔۔۔ بچے اس کا احترام نہیں کرتے۔۔۔۔۔ آوارہ ہو رہے ہیں۔ اگر وہ زندہ بھی رہا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گا۔۔۔۔۔ اب وہ ضرور خودکشی کر لے گا۔ ڈاکٹر نے آج بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔۔۔ لیکن باہر نکل کر اس نے آخر کار خودکشی کر ہی لی۔“

”اور کچھ!“ عمران نے پوچھا۔

”جی نہیں۔ رپورٹ کا لب لباب سنا چکی ہوں۔“

”ہوں۔ دوسرے احکامات کی منتظر رہو۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا اور نشست کے کمرے کی طرف مڑا ہی تھا کہ کسی نے باہر سے کال بل کا بٹن دبایا۔

”آگے رائنڈ کے ساتھ صاحب!“ عمران بوڑھایا۔۔۔۔۔ اور سلیمان کو آواز دے کر کہا کہ باہر دیکھے۔

آنے والا کیپٹن فیاض ہی تھا۔ چہرے پر فکر مندی کے آثار تھے۔!

”تم وہاں کیوں گئے تھے!“ اس نے بیٹھنے سے پہلے ہی پوچھا۔

”ڈپٹی سیکرٹری کے تڑپنے کا منظر دیکھنے گیا تھا۔“

”میں کہتا ہوں سنجیدگی سے گفتگو کرو۔۔۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

”یار تم اب ایک مرغی خانہ کھول دو۔ جب کڑک مرغیاں انڈے دینے لگتی ہیں تو دلبستگی کا خاصا سامان پیدا ہو جاتا ہے۔ کیسا جی خوش ہوتا ہے جب مرغی انڈا دے کر اٹھتی ہے۔ سجان

اللہ۔“

”میں کہتا ہوں سنجیدگی سے گفتگو کرو“ فیاض بولا۔

”تم بھی بگڑ لو۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”آج صبح پتہ نہیں کس گلفام کی صورت دیکھی تھی۔ معاذ اللہ“

”مجھے سختی پر مجبور نہ کرو۔“

”استغفر اللہ“

”کیا تم پھر سیکرٹ سروس والوں کے لئے کام کر رہے ہو!“

”سرکاری راز ہیں سو پر فیاض۔ بتائے نہیں جاسکتے۔ ویسے تم ڈاکٹر ہی سے پوچھ سکتے ہو کہ میں وہاں کیوں گیا تھا!“

”اس نے جو کچھ مجھے بتایا ہے مجھے اس پر بھی یقین ہے۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔“ فیاض نے جملہ پورا نہیں کیا۔!

”لیکن سسرال والوں کا خیال کچھ اور ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اے تم جو رو سے اتنا ڈرتے کیوں ہو۔؟“

”غیر متعلق باتیں نہ کرو۔۔۔!“

”مجھے معلوم ہے کہ ڈپٹی سیکرٹری تمہاری بیوی کا عزیز ہے!“

”پھر اس سے کیا ہوا۔“

”بہت کچھ ہوا مری جان۔ سیکرٹری کی خودکشی کے باعث تم ہی بیٹے ہو اے جو رو کے غلام۔!“

”کیا مطلب!“ فیاض چونک کر اسے گھورنے لگا۔

”کیا تمہارا منہ ڈپٹی سیکرٹری میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا۔“

”تم کیا جانو۔“ فیاض متحیرانہ انداز میں کرسی سے اٹھ گیا۔

”میں کیا نہیں جانتا!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اس کی پرواہ مت کرو۔۔۔ تمہارا منہ اس میں دلچسپی لے رہا تھا اس کی نگرانی ہو رہی تھی۔ تمہیں اطلاع ملی تھی کہ وہ ایک غیر ملکی سفارت خانے کے لئے جاسوسی کر رہا ہے۔ تم لوگوں نے اس کی نگرانی شروع کرادی۔ اوھر تمہارے بیٹ میں چوہے بھی دوڑ رہے تھے۔۔۔۔۔ لہذا پیٹ ہلکا کرنے کے لئے تم نے وہ بات اپنی بیوی کو بتا دی۔۔۔۔۔ کیا غلط کہہ رہا ہوں اور پھر تمہاری بیوی سے بات اس تک پہنچ گئی۔۔۔۔۔ آدمی کمزور دل کا تھا بوکھلا گیا۔۔۔۔۔ پھر ظاہر ہے خوف اس کو خودکشی کی طرف لے گیا۔“

کر۔“

”اب میں کیا جانوں سالے نے انگریزی میں کیا کہا ہے۔“ سلیمان نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”وہ کہتا ہے کہ تم اس کی بوتلیں جھوٹی کر دیتے ہو۔“

”بکنا ہے سالا۔ میں تو صرف سو گتہ رہا تھا۔“

”سلیمان۔!۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”اپنی ایسی کی تیشی میں جائے۔“ سلیمان نے جھاکر کہا اور تیزی سے باورچی خانے کی طرف

چلا گیا۔

جوزف چپ کھڑا رہا۔۔۔۔۔ عمران قلم اٹھا کر کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھنے لگا اور پھر اسے جوزف

کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”اس پتہ پر جاؤ۔۔ ڈاکٹر ہے وچ ڈاکٹر۔ اس سے کہنا کہ تمہارے سر پر

بری رو صلی منڈ لار ہی ہیں۔۔۔۔۔ جب تم او گتے لگتے ہو تو ایک جیل تمہارے کانوں میں بڑے زور

سے چنٹی ہے!“

”لاؤ!“ جوزف نے غصیلے لہجے میں کہا اور کاغذ عمران کے ہاتھ سے لے کر ”فوجیانہ“ انداز

میں ایڑیوں پر گھوم کر فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

وہ کچھ اسی قسم کا تابعدار شکاری کتا تھا جتنا کہا جاتا تھا ہی کرتا۔ کسی معاملے میں کبھی بحث

نہیں کرتا تھا۔ اس وقت تو غصے ہی میں تھا اور چاہتا تھا کہ کسی پر غصہ اتار کر جی ہلکا کر لے۔ باہر

اس کے لئے بہت مواقع تھے! اس لئے خود بھی باہر جانا چاہتا تھا۔ عمران کے خیال سے گھر میں

کسی قصے کو طول دینا پسند نہیں کرتا تھا۔

عمران نے ایک طویل سانس لی اور جسم ڈھیلا چھوڑ کر ٹانگیں ہلانے لگا۔۔۔۔۔ اس کی پیشانی پر

شکلیں تھیں۔ شاید وہ بہت سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔ پھر یک بیک چونکا اور شریر سی مسکراہٹ

اس کے ہونٹوں پر بکھر گئی! اس نے نجی فون کا ریسیور اٹھا کر کیپٹن فیاض کے گھریلو نمبر ڈائیل

کئے اور جلد ہی دوسری طرف سے اس کی بیوی کی آواز سنی!

”کون صاحب ہیں۔!“

”صاحب نہ کہو! ورنہ تمہارے میاں قیامت برپا کر دیں گے ابھی ابھی وہ مجھے بھگتی بنا کر گئے

ہیں۔!“

”اوہ تو آپ ہیں! فرمائیے!“

”کوئی بری خبر تم تک پہنچی یا نہیں۔“

”میں نہیں سمجھی۔!“

عمران خاموش ہو کر فیاض کو گھورے جارہا تھا۔ فیاض نے تھوک نگل کر کچھ کہنا چاہا لیکن پھر

نہ جانے کیوں ہونٹ بھیج لے۔!

دوسرے کمرے سے سلیمان اور جوزف کی زبانی جھڑپوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ کچھ دیر

بعد فیاض بڑبڑایا۔ ”لیکن اب کیا ہوگا۔“

”وارنٹ نکلواؤ میرے!“ عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ عمران

نے ریسیور اٹھایا۔ کال فیاض کے لئے تھی۔ وہ ریسیور لے کر کسی کی گفتگو سن رہا لیکن چہرے کے

اتار چڑھاؤ سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ گفتگو خوشگوار نہیں تھی۔ دفعتاً اس کی آنکھیں حیرت سے

پھیل گئیں اور وہ ریسیور رکھ کر دروازے کی طرف جھپٹا لیکن پھر پلٹ کر میز سے فلت ہیٹ

اٹھائی اور اس بار باہر نکلے وقت دروازے کی چوکھٹ سے بری طرح کمرایا۔

عمران کی آنکھیں معنی خیز انداز میں گردش کر رہی تھیں۔!



پھر عمران پرائیویٹ فون کی طرف جھپٹا! اس پر اپنے ماتحت سارجنٹ نعمانی کے نمبر ڈائیل

کئے جو اس کے فلیٹ کے قریب ہی رہتا تھا۔

”ہیلو نعمانی۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ایکس ٹو اسپیکنگ۔ دیکھو عمران کے فلیٹ

سے ابھی ابھی کیپٹن فیاض نکلا ہے اس کا تعاقب کرو۔ یہ معلوم کرو کہ وہ کس سے ملتا ہے اور

دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو بھی سن سکو تو بہت اچھا ہے! اور اینڈ آل۔“

ریسیور رکھ کر وہ پھر نشست کے کمرے میں آیا اور کوشش کرنے لگا کہ اسے سلیمان اور

جوزف پر شدت سے غصہ آجائے کیونکہ وہ ناخبر کیپٹن فیاض کی موجودگی میں بھی آپس میں

لڑتے رہے تھے پھر اس نے انہیں آواز دی۔

دونوں ہی غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔ عمران برس پڑا۔

”آپ اس حرامزادے کلونے کو کچھ نہیں کہتے جو دن رات مجھے کوستا رہتا ہے۔ ارے ایسے

ایسے کونسے دیتا ہے کہ بڑی بوڑھیاں بھی پانی پانی ہو جائیں۔۔“ سلیمان نے ہانپتے ہوئے کہا۔

عمران نے جوزف کو گھور کر دیکھا اور انگریزی میں دھاڑا۔۔ ”کیوں بے۔ تو اسے کوستا رہتا ہے۔“

”کیوں نہ کوسوں!“ جوزف نے لا پرواہی سے کہا۔ ”اگر تمہارا خیال نہ ہو تا باس تو اس کی

ہڈیاں توڑ کر رکھ دیتا۔ یہ باسٹرڈ میری ساری بوتلیں جھوٹی کر دیتا ہے ایک ایک گھونٹ لے

”فیاض نے کچھ نہیں بتایا۔“

”نہیں۔۔۔ تو۔۔۔ خواہ مخواہ بور نہ کیجئے! بتائیے کیا بات ہے!“

”محکمہ خارجہ کے ڈپٹی سیکرٹری تمہارے کون ہیں!“

”اوہ۔۔۔ وہ چھکن بھائی۔!“

”لاحول ولا قوۃ۔۔۔ میں ڈپٹی سیکرٹری کی بات کر رہا ہوں۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ میرے رشتے کے بھائی ہیں۔۔۔ ہم لوگ انہیں چھکن بھائی کہتے ہیں۔

عرفیت ہے۔“

”تب تو اچھا ہی ہوا کہ مر گئے!“

”کیا مطلب۔ کیا بک رہے ہیں آپ!“

”کچھ دیر گزری انہوں نے ڈاکٹر دعا گو کے پھاٹک پر خود کشی کر لی ہے۔ میں موجود تھا۔!“

”ہائے اللہ۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ فیاض کہاں ہے۔“

”جھک مارتے پھرتے ہیں۔۔۔ میں آ رہا ہوں تم کہیں جانا مت!“ عمران نے کہا اور ریسور

کریڈل میں رکھ دیا! لباس وغیرہ کی طرف دھیان دیئے بغیر نیچے اترا اور ٹوئیر میں بیٹھ کر فیاض

کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

فیاض کی بیوی بیرونی برآمدے ہی میں ٹپکتی ہوئی ملی! اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی

تھیں۔

”عمران بھائی۔ خدا کے لئے“ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر ہونٹ مضبوطی سے بند کر لیے۔

”ہوں۔ ہوں! چلو اندر چلو۔“

وہ دونوں نشست کے کمرے میں آئے وہ عمران کو استفہامیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔ لیکن

عمران خاموش ہی رہا۔ آخر وہ پھٹ پڑی۔ ”کیا بوریٹ پھیلائی ہے آپ نے اگر کوئی بات ہوتی تو

فیاض مجھے ضرور فون کرتے۔!“

عمران اسے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ آخر آہستہ سے بولا۔ ”تم نے اسے یہ خبر کیوں

پہنچائی تھی کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔“

”ہم۔۔۔ میں۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں تو۔۔۔!“

”اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ فیاض کی قسمت میں بھی زوجہ مادر نماہی لکھی تھی۔“

”عمران بھائی۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ فیاض کی بیوی کو غصہ آ گیا۔

”اب یہ بتاؤ کہ!“ عمران اس کے لہجے کو قطعی نظر انداز کر کے بولا ”کسی تیسرے کو علم تو

نہیں کہ تم نے اسے مطلع کر دیا تھا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ صرف تھوک نگل کر رہ گئی۔ بار بار نچلے ہونٹ پر زبان پھیر رہی تھی اور

عمران اسے متواتر گھورے جا رہا تھا۔

”یہ بہت ضروری ہے! مجھے بتاؤ! ورنہ فیاض کی ملازمت پر زوال آنے کا خدشہ ہے۔“

”نن۔۔۔ نہیں! کسی کو بھی نہیں معلوم۔۔۔!“

”فیاض کو بھی نہیں بتایا۔“

اس نے نفی میں سر ہلا دیا اور بے بسی سے عمران کی طرف دیکھتی رہی۔

”تمہیں یقین ہے۔۔۔!“

”ہاں انہیں علم نہیں۔۔۔!“

”اب بھی نہ ہونا چاہئے ورنہ تمہاری طرف سے اس کے دل میں کدورت آجائے گی اگر وہ

تم سے پوچھے تو انکار ہی کرنی رہنا۔ ورنہ بات ضرور بڑھے گی۔“

”میں ایسا ہی کروں گی۔“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

”مگر تم سے ایسی حماقت کیسے ہوئی تھی۔“

”وہ دیکھئے رشتے داری کا معاملہ ہے۔ اس لئے انہیں آگاہ کرنا ہی پڑا۔ میں نے سوچا ممکن ہے

فیاض کے جھکے کو غلط فہمی ہوئی ہو۔ چھکن بھائی بچاؤ کی کوئی صورت نکال لیں۔“

”لیکن انہوں نے خود کشی کر لی۔“

”میرے خدا۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”ان کی موت کی ذمہ دار تم ہی ہو! خیر اب اس معاملے میں زبان قطعی بند رکھنا اور اس

کے متعلقین سے اس وقت ہی رابطہ قائم کرنا جب فیاض سے اس حادثہ کی اطلاع ملے یا اس کے

متعلقین ہی تمہیں مطلع کریں۔“

”نن۔۔۔ کیوں کروں گی۔“

”میرے خیال سے وہ بہت بدنام آدمی تھا!“

”بتہ نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“

”فیاض نے کبھی تذکرہ نہیں کیا۔“

”نہیں۔!“

”عورتوں کے معاملے میں وہ بہت بدنام تھا۔“

”خدا جانے۔۔۔ اب تو اللہ ان کی مغفرت کرے۔ ہائے بھابی کیسی تڑپ رہی ہوں گی۔۔۔“

اب کوئی سہارا نہیں۔ اولاد ہی ہوتی تو کچھ آنسو.....!“

”کیا لاؤ لد تھے!“

”جی ہاں!“

”بیوی یقیناً سوشل ہوں گی! وہ دونوں کسی نائٹ کلب کے ممبر بھی تو تھے۔“

”جی ہاں۔ ٹپ ٹاپ کے!“

”غالباً وہیں اکثر دیکھا ہے۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”مجھے بڑی ندامت ہے!“

”ختم کرو۔ فیاض پر ہرگز نہ ظاہر ہونے دینا ویسے وہ تم پر شبہ ضرور ظاہر کرے گا!“

پھر عمران اٹھ گیا..... اور چلتے چلتے بولا۔ ”فیاض کو نہ معلوم ہونے پائے کہ میں اس وقت

یہاں آیا تھا۔“

”نہیں معلوم ہو گا!“ اس نے بڑے خلوص سے کہا اور پھانک تک اسے چھوڑنے آئی۔

عمران پھر گھر واپس آیا۔ سلیمان نے بتایا کہ پرائیویٹ فون پر کال تھی اس نے اسی کمرے

میں آکر فون سے منسلک ٹپ ریکارڈر کا سوچ آ کر دیا۔

نعمانی کی آواز سنائی دینے لگی۔ ”میں نے کیپٹن فیاض کا تعاقب کیا تھا۔۔۔ وہ سیدھا از

سفار تھانے کے ایک آفیسر کے گھر گیا تھا جس کی لڑکی نے سیاہیلی پال رکھی ہے۔۔۔ یہ نہیں کم

جاسکتا کہ وہاں کس سے ملا تھا اور کیا گفتگو ہوئی تھی۔ اور اینڈ آل۔!“

عمران نے ٹپ ریکارڈر بند کر کے ایک طویل سانس لی۔

یہ سلسلہ ایسا ہی تھا کہ فون پر کال ریسیو نہ ہونے پر پیغام خود بخود ریکارڈ ہو جاتا تھا وہ بچ

نشت کے کمرے میں آ بیٹھا۔

فون کی گھنٹی پھر بجی۔ عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آنے والی

آواز پہچانی نہ جاسکی۔ کوئی کہہ رہا تھا..... ”ہیلو..... کون ہے..... یہاں اس نمبر پر کون رہتا ہے۔“

”علی عمران ایم۔ ایسی۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی (آکسن)“

”اوہ۔۔۔ تو یہ نوبل جوزف..... بیوی ویٹ چمپین.....“

”جی ہاں! وہ میرا ملازم ہے۔ آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔؟“

”ڈاکٹر دعاگو!“

”ارے تو وہ حبشی آج ہی آپ کے پاس پہنچ گیا!“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”اے بے

برے خواب نظر آتے تھے۔ کہتا تھا آسیب کا سایہ ہو گیا ہے دماغ چاٹ رہا تھا۔ میں نے آپ

پتہ بتا دیا..... مگر آپ کو فون کا نمبر کس نے بتایا۔“

”وزیٹنگ کارڈ پر نمبر موجود ہے۔“

”کس کے وزیٹنگ کارڈ پر؟“

”مسٹر نوبل جوزف کے وزیٹنگ کارڈ پر.....“

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ”ڈاکٹر اسے دیکھئے وہ سچ سچ آسیب زدہ معلوم ہوتا

ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس نے یہاں ہنگامہ برپا کر دیا ہے! نرس نے اسے یونہی مگر کہہ دیا تھا

کسی بری نیت سے نہیں۔ بس مزا اٹھانے کے لیے وہ بری طرح بگڑ رہا ہے۔ دونوں میں خاصی جنگ ہوئی

ہے۔!“

”مجھے بھلا افسوس ہے ڈاکٹر۔“ عمران نے شرمندگی سے بھرپور لہجے میں کہا۔ ”اس نالائق کو

فوراً نکال باہر کیجئے۔“

دوسری طرف سے ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر ڈاکٹر کی آواز آئی ”نہیں نہیں میں اس کا علاج

کروں گا۔ خاصا دلچسپ کیس ہے! اونگھتے وقت کانوں میں جیل چٹکھاتی ہے..... یہ تو کوئی ایسی

خاص بات نہیں..... رات کا کھانا حلق تک ٹھونس لیتا ہو گا ویسے بھی وہ ایک عمدہ کیس ہے۔ اس

کی اسٹڈی میرے لیے کافی دلچسپ ثابت ہوگی۔ اچھا شکریہ!“

ریسیور رکھ کر عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی اور جسم ڈھیلا چھوڑ کر ٹانگیں ہلانے لگا۔ پھر

کچھ دیر بعد سلیمان کو آواز دی۔ وہ آیا اور ایک ٹانگ ڈھیلی چھوڑ کر کمر پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے

کھڑا تھا۔

”ابے۔ کیا تم دونوں نے اپنے وزیٹنگ کارڈ بھی چھپوا رکھے ہیں۔“

”جی صاحب۔ میں نے تو اردو میں چھپوائے ہیں۔!“

”اچھا!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”ذرا مجھے بھی دکھانا۔“

”ابھی لیجئے!“ سلیمان بھی خوش ہو کر کارڈ لینے دوڑا گیا۔

تھوڑی دیر بعد عمران اس کے وزیٹنگ کارڈ کو چٹکی میں دبائے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپک رہا

تھا۔ کارڈ پر تحریر تھا۔

ایم۔ سلیمان

بی۔ او۔ اے۔ آئی

ایم۔ ایس۔ سی۔ ڈی۔ ایس۔ سی (آکسن)



”اب میں تیرا کھانا پکایا کروں گا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ”کیونکہ بی۔او۔اے آئی میری سمجھ میں نہیں آیا۔“

”میرا دعویٰ ہے کہ اس کے نیچے کی ڈگریاں بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔“ سلیمان بےحد خوش ہو کر بولا۔

”بالکل..... بالکل.....“ عمران نے مایوسی سے کہا۔ ”اب تو ہی سمجھا دے!“

”پورے کا مطلب ہے..... باورچی آف علی عمران ایم ایس سی ڈی ایسی سی (آکسن)“

عمران نے دونوں ہاتھ اٹھائے لیکن پھر سر پیٹ لینے کا ارادہ ملتوی کرتا ہوا بولا۔ ”لیکن کارڈ چھپوانے کی کیوں ضرورت پیش آئی سلیمان صاحب۔“

”جی وہ اکثر بڑے بڑے لوگوں میں بھی اٹھنا بیٹھنا ہو جاتا ہے نا..... لوگ نام پوچھ بیٹھتے ہیں..... میں کارڈ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔“

”مگر اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آئے کہ آپ بڑے لوگوں میں اٹھیں بیٹھیں!“

”اکثر آپ کئی دن تک گھر سے غائب رہتے ہیں اسلئے اپنی دو جانوں کیلئے کون پکاتا پھرے!“

”پھر کیا کرتا ہے بے۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”مجبوراً کرنا پڑتا ہے!“ سلیمان کراہا۔ ”کلونے کو کولڈ بیف اور ڈبل روٹیاں خرید دیتا ہوں اور خود آپ کا کوئی بہترین سوٹ پہن کر شہر میں دعوتیں کھاتا پھرتا ہوں۔ اتنا بڑا شہر ہے دونوں وقت کہیں نہ کہیں تو شامیانہ نظر آہی جاتا ہے۔!“

”کوئی پوچھتا بھی نہیں۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”ہمت بھی ہے کسی کی۔ ایسے شاندار سوٹ میں۔ جی ہاں..... اور اگر کسی نے پوچھ بھی لیا تو برا سامنہ بنا کر کارڈ تھما دیتا ہوں..... وہ مرعوب ہو کر ہاتھوں ہاتھ لیتا ہے۔“

”او سلیمان۔“ عمران نے دردناک لہجے میں کہا۔

”جی صاحب!“

”تو کسی دن میری بھی مٹی پلید کرائے گا۔“

”وہ کیسے صاحب!“

”اگر کسی دن کوئی کھوجی آدمی بی۔او۔اے۔ آئی کا مطلب پوچھ بیٹھا تو۔“

”بتا دوں گا۔“

”کیا بتا دے گا۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”یہی کہ میں نچلو آف آرٹسٹک انڈسٹریز بھی ہوں۔“

”ہائیں..... ہائیں۔“ عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”ابے تو اتنا قابل کب سے ہو گیا ہے!“

”وہ جو کلوتا ہے نا۔“ سلیمان بائیں آنکھ مار کر آہستہ سے بولا۔ ”انگریزی میں وہی میرا کام چلایا کرتا ہے۔“

عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی اور مردہ سی آواز میں بولا۔ ”جاؤ دفع ہو جاؤ۔ رات کو مونگ کی دال کھاؤں گا۔“

دفنٹافون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے عورت بول رہی تھی۔!

”عمران بھائی۔ خدا کے لئے فوراً پہنچئے۔“

”آپ کون ہیں؟“

”بیگم فیاض۔!“

”اوہ۔۔۔ خیریت۔!“

”بس آجائیے۔ جیسے بیٹھے ہوں ویسے ہی چلے آئیے۔“

”آخر کچھ بتاؤ نا۔“

”اوہ جلدی کیجئے۔“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عمران ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا فلیٹ سے باہر آیا۔ پھر ٹوسٹیر کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ کوئی چیز ایک جھینکے کے ساتھ کوٹ کے بائیں شولڈر پیڈ کو پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ اور عمران بے تحاشہ چاروں خانے چت گر پڑا..... پھر تیزی سے کروٹ لی اور ٹوسٹیر کے پیچھے ریگ گیا۔ دل کی دھڑکن سر میں دھک پیدا کر رہی تھی۔ بے آواز راکٹ کی گولی کدھر سے آئی تھی۔ وہ اندازہ نہ کر سکا۔



چلتی ہوئی شاہراہ تھی۔ ٹریفک بھی خاصی تھی۔ پھر عمران کا اس طرح اچانک گر پڑنا۔

”دوسروں کو اپنی طرف کیوں نہ متوجہ کر دیتا۔ آس پاس کے کئی دکاندار جو اسے جانتے تھے دوڑ پڑے!“

”کیا ہوا جناب۔!“

”ایک منٹ توقف کیجئے! میں صفدر کو فون کر کے معلوم کرتا ہوں۔“

عمران نے ریسپور کو ایک طرف ڈال دیا! اور پھر خیالات کی وادیوں میں بھٹکنے لگا یہ قصہ سفارت خانے کے ایک آفیسر کی نگرانی سے شروع ہوا تھا! شبہ تھا کہ وہ اپنے ملک کے لئے جاسوسی کر رہا ہے۔ اس کی نگرانی کے دوران میں ڈپٹی سیکرٹری بھی محکمہ سراغ رسانی کی نظروں میں آیا۔ عجیب اتفاق تھا کہ عمران کے محکمہ اور محکمہ سراغ رسانی نے بیک وقت اس آفیسر میں دلچسپی لینا شروع کی تھی لیکن محکمہ سراغ رسانی اس سے بے خبر تھا کہ محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس بھی اس مخصوص معاملے کی طرف متوجہ ہو چکی ہے۔ پھر ڈپٹی سیکرٹری کی خود کشی اور اسی دن خود اس پر حملہ۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ بھی اس سے آگاہ تھے کہ ان کی نگرانی ہو رہی ہے۔ اس آگاہی کا واحد ذریعہ ڈپٹی سیکرٹری ہی رہا ہوگا۔ اور ڈپٹی سیکرٹری کو فیاض کی بیوی نے آگاہ کیا تھا۔

عمران نے پورا جسم کھینچ کر ایک طویل انگڑائی لی اور پھر ریسپور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے ”ہیلو..... ہیلو“ کی آوازیں آرہی تھیں۔

”ہیلو۔۔۔!“ عمران دہڑا۔

”لیس سر! کیپٹن فیاض اپنے آفس میں ہے۔ صفدر نے اطلاع دی ہے!“

”دش آل۔۔۔!“ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ پھر لباس تبدیل کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر ایکس ٹو والے فون پر یکے بعد دیگرے اپنے تمام ماتحتوں سے رابطہ قائم کر کے بحیثیت ایکس ٹو انہیں بتایا کہ عمران پر اس کے فلیٹ کے قریب کسی نامعلوم نے بے آواز رائفل سے فائر کیا تھا! لیکن وہ فوج گیا۔ اب پھر آدھے گھنٹے بعد وہ اپنے فلیٹ سے برآمد ہوگا۔ لہذا اس کی لاعلمی میں اس کی نگرانی کی جائے اور خیال رکھا جائے کہ اب اس پر کہیں سے حملہ نہ ہو سکے۔

گھڑی شام کے پانچ بج رہی تھی۔ آدھے گھنٹے تک اسے اپنے ماتحتوں کا منتظر رہنا تھا۔ وہ پھر اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ کر ٹانگیں ہلانے لگا۔

اتنے میں جوزف کمرے میں داخل ہوا۔ موڈ بیحد خراب معلوم ہوتا تھا۔ عمران پر نظر پڑتے ہی ”اٹن شن“ کی پوزیشن میں آگیا۔

”کیوں؟“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”تم نے وہاں گڑبڑ کیوں کی تھی!“

”صرف تمہارا خیال تھا باس!“ اس نے نتھنے پھلا کر جواب دیا۔ ”ورنہ..... ورنہ میں وہاں.....“

”کیا ہوا!..... عمران صاحب!“

”کیا ہوا۔ سرکار!“

”لک..... کچھ نہیں۔“ عمران کراہ کر اٹھتا ہوا بولا۔ وہ اپنا وہی شانہ ٹٹول رہا تھا جس کے پیر کے چیتھڑے اڑ گئے تھے چند لمبے اکڑوں بیٹھا پلکیں جھپکاتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”پتہ نہیں کیوں چکر آگیا تھا!“

لیکن کئی نظریں ادھر سے ہوئے شولڈر پیڈ پر جمی ہوئی تھیں۔ عمران فلیٹ کی جانب مڑ گیا۔ خواہ مخواہ لنگڑانے بھی لگا تھا۔ حالانکہ کہیں خراش بھی نہیں آتی تھی! فلیٹ میں پہنچ کر کوٹ اتار اور ایک جانب صوفے پر اچھال دیا۔

پھر فون پر کیپٹن فیاض کے گھریلو نمبر ڈائل کئے۔ جواب ملنے میں دیر نہ لگی۔ دوسری طرف سے نسوانی آواز آئی تھی۔

”بیگم فیاض۔“ عمران نے کہا۔

”جی ہاں! فرمائیے۔ کون صاحب ہیں!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں عمران ہوں۔!“

”اوہ۔۔۔ اچھا۔۔۔ کیسے۔“

”تم نے کچھ دیر قبل مجھے فون کیا تھا؟“

”میں نے۔۔۔؟ نہیں تو۔۔۔“

”تمہیں یقین ہے؟“

”عمران بھائی میں آج مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ دوسری طرف سے ناخوشگوار لہجے میں کہا گیا۔

”تو تم نے مجھے فون پر کوئی پیغام نہیں دیا تھا۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔“ شاید فیاض کی بیوی جھنجھلا گئی تھی۔

عمران نے چپ چاپ ریسپور کریڈل پر رکھ دیا۔ سب کچھ روشن ہو چکا تھا۔ کسی نے اسے گھر سے باہر نکالنا چاہا تھا اس لئے کہ باآسانی کسی بے آواز رائفل کا نشانہ بنایا جاسکے۔ مگر وہ کون ہو سکتا ہے؟ اور کیوں؟

وہ سوچتا اور اوگھتا رہا پھر یک بیک چوٹکا اور اٹھ کر اس کمرے میں آیا۔ جہاں ایکس ٹو والا فون رہتا تھا۔ فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا ”نعمانی فیاض سفارت خانے کے افسر کے بنگلے سے نکل کر کدھر گیا تھا۔“

”بکواس بند کرو۔ تم نے اس لڑکی کی توہین کی تھی۔!“  
 ”اس نے میری توہین کی تھی!“ جوزف سینے پر ہاتھ مار کر کسی لکھنے کتے کی طرح غرایا۔  
 ”ابے تو صرف مگر ہی کہا تھا۔“

”میں نے بھی اسے صرف سفید کتیا کہہ دیا۔!“  
 ”ہوں۔ خیر۔۔۔ ڈاکٹر سے کیا باتیں ہوئیں۔“

”باس۔۔۔۔۔“ وہ اس کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ ”وہ مجھے وجہ ڈاکٹر نہیں معلوم ہوتا۔  
 کوئی خاص بات ہے اس کے ساتھ۔۔۔ اسے دیکھتے ہی میرے اندر سویا ہوا درندہ جاگ اٹھا تھا۔!“  
 وہ خاموش ہو کر عمران کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔ کیا وہ تمہارا علاج کرے گا؟“

”نہیں تو۔۔۔ وہ باسٹر ڈکینے لگا تم حلق تک کھانا ٹھونس لیتے ہو گے۔۔۔۔۔ اسی لئے اوگھتے وقت  
 تمہارے کانوں میں چیل جیتی ہے۔ میں نے کہا کہ نہیں اکثر میں بالکل بھوکا ہوتا ہوں۔ لیکن  
 چیل ضرور جیتی ہے۔ اس نے مجھے ایک تعویذ دیا ہے۔ سی کر پہن لوں۔ باس۔!“  
 ”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔“ عمران سر ہلا کر بولا! اس کی آنکھوں میں گہرے تفکر کے آثار نظر  
 آ رہے تھے۔

”اور اس نے کہا ہے کہ کبھی کبھی مجھ سے ملتے رہنا۔۔۔ کنسلٹیشن فیس کے نام سے پچاس  
 روپے بھی وصول کر لئے ہیں ولد الحرام نے۔۔۔۔۔ اب میں کیا کروں گا۔“  
 ”کیوں؟“

”میں نے سوچا تھا کہ اب تازی۔۔۔!“

”دفع ہو جاؤ۔!“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

جوزف پھر اٹیشن کی پوزیشن میں آکر ایڈیوں پر گھوم گیا۔

ساڑھے پانچ بجے عمران فلیٹ سے باہر نکلا۔۔۔۔۔ اور بے فکری سے اپنی ٹوسٹر کی طرف بڑھا  
 چلا گیا! آج یہ گاڑی دن بھر کھلے میں ہی پڑی رہی تھی۔ کرائے کے گیراج تک لے جانے کی  
 نوبت ہی نہیں آئی تھی جو فلیٹ سے زیادہ دور نہیں تھا!

وہ ٹوسٹر کے قریب پہنچ کر رکا۔ چند لمبے کچھ سوچتا رہا پھر ایک گزرتی ہوئی خالی ٹیکسی کو  
 روکوا اور اپنی ٹوسٹر کی بجائے ٹیکسی میں بیٹھتا ہوا بولا۔ ”محکمہ سراغ رسانی کے دفتر چلو۔“

وہ سوچ رہا تھا جو لوگ بھری پری سڑک پر راتفل چلانے کی ہمت کر سکتے ہیں وہ اسے ختم کر  
 دینے کے سلسلے میں کوئی خانہ خالی نہیں چھوڑ سکتے!

دفتر پہنچ کر اسے فیاض تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہ آئی۔ کیوں کہ اسے وہاں کبھی پہچانتے  
 تھے۔

فیاض ابھی تک کاغذات دیکھ رہا تھا حالانکہ اسے چار ہی بجے دفتر سے اٹھ جانا چاہئے تھا۔  
 اس نے عمران کو تشویش کن نظروں سے دیکھا اور سر کی جنبش سے ایک کرسی کی طرف  
 اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”تم ٹیمینہ کو بور کرنے کیوں گئے تھے؟“

”گیا تھا۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”مگر مایوسی ہوئی۔ ان محترمہ کا کوئی قصور نہیں معلوم  
 ہوتا۔ بات کسی دوسرے ذریعہ سے ڈپٹی سیکرٹری تک پہنچی ہوگی۔“

”تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ اسے اس نگرانی کا علم ہو گیا تھا۔“  
 ”خود کشی۔۔۔!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”دوسری وجوہات بھی ہو سکتی ہیں۔!“

”مثال کے طور پر؟“

”وہ لاد لہ تھے۔!“

”ہوں۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جو خود کشی کی طرف لے جاسکے۔ لیکن ٹھہرو۔۔۔۔۔ ڈاکٹر  
 دعا گو کی رپورٹ میں چند بچوں کا بھی تذکرہ ہے جو ڈپٹی سیکرٹری کا احترام نہیں کرتے تھے۔“  
 ”ہاں۔۔۔ آں۔۔۔ لیکن اس نے اپنے بچوں کا حوالہ نہیں دیا تھا! اس کے بھانجے اور بھانجیاں  
 بھی اسی کے ساتھ رہتی تھیں۔“

”پھر بھی لاد لہ یہ تو خود کشی کا باعث نہیں ہو سکتی!“ عمران بولا۔

”وہ۔۔۔ جنسی اعتبار سے۔۔۔۔۔!“

”ہوں۔ خیر مارو گولی۔“ عمران لا پرواہی سے بولا۔ ”تم اس قدر بوکھلائے ہوئے انداز میں  
 میرے فلیٹ سے رخصت ہو کر کہاں گئے تھے۔!“  
 ”کیوں؟“ فیاض کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔۔۔!

”اس لئے کہ تمہاری اس بوکھلاہٹ نے مجھے موت کے منہ میں پہنچا دیا تھا۔۔۔۔۔ بس قسمت  
 تھی بچ گیا۔!“ عمران نے کہا اور مختصر آدھ داستان دہرائی جو اس کی بیوی کی فون کال اور خود پر  
 انجانے حملے سے متعلق تھی۔

”اگلو۔۔۔ مری جان۔۔۔“ عمران کچھ دیر بعد سر ہلا کر بولا۔ ”کیونکہ میری زندگی بھی خطرے  
 میں پڑ گئی ہے۔!“

”میں سوچ رہا ہوں کہ تم پر حملہ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے!“

”غالبا مجھے بھی اسی پر غور کرنا چاہئے۔ کیوں؟“ عمران نے بڑے بھولپن سے پوچھا۔  
”یار بور نہ کرو۔ میں بڑی الجھن میں ہوں۔!“

”اور خطرے میں بھی ہو۔ ویسے وہ سیامی بلی والی بے حد حسین ہے۔ مسکراتی ہے تو فضا میں لنگتا ٹھٹی ہیں۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ باقی سب خیریت ہے الحمد للہ“

فیاض جو اسے غصیلی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہوتے ہی اوپری ہونٹ بھیج کر بولا۔ ”ایک بات بتاؤ۔ تم ادھر کا رخ نہ کرنا۔۔۔ نہیں تو رحمان صاحب بھی کچھ نہ کر سکیں گے۔ سمجھے۔ اور تم۔۔۔ تمہیں کیا کہوں۔۔۔ حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔“ پھر نفرت سے ہونٹ سکڑ کر بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم سیکرٹ سروس والوں کے انفارمر ہو۔ لیکن سچ کہتا ہوں کہ اگر میرے ٹکے کے معاملات میں ٹانگ اڑائی تو رحمان صاحب کا بھی لحاظ نہ کر سکوں گا۔ سمجھے۔!“

”بالکل سمجھ گیا۔“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”میں تو یہ پوچھ رہا تھا کہ تم سے فون پر کس نے کیا کہا تھا۔!“  
”میں تمہیں کیوں بتاؤں۔“ فیاض نے پھر آنکھیں دکھائیں۔

”آج۔۔۔ چھا۔۔۔ جی!“ عمران کرسی سے اٹھ کر انگڑائی لیتا ہوا بولا۔ ”خیر دیکھا جائے گا۔ اب اجازت دو۔“

”میں تمہیں پھر وارننگ دیتا ہوں۔ اس چکر میں نہ پڑو!“ فیاض اسے گھورتا ہوا بولا۔  
”مشورے کا شکریہ۔“ عمران نے فلت بیٹ اٹھا کر سر پر جمائی اور ٹانگا کرتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ پھر چاروں اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ اس کے ماتحت بڑی جانفشانی ہے اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ عمران ان میں سے کسی کی طرف متوجہ ہوئے بغیر آگے بڑھتا گیا۔ اس بار اس نے موٹر رکشا کو ترجیح دی اور ڈرائیور کو دوسروں کے مقابلے پر اکساتا ہوا آندھی اور طوفان کی طرح گھر آ پہنچا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ یہاں جوزف اور سلیمان ریڈیو پر کسی مقامی کالج کے مشاعرے کا اقتباس سن رہے تھے۔ اور اس شان سے کہ ریڈیو پوری آواز سے کھلا ہوا تھا۔ عمران کو دیکھ کر بھی انہوں نے آواز کا حجم کم نہیں کیا۔ اتنے میں معلن کی آواز آئی۔ ”اب محترمہ زابدہ خلیق الزمان اپنا کلام پیش کریں گی۔“

پھر محترمہ نے جیسے ہی اپنا پہلا شعر ختم کیا۔ ”واہ وا۔۔۔ کی بجائے“ مسلم لیگ زندہ باد کے نعرے سنائی دینے لگے۔

”ابے اودو۔۔۔ بد بختو۔“ عمران دانت پیس کر مکا ہلاتا ہوا بولا۔ ”بند کرو۔!“

”سنئے دیجئے۔“ سلیمان نے لا پرواہی سے ہاتھ جھٹک کر کہا۔  
”اچھا ہے۔ کیا سمجھ میں آتا ہے تیرے۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔  
”سب سمجھ میں آتا ہے!“ سلیمان نے اس بار اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے کان کے قریب منہ تاتا ہوا مجھڑا اڑایا ہو۔

”ابے۔۔۔ ابے۔۔۔ ہوش میں ہے یا نہیں۔“  
”وہ پی کر شعر پڑھتے ہیں۔۔۔ میں پی کر شعر سنتا ہوں۔“  
”جوزف۔۔۔ تیری سمجھ میں کیا آتا ہے۔!“ عمران نے اردو میں پوچھا۔  
”اچھا لکنا باس۔۔۔ یہ سب جو ہاؤ ہاؤ۔۔۔ کرنا ہے۔!“

”واہ وا۔۔۔ ہاؤ ہاؤ نہیں۔“ عمران اچھل کر اس کی گردن دبوچتا ہوا بولا۔ ”بائیں ہاتھ سے سلیمان کی گردن جکڑ رکھی تھی۔ اسی طرح دونوں کو دوسرے کمرے میں دھکیل آیا اور پھر ریڈیو بھی اٹھا کر ان کے سپرد کر کے دروازے کو زور دار آواز کے ساتھ بند کر دیا۔  
”اگر زیادہ آواز سے ریڈیو کھولا تو۔۔۔ پاگل ہو جاؤں گا۔۔۔ سمجھے۔!“ اس نے کھڑکی سے انہیں مکا دکھا کر کہا۔

انہوں نے صرف دانت نکال دیئے اور سلیمان ریڈیو کا پلگ ساکٹ میں نصب کرنے لگا تھا۔ عمران پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھا تھا۔ اب وہ جسم کو ڈھیلا چھوڑ کر حسبِ عادت ٹانگیں ہلانے لگا۔ لیکن پھر اس طرح چونکا جیسے کوئی خاص بات یاد آگئی ہو۔  
میز کی دراز کھینچ کر اعشاریہ دو پانچ کا سیاہی مائل پستول نکالا اور اس کا میگزین چیک کر کے جیب میں ڈالا۔ اب شاید پھر کہیں جانے کی تیاری کی تھی۔

دفعتاً ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کوئی جھپٹ کر کمرے میں داخل ہوا ہو۔ عمران دروازے کی طرف جھپٹ پڑا۔ یہ ایک بڑی سیاہ رنگ کی لمبی اور گنجان دم والی بلی تھی۔ اس کے پیچھے ایک بخاردار سا لمبی بٹا بھی نظر آیا۔ جو اسے دوڑائے ہوئے تھا۔

”ابے۔۔۔ ابے۔۔۔“ عمران دہاڑا۔ اس نے یونہی خواہ مخواہ دونوں کے درمیان حائل ہونا چاہا۔ لیکن وہ نامعقول بلا غراتا ہوا عمران ہی پر جھپٹ پڑا۔ اب اس سیامی بلی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ لیکن عمران اور بلی میں باقاعدہ ٹھن گئی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بلا پاگل ہی ہو گیا ہو۔ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔ اگر عمران میں بھی بندروں جیسا پھریتلا پن نہ ہوتا تو شاید اب تک کبھی کا زخمی ہو چکا ہوتا۔

سلیمان اور جوزف کھڑکی کی سلاخیں پکڑے زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے عمران نے جب

دیکھا کہ فری اسٹائل کا ماہر یہ یہ بلا کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتا تو اس نے جیب سے پتول نکال کر ایک فائر کر ہی دیا۔ گولی کھوپڑی پر بیٹھی اور بلا کی فٹ اچھل کر فرش پر آ رہا۔ جوزف اور سلیمان بھی ہنستے ہوئے اسی کمرے میں آ گئے تھے۔

”بلی کہاں گئی۔“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”بلی۔۔۔ بلی“ جوزف ہنستا ہوا بولا۔ ”اس بیچاری کو نہ مارو باس۔۔۔ اس بیچاری کا کیا قصور۔!“

عمران دروازے کی طرف جھپٹا پھر سارا فلیٹ چھان مارا۔۔۔ لیکن بلی کا کہیں پتہ نہ تھا۔!“

”سیاہی بلی۔!“ وہ ایک جگہ رک کر بڑبڑایا اور کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایکس ٹو والے فون پر جولیا نافٹروائر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ دوسری

طرف سے جواب مل جانے پر اس نے کہا۔ ”جولیا۔ عمران کے فلیٹ میں ایک بلے کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اسے اٹھاؤ۔ اس کے ناخنوں پر کسی قسم کا زہر تلاش کرنا ہے۔“ اور اینڈ آف

پھر وہ جوزف کی طرف آیا جو مردہ بلے کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔



دوسری صبح عمران نے سب سے پہلے پرائیویٹ فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈ کا سوچ آن کیا۔ جولیا نافٹروائر کا پیغام موجود تھا۔۔۔ وہ کہہ رہی تھی۔ ”آپ کا خیال درست تھا۔ بلے کے ناخن کسی بہت ہی مہلک قسم کے زہر میں ڈبوئے گئے تھے۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق معمولی قسم کی خراش ہی موت کے گھاٹ اتار دینے کے لئے کافی ہوتی۔ کیا میں عمران سے مل سکتی ہوں؟“

عمران نے ٹیپ ریکارڈ بند کیا جولیا کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے جواب ملنے میں دیر نہ لگی! عمران ماؤتھ پیس میں کہہ رہا تھا۔ ”تم عمران سے نہیں مل سکتیں۔ جتنا کہا جائے اتنا ہی کرو!“ ریسپورر رکھ کر ناشتے کے لئے شور مچانے لگا۔ پچھلی رات اس طرح سویا تھا۔ جیسے اس سے زیادہ مطمئن آدمی روئے زمین پر نہ پایا جاتا ہو۔ کئی ماتحت رات بھر فلیٹ کی گھبراہٹ کرتے رہے تھے۔

حوائج ضروری اور ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالی اور باہر نکل آیا۔ ٹوسٹر گیراج میں تھی۔ اس لئے کچھ دور پیدل بھی چلنا پڑا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ ایک معمولی سے چائے خانے میں نظر آیا۔۔۔ جس کی تلاش تھی اس پر نظر پڑتے ہی بائیس کھل گئیں۔۔۔ یہ تھے استاد محبوب نرالے عالم۔۔۔ بے پناہ قسم کے شاعر۔۔۔

شاعر کس پائے کے ہوں گے۔ یہ تو تخلص ہی سے ظاہر تھا۔۔۔ اتنا لمبا چوڑا تخلص شاید ہی کسی بانی کے لال کو نصیب ہوا ہو۔ محبوب نرالے عالم استاد کا قول تھا کہ بڑا شاعر وہی ہے جس کے یہاں انفرادیت بے تحاشہ پائی جاتی ہو۔۔۔ لہذا ان کا کہا ہوا شعر ہمیشہ بے وزن ہوتا تھا۔۔۔

فرماتے تھے وزن تو کبھی کی شاعری میں ہوتا ہے لہذا میری ”بے وزنی“ ہی میری انفرادیت ہے اور اس طرح مجھے بہت بڑا شاعر تسلیم کیا جانا چاہئے۔ بس اوقات کے لئے پھیری لگا کر مسالے دار سوندے پنپے بیچتے تھے۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جو بھی پکڑ پاتا بری طرح جکڑ لیتا بعض اوقات تو ایسا بھی ہوتا کہ سننے سنانے کے چکر میں استاد ہفتوں دھندے سے دور رہتے۔ بڑے بڑے لوگوں سے یار نہ تھا۔۔۔ پھر عمران کیسے محروم رہتا۔

اس وقت استاد پر نظر پڑتے ہی لہک کر ان کی طرف جھپٹا تھا۔۔۔ اور استاد اپنے مخصوص انداز میں دانت نکالے ہوئے اس کی گرجوشی کا جواب دے رہے تھے۔

”کوئی عمدہ سا شعر استاد۔“ عمران انہیں کی میز پر جتا ہوا بولا۔

استاد نے منہ اوپر اٹھایا۔ تھوڑی دیر ناک بھوں پر زور دیتے رہے پھر جھوم کر بولے۔ ”سنئے“

حسن کو آفتاب میں صنم ہو گیا ہے

عاشقی کو ضرور بے خودی کا غم ہو گیا ہے

”جواب نہیں ہے استاد۔۔۔“ عمران نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”اچھا اٹھئے“

”کہاں؟“ استاد نے پوچھا۔

”جہاں لے چلوں۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبا کر آہستہ سے کہا۔ ”ایک ڈاکٹر کی نرس پر دل آگیا ہے۔۔۔ بار بار جانے کا کچھ تو جواز ہونا ہی چاہئے۔۔۔ آج آپ کو مریض بنا کر لے جاؤں گا۔“

استاد نے دانت نکال دیئے اور بولے۔ ”کس ڈاکٹر کا قصہ ہے۔“

”ڈاکٹر دعا گو۔“

”یہ کون ہے۔“ استاد نے ناک بھوں پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

”ہے۔۔۔ ایک۔۔۔ آئیے۔!“ عمران استاد کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔

”یہ گاڑی آپ کی بڑی زور دار ہے۔“ استاد ٹوسٹر میں بیٹھتے ہوئے بولے۔ ”بس میاں بیوی بیٹھ سکتے ہیں۔“

”ہم میں بیوی کون ہے استاد؟“ عمران نے پوچھا۔ اور استاد ”ہی ہی ہی ہی“ کر کے رہ گئے۔ پھر بولے۔ ”پچھلی رات مجھ میں غالب کی روح حلول کر گئی تھی۔۔۔ سنو

تم بھلا باز آؤ گے غالب  
راستے میں چڑھاؤ گے غالب  
کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب  
شرم تم کو مگر نہیں آتی

”یہ تو وزن دار ہے استاد!“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”میں نے بتایا نا غالب کی روح حلول کر گئی تھی۔ پھر وزن کیسے نہ ہوتا!“  
اکثر استاد کے جسم میں بعض مشہور مقتدین کی رو میں بھی حلول کر جاتی تھیں۔ اور وہ  
با وزن اشعار بھی کہہ نکلتے تھے۔ متاخرین میں سے تو وہ کسی کو قابل اعتنائی نہیں سمجھتے تھے۔!  
ڈاکٹر دعا گو کی نرس یا سیکرٹری نے ایک طویل مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ وہ اس  
وقت وزیر نرس رجسٹر کے اور ان الٹ رہی تھی۔

”گنجائش نکل سکے گی۔“ عمران نے انگریزی میں پوچھا ”ایک مریض لایا ہوں۔“

”مریض کے نام پر وہ اس طرح چونگی جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔ پھر موڈ بھی کچھ بگڑنا سا نظر آیا  
اور وہ برا سامنہ بنا کر بولی۔ ”وہ نیگرو تمہارا ملازم تھا۔“

”مجھے افسوس ہے محترمہ!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”میں نہیں جانتا تھا کہ وہ ناہنجار تم  
جیسی رشک بہار سے جھگڑا کر بیٹھے گا۔“

”نہایت بیہودہ آدمی ہے۔ تم اسے کس طرح برداشت کرتے ہو۔“

”ایک دکھ بھری کہانی ہے۔“ عمران نے غمناک لہجے میں کہا۔ ”پھر کبھی سناؤں گا ہاں یہ لو۔“  
اس نے جیب سے دس دس کے پانچ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے اور بولا ”نام ہے استاد  
محبوب نرالے عالم..... خاص قسم کے ذہنی فتور میں مبتلا ہیں رجسٹر میں درج کر لو۔“

مارتھانے نوٹ لیے اور رجسٹر میں کچھ لکھنے لگی۔ پھر ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”اس کمرے میں انتظار  
کرو۔“

عمران دروازے کی طرف مڑا لیکن مارتھا جلدی سے بولی۔ ”تم نہیں۔ انہیں جانے دو۔“

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور استاد سے بولا۔ ”آپ ذرا دیر اس کمرے میں بیٹھے میں ابھی  
آیا۔!“

استاد نے معنی خیز انداز میں پلکیں چھپکائیں اور دوسرے کمرے میں چلے گئے۔

”میں تو کل اسے گولی مار دیتی!“ مارتھانے ہاتھ ہلا کر بیٹھے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔  
”نہ مار کر تم نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بیٹھتا ہوا بولا۔

مارتھانے اسے استفہامیہ انداز میں دیکھا..... اور جواب طلب نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔!  
عمران اب دوسری طرف دیکھ رہا تھا اور حسبِ عادت نا انگلیں ہل رہی تھیں۔  
”میں اس کا مطلب نہیں سمجھی!“ مارتھانے کچھ دیر بعد کہا۔

”کس کا مطلب؟“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”اس جھٹی کے متعلق۔ تم نے کہا تھا کہ میں نے اسے گولی نہ مار کر تم پر ظلم کیا تھا!“

”او۔۔۔ ہا۔۔۔ ہاں..... میں اس سے تنگ آگیا ہوں.....!“

”نکال باہر کرو۔ بیہودہ ہے۔“

”کئی بار نکال چکا ہوں۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ پھر چونک کر بولا ”ڈاکٹر کتنی دیر  
بعد ملیں گے۔“

”کم از کم بیس منٹ ضرور لگیں گے۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی پھر  
بولی۔ ”تمہیں پہلے بھجوا رہی ہوں۔“

”اف فوہ!“ یک بیک عمران اچھل پڑا اور خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔  
”میرے خدا کتنا خوفناک منظر تھا۔“

”بس!“ مارتھانے ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میں سمجھ گئی اب تم اس خود کشی کے متعلق بور کر دو گے۔!“  
”بب..... باپ رے۔ کس طرح تڑپ رہا تھا بیچارہ۔!“

”میں تمہیں کمرے سے باہر نکال دوں گی۔“ وہ دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بولی۔!  
”آج۔۔۔ چھا۔۔۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”بات یہ ہے کہ میں اسے پہچانتا تھا اس  
کی بیوی بہت غمگین ہے۔“

”ضرور ہوگی!“ مارتھانے غصیلے لہجے میں کہا۔ پھر کلائی کی گھڑی دیکھ کر بولی میرا خیال ہے  
کہ اب تم اپنے مریض کو اندر لے جاؤ!“

پھر اس نے میز پر رکھی ہوئی گھٹی بجائی۔ ایک چیز اسی نما آدمی اندر آیا۔

”کیا نام تھا۔“ مارتھانے عمران سے پوچھا۔ پھر خود ہی رجسٹر پر جھک کر استاد محبوب نرالے  
عالم کا نام پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

”استاد محبوب نرالے عالم!“ عمران نے چیز اسی سے کہا اور چیز اسی باہر چلا گیا

پھر تھوڑی دیر بعد استاد کمرے میں تشریف لائے اور مارتھا کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے منہ  
چلانے لگے..... عمران کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ مٹھی بھر خستہ کرارے چنے چبائے بغیر ہی حلق  
سے اتارنے کی کوشش کر بیٹھا ہے۔

پھر دو تین منٹ بعد ڈاکٹر دعا گو کا سامنا ہوا اور وہ عمران کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ پھر لہک کر بولا۔ ”اوہ آپ ہیں۔ فرمائیے کیسے تکلیف فرمائی۔“

”ایک اور مریض لایا ہوں۔“ عمران نے استاد کی طرف اشارہ کیا۔

”انہیں کیا ہوا ہے؟“ ڈاکٹر دعا گو استاد کو نیچے سے اوپر تک دیکھتا ہوا بولا۔

عمران نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور غمناک آواز میں بولا۔ ”انہیں شاعری ہو گئی ہے۔“

”جی!“ ڈاکٹر دعا گو نے آنکھیں پھاڑ دیں۔ چند لمحے استاد کو گھورتا رہا پھر عمران کی طرف مڑ کر بولا۔ ”میں نہیں سمجھا۔“

”یہ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ پچھلی رات ان میں کسی مرحوم شاعر کی روح حلول کر گئی تھی۔“

”اوہ.....!“ ڈاکٹر دعا گو پھر استاد کی طرف تشریف کن نظروں سے دیکھتا ہوا بولا ”آئی سی۔ آپ کب ایسا محسوس کرتے ہیں کہ آپ میں کسی شاعر کی روح حلول کر گئی ہے۔“

”جی۔۔“ استاد نے کھکھار کر رحم طلب نظروں سے عمران کی طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولے۔ ”جی میں سمجھتا ہوں کہ ایک جن سے ملاقات ہو گئی تھی۔“

”اوہ.....!“ ڈاکٹر دعا گو کے ہونٹوں پر ایک پل کے لئے ہلکی سی مسکراہٹ کی لرزشیں نظر آئیں اور پھر معدوم۔ وہ توجہ اور دلچسپی سے استاد کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”اور جی۔۔ یہ لوگ میری اردو شاعری کی قدر کرتے ہیں۔ لیکن میں اسے کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ میرا اصل رنگ دیکھنا ہو تو فارسی میں سنئے۔“

”فارسی؟“ ڈاکٹر دعا گو نے حیرت سے دہرایا۔

”یہ مصیبت بھی ہے!“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”استاد کی شاعری میں نر۔۔ مادہ ہو جاتا ہے اور مادہ۔۔ نر! اسی لئے ان کی گرفت میں آتے ہی فارسی بھی فارسی ہو جاتی ہے۔ ہاں ہو جائے استاد فارسی میں کچھ۔“

استاد نے حسب عادت چھت کی طرف منہ اٹھا کر ناک بھوں پر زور دینا شروع کر دیا۔ پھر بولے ”سنئے!“

نظر خمی خمی، نظر گمی گمی، نظر سی سی

دھمک سنک فزوں، فضا فردنی، حیا لم لم  
عشر خموشکی، خموش فشاں، نمودم زدم  
قلی و قل وونی، دقل، فتنی قتا قلم قلم

نظر خمی خمی، نظر گمی گمی، نظر سی سی

”بس بس..... ڈاکٹر دعا گو ہاتھ اٹھا کر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔ پھر عمران کو چند لمحے گھورتے رہنے کے بعد کہا۔“ آپ کس بناء پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ ذہنی طور پر علیل ہیں۔“

”م..... میں..... بب بات یہ ہے کہ!“ عمران ہٹلا کر خاموش ہو گیا۔

”آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ بعض لوگ خود الو بن کر دوسروں کو الو بناتے ہیں!“

”جی کیا مطلب!“ استاد نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

”میں آپ سے مخاطب نہیں ہوں!“ ڈاکٹر دعا گو کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

عمران نے استاد کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ سچ سچ بے حد سمجھ دار ثابت ہوئے۔ یعنی چپ سا دھلی۔

ڈاکٹر دعا گو نے رائٹنگ پیڈ سے کاغذ کا ایک ٹکڑا علیحدہ کیا۔ اس پر کچھ لکھنے لگا اور پھر وہی ٹکڑا عمران کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”مارتھا سے اپنے روپے لے لیجے گا۔“

”کیسے روپے!“ عمران نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

”جو آپ نے بطور کنسلیشن فیس جمع کرائے تھے۔“

”کیوں کیا آپ ان کا علاج نہیں کریں گے۔“

”لا علاج مرض ہے۔“ ڈاکٹر دعا گو مسکرایا۔

”پھر اب کیا ہو گا۔“ عمران نے گھبرا کر پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔ فکر نہ کیجئے۔ اگر یہ واقعی مرض ہی ہے تو قبر تک ساتھ جائے گا۔“

”میرے خدایا میں کیا کروں۔“ عمران کراہا اور پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی پر اکڑوں بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

”یہ..... یہ..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر دعا گو نے ٹوکا۔

”اوہ معاف کیجئے گا۔“ عمران سنبھل گیا۔ لیکن اس کے چہرے پر الجھن کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے!

”ان سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔“ ڈاکٹر نے عمران سے پوچھا۔ قبل اس کے کہ عمران کچھ کہتا استاد نے اچھل کر ایک شعر عنایت کر دیا۔

پوچھو ہو رشتہ ہم سے فردہ بہار دل

ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے مزار کے

”مسٹر عمران..... ڈاکٹر دعا گو جھنجھلا کر بولا۔ ”آپ میرا وقت برباد کر رہے ہیں۔“

”اوہ۔ جی ہاں۔ ہپ!“ عمران تیزی سے اٹھا اور استاد کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچا چلا گیا۔

”بہت حرامی معلوم ہوتا ہے۔“ استاد نے کمرے سے نکل کر آہستہ سے کہا اور عمران انہیں کوئی جواب دیئے بغیر برآمدے تک کھینچ لایا۔

”اچھا استاد!“ عمران جیب سے پانچ کا ایک نوٹ کھینچتا ہوا بولا۔ ”یہ لیجئے اور ٹیکسی سے واپس چلے جائیے۔“

”استاد نے دانت نکال دیئے تھوڑی دیر تک ہنستے رہے پھر بولے ”اب آپ وہاں اس زادی شکر کے پاس تشریف لے جائیں گے۔“

”زادی شکر!“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”میں نہیں سمجھا استاد۔!“

”میں آپ کی محبوبہ پر بھی شاعری کروں گا۔“

”استاد۔!“ عمران ہاتھ جوڑ کر گھکھکیا۔ ”ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے..... اگر آپ کا عربیا فارسا چل گیا تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گی۔“

”نہیں۔ ایک غزل ضرور گی!“ استاد گردن جھٹک کر بولے۔

”آپ کی مرضی!“ عمران مردہ سی آواز میں بولا۔

استاد معنی خیز انداز میں سر ہلاتے پورچ سے گزر گئے۔ عمران انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ پھر اسی کمرے میں واپس آگیا جہاں مارتھا بیٹھی تھی۔ عمران کی واپسی پر وہ کھل سی اٹھی۔

”کیوں کیا ہوا؟“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

”لا علاج مرض تھا۔ ڈاکٹر نے علاج کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ لو۔“ عمران ڈاکٹر کی دی ہوئی پرچی جیب سے نکال کر اس کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔

”خوش قسمت ہو۔!“ مارتھا پرچی پر نظر ڈال کر ہنس دی۔ ”ڈاکٹر نے آج تک کنسلیشن فیس واپس نہیں کی۔!“

اتنے میں میز پر رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی اور مارتھا نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ کچھ سن کر ہنسی اور ریسیور عمران کی طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔ ”ڈاکٹر۔!“

”ہیلو۔“ عمران نے ریسیور سنبھال کر مارتھا پیس میں کہا۔ ”عمران اسپیکنگ۔“

”کیا تم مجھ سے کسی قسم کا مذاق کر رہے ہو صاحبزادے۔!“

”نہیں تو۔ ڈوڈا ڈاکٹر۔“ عمران ہلکایا۔

”پھر اس لغویت کا کیا مطلب تھا۔!“

”میں حقیقتاً استاد کے لئے بہت پریشان ہوں۔ اپنے شعر ہی کی طرح وہ بھی نازل ہوتے ہیں اور پیر تمہ پائین جاتے ہیں۔ میں واقعی۔!“

”کیا تم سنجیدہ ہو۔!“

”بالکل۔!“

”ہوں۔۔ تو اچھا۔۔ ان کی شادی کرادو..... اف غاغ۔۔ غاہ۔۔ غاہ۔۔“

بڑی دلخراش چیخ تھی..... عمران کا دماغ جھنجھٹا اٹھا اور وہ ریسیور پھینک کر بے تحاشہ ڈاکٹر کے کمرے کی طرف دوڑا۔

ڈاکٹر فرش پر اوندھا پڑا..... گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور اس کی کرسی اس پر الٹی پڑی تھی۔!

مارتھا عمران کے پیچھے ہی پیچھے آئی تھی اور اب اس کی بوکھلاہٹ کا یہ عالم تھا کہ کبھی دوڑ کر دروازے کی طرف جاتی اور کبھی ڈاکٹر دعاگو کے گرد چکرانے لگتی۔ غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ عمران جہاں پہلے رکھا تھا اس سے ایک انچ بھی آگے نہ کھسکا۔ بس کھرا متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

”اوہ کچھ کرو۔“ مارتھا نے عمران سے کہا جو بری طرح ہانپ رہی تھی۔

”کچھ سمجھ میں بھی تو آئے۔“ عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”پتہ نہیں کیا ہوا۔“

”پولیس کو فون کروں!“

”نہیں نہیں۔ تم ذرا دیکھو کیا بات ہے۔ انہیں سیدھا کرو۔“

عمران نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر پر الٹی ہوئی کرسی ہٹائی اور مارتھا ان لوگوں سے واپس جانے کو کہنے لگی جو وینک روم سے اٹھ کر اسی کمرے کے دروازے میں اکٹھا ہونے لگے تھے۔

عمران نے ڈاکٹر کو سیدھا کیا اور اس کا جسم ٹٹولنے لگا پھر پلکیں اٹھا کر پتلیاں دیکھیں اور معنی خیز انداز میں سر کو جنبش دی۔!

”کیا بات ہے۔“

”وہ میری ایک چچی ہیں..... وہ بھی اکثر اسی طرح بے ہوش ہو جاتی ہیں، ہسٹریا کہتے ہیں اسے شاید۔!“

”ہشت۔!“ مارتھا نے برا سامنہ بنایا اور ڈاکٹر پر جھک گئی۔

اب عمران گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا..... ڈاکٹر کی میز کے قریب والی کھڑکی کھلی تھی۔ وہ



”میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں!“ مار تھانے اپنی پیشانی پر بائیں ہتھیلی رگڑتے ہوئے

کہا۔

”تم ایسے کرو کہ مجھے طبی امداد کے لئے فون کرنے کی اجازت دے دو۔!“

مار تھانے پھر بیہوش ڈاکٹر پر نظر ڈالی اور بے بسی سے عمران کی طرف دیکھنے لگی خواب فون پر کسی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اس نے کسی سے ایبوی لینس کے لئے کہا تھا اور پتہ بتا کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ مار تھانے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ مار تھانے ہونٹ سکڑے، اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ تقریباً ۲۰ منٹ تک وہاں خاموشی کا راج رہا۔ پھر ایک ملازم نے کمرے میں داخل ہو کر ایبوی لینس کی آمد کی اطلاع دی۔ عمران کرسی سے اٹھ گیا۔

سول ہسپتال کے ایمر جنسی وارڈ میں لوگ پہلے سے منتظر تھے۔ بیہوش ڈاکٹر کو اسٹریچر پر ڈال کر اندر پہنچا دیا گیا۔ مار تھانے بھی ساتھ آئی تھی۔ عمران اور وہ برآمدے کی ایک بیچ پر خاموش بیٹھے رہے۔

تھوڑی دیر بعد ایک ڈاکٹر اندر سے آکر عمران سے بولا۔ ”کلائی پر پائی جانے والی خراشوں ہی کے ذریعے کوئی زہر ملا مادہ جسم میں پھیل گیا ہے۔!“

”کیا وہ مر جائے گا۔!“ عمران نے پوچھا

”کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ بہت دیر کر دی آپ لوگوں نے..... اللہ مالک ہے!“

ڈاکٹر پھر واپس آگیا۔

”میں پوچھتی ہوں۔ وہ چیٹا کیوں تھا۔؟“ مار تھانے بولی۔

”میں بھی یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔ مگر کس سے پوچھوں؟“

”وہ کیوں چیٹا تھا!“ مار تھانے اس طرح بڑبڑائی جیسے خود سے مخاطب ہو۔ کلائی پر خراشیں کیسی ہیں۔ کمرے میں اس کے علاوہ اور کون تھا؟“

”سو جی رہو!“ عمران نے برا سامنے بنا کر کہا

”میں پوچھتی ہوں آخر تم اپنا وقت کیوں برباد کرتے پھرتے ہو۔۔۔ اب جاؤ“

”ہسپتال والوں سے میری پرانی جان پہچان ہے۔ تم بے فکر رہو۔“

”جنہم میں جاؤ۔!“ مار تھانے دوسری طرف منہ کر کے کہا۔

”جنہم میں تو اس سے بھی پیچیدہ مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔“

”خاموش بھی رہو!“ وہ جھلا کر پلٹ پڑی۔ ”کیا یہ ضروری ہے کہ جہاں بھی بیٹھو بس نائیں

کھڑکی کی طرف پشت کر کے بیٹھا تھا۔

میز کے قریب ہی فرش پر اس بلوری گلدان کے ٹکڑے نظر آئے جو اسی میز پر رکھا رہتا تھا..... قلمدان سے روشنائی نہ صرف چھلکی تھی بلکہ میز پر بھی پھیل گئی تھی ایک کاغذ کے ٹکڑے پر عمران کی نظریں جم گئیں..... وہ یا تو کسی کتے کے بچے کا نشان تھا یا کسی بلی کے بچے کا۔ پہلے میز پر پھیلی ہوئی روشنائی پر وہ بچہ پڑا ہو گا اور پھر کاغذ پر اپنا نشان چھوڑ گیا ہو گا۔

عمران نے مار تھانے کی طرف دیکھا اور کاغذ کا وہ ٹکڑا اٹھا کر جیب میں ڈال لیا۔ مار تھانے کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

کچھ دیر تک وہ ادھر ادھر سرگرداں رہا۔ پھر ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا جسے اب چند ملازمین نے اٹھا کر صوفے پر ڈال دیا تھا۔

”میں کہتا ہوں کسی ڈاکٹر.....“

”نہیں۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ مار تھانے بولی۔ لیکن اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

عمران وہی کرسی کھسکا کر بیٹھ گیا جو کچھ دیر پہلے ڈاکٹر دعاگو پر الٹی پڑی تھی! حسب عادت جسم ڈھیلا پڑ گیا تھا اور ٹانگیں ہل رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد مار تھانے کی طرف متوجہ ہوئی۔

”تم جاؤ۔ کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔“

”میری کوئی کنسلٹیشن فیس نہیں ہے۔!“ عمران نے لا پر واہی سے جواب دیا۔

”اگر میں کہوں کہ اب یہاں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے تو۔“ مار تھانے جھنجھلا کر بولی۔

”تو میں عرض کروں گا کہ ہم دن بھر بہتری غیر ضروری چیزیں بھی برداشت کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے تمہارا یہ جملہ قطعی غیر ضروری ہے۔“

”نہیں تم جاؤ۔“ مار تھانے بیک ڈھیلی پڑ گئی۔ ”شاید ڈاکٹر ہوش آنے پر تمہاری موجودگی پسند نہ کریں۔“

”کیا تمہیں توقع ہے کہ ڈاکٹر اب کبھی ہوش میں بھی آسکیں گے۔“

”کیا مطلب!“

”میں کہہ رہا ہوں کہ ڈاکٹر کے لئے فوری طور پر طبی امداد فراہم کرو۔ ورنہ یہ بیہوشی دائمی نیند میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے! کیا تمہیں ڈاکٹر کی بائیں کلائی پر پڑی ہوئی خراشیں نظر نہیں آتی ہیں۔“

مار تھا بھی سنجیدگی سے اسے گھورنے لگی۔ پھر عمران اٹھا ایک طویل انگڑائی لی اور چندھیائی ہوئی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا منہ چلانے لگا۔

”آچھا!“ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اب چلنا چاہئے۔“

ہرگز نہیں۔“ مار تھانے سخت لہجے میں کہا۔ ”تم ہمارے ساتھ ہی واپس چلو گے“

”ارے نہیں بھائی۔ میں بہت مشغول اور عظیم الفرصت آدمی ہوں۔“

”اچھا!“ مار تھانے تسخیر آمیز تحیر کے ساتھ کہا ”تم نے یہ بات پہلے کبھی نہیں بتائی۔“

عمران کچھ کہے بغیر آگے بڑھا لیکن مار تھانے جھپٹ کر راستہ روک لیا اور اوپری ہونٹ بھیج

کر بولی۔ ”تم نہیں جاسکتے۔ بہت بڑا کیا ہے تم نے..... اب خود بھی بھگتو۔!“

اتنے میں وہی ڈاکٹر پھر آیا اور مار تھانے سے بولا۔ ”میرے خیال میں تو اب آپ لوگ

جائیے۔!“

”مم۔۔۔ میں نہیں سمجھی۔!“

”ددن..... کم از کم دودن تک مریض کو حرکت نہ کرنی چاہئے۔“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔

مار تھانے تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”کیا میں ان سے مل سکوں گی؟“

”آج نہیں۔ کل اسی وقت!“ ڈاکٹر نے کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

مار تھانے پھر کچھ دیر تک سوچتی رہی تھی اور پھر عمران کا ہاتھ پکڑ کر واپسی کے لئے مڑی تھی۔

عمران تو اپنی ٹوسٹیر ہی پر آیا تھا۔ مار تھانے لئے دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

”نہیں میں ٹیکسی لے لوں گی۔“ اس نے کہا۔

”آخر کیوں؟“

”بس یونہی۔۔۔ کیا ہم بہت پرانے شناسا ہیں۔۔۔؟“

”نہیں ہیں تو اب ہو جائیں گے۔ کیا فرق پڑتا ہے۔“

”نہیں نہیں..... میں اسے اچھا نہیں سمجھتی۔ تمہارے ملک کی یہی بات مجھے بہت پسند ہے

کہ لڑکیاں اور لڑکے الگ الگ رہتے ہیں۔“

”کب تک.....“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”آخر کسی دن انہیں اکٹھا ہی ہونا پڑتا ہے“

”وہ دوسری بات ہے۔۔۔!“

”تو میں کب تیسری بات کے لئے کہہ رہا ہوں۔“ عمران نے لا پرواہی سے کہا چلو بیٹھو۔۔۔!“

”مار تھانے ٹوسٹیر میں بیٹھ گئی اور عمران اسٹیرنگ پر ہاتھ جماتا ہوا بولا ”کہاں چلیں“

”کیا مطلب؟“

نائیں کئے جاؤ۔“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہی ڈاکٹر پھر آکر بولا۔ ”اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں کہ سارا خون نچور کر دوسرا خون پہنچایا جائے۔“

”کچھ کرو اور جلدی کرو۔“ مار تھانے مضطربانہ انداز میں کہا۔

اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ ایک نرس جھپٹتی ہوئی باہر نکلی اور ہاتھ ہلا کر بولی۔ ”ہوش آگیا ہے۔“

”گڈ۔۔۔“ ڈاکٹر اس کی طرف مڑا اور پھر عمران سے کہنے لگا۔ ”اب ٹھیک ہے..... بالکل ٹھیک ہے۔ شاید خون نچوڑنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔“

پھر وہ تیزی سے اندر چلا گیا۔

”میں ڈاکٹر دعاگو سے دو باتیں کہے بغیر ہرگز واپس نہ جاؤں گا!“ عمران نے مار تھانے سے کہا۔

”تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ وہ تمہیں اس سے گفتگو کرنے دیں گے؟ ہرگز نہیں۔“

”پھر بھی کوشش کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔“

”اس بار مار تھانے زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن آنکھیں کہہ رہی تھیں کہ ”بہنم میں

جاؤ۔۔۔!“

پھر دو گھنٹے گزر گئے اس دوران میں ڈاکٹر کی خیریت برابر معلوم ہوتی رہی تھی اور عمران اس کی بتدریج صحت یابی کی اطلاعات پر بیحد مسرور ہوتا رہا تھا اور مار تھانے سے پر فکر آنکھوں سے دیکھتی رہی تھی۔ پھر آخر وہ بول ہی پڑی۔

”آخر تم اس معاملے میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔۔۔!“

”عادت بری بلا ہے..... بچپن ہی سے اس مرض میں مبتلا ہوں۔ دوسروں کی ٹوہ میں رہنا میری باہی ہے۔ بڑا دلچسپ مشغلہ ہے۔ ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے لیڈی تفصل نے بیگم اصفہانی کے متعلق ایک پارٹی میں کہا تھا کہ ان کا باپ حقیقتاً ایک بلند پایہ موچی تھا۔ بات چیکے سے ایک خاتون کے کان میں کہی گئی تھی..... میں ان کے قریب ہی تھا سب کچھ صاف سنا..... اور جا کر ج دیا بیگم اصفہانی سے..... بس پھر کیا تھا مزہ آگیا۔ چند ہی روز بعد ایک دوسری پارٹی میں بیگم اصفہانی نے لیڈی تفصل کی پٹیا پکڑ لی..... ارے تو بہ تو بہ..... کیسا دھما دھم پیٹ رہی تھیں وہ دونوں معزز خواتین ایک دوسری کو۔۔۔!“

”تم بہت وابہیات آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ مار تھانے پڑی۔

”وابہیات نہیں۔۔۔ ڈپلومیٹ کہو۔۔۔!“ عمران سنجیدگی سے بولا۔

”مطلب بھی میں ہی بتاؤں۔ کیا تمہیں بھوک نہیں لگی۔!“

”اوٹ پٹانگ باتیں مت کرو۔“

”اچھا تو مطلب یہ ہے کہ ہم ایکسلیسیر میں لےج کریں گے۔“

”مجھے ہوٹلوں سے وحشت ہوتی ہے۔“

”تو میرے گھر چلو۔ وہی بڑے کھائے ہیں کبھی؟“

”یہ کیا چیز ہے؟“

”وہی بڑے نہیں جانتیں۔۔۔۔۔ تو پھر میٹنگن کا بھرتا بھی نہ کھایا ہوگا؟“ عمران نے بڑی

مصعوبیت سے کہا۔

”مجھے شوق ہے کہ مقامی کھانے بھی چکھوں۔۔۔۔۔ لیکن آج تک اتفاق نہیں ہوا۔ ڈاکٹر کی میز

پر بھی مغربی طرز کے کھانے ہوتے ہیں۔“

”ارے تو پھر کیا ہے چلو میرے ساتھ۔۔۔۔۔ کڑھی اور چاول نہ کھلوائے تو کچھ بھی نہ کیا۔!“

”یہ کیا ہوتا ہے؟“

”بہت زور دار ہوتا ہے۔ اب تو اسی بات پر بیٹنی روٹی اور لہسن کی چٹنی بھی چلے گی۔“

”نہیں میں تمہارے گھر نہیں جاؤں گی۔“

”تمہاری مرضی!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا اور کسی تیز مزاج اور گھنی لڑکی کی طرح منہ

پھلائے بیٹھا رہا۔ ٹوسٹیر تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی۔

”اوہو۔!“ مار تھا ہنس پیڑی۔ ”ادھر دیکھو۔“

”نہیں دیکھتا۔“ عمران انڈوں پر بیٹھی ہوئی مرغی کی طرح کڑکڑایا۔

مار تھا پھر ہنس پیڑی۔۔۔۔۔ اور بولی۔ ”اچھا چلوں گی تمہارے گھر۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ آنکھیں وٹ شیلڈ پر جمی رہیں اور ٹوسٹیر فرمانے بھرتی رہی۔ پھر عقب

نما آئینے پر نظر پڑی۔ ایک بڑی سیاہ رنگ کی دین ٹوسٹیر کے پیچھے آ رہی تھی۔

ہسپتال سے روانگی کے وقت ہی سے یہ گاڑی ٹوسٹیر کے پیچھے رہی تھی عمران نے کئی

موڑوں پر اندازہ کیا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

”تم کچھ بولتے کیوں نہیں!“ مار تھا نے اس کی ران پر ہاتھ مار کر کہا۔

”ڈیڑھ بجے کے بعد۔“

”روزانہ اسی وقت خاموشی کا دورہ پڑتا ہے۔ علاج کرانا چاہا تھا ڈاکٹر دعاگو سے۔۔۔۔۔ لیکن“

خود ہی لیٹ گئے۔۔۔۔۔ اللہ رحم کرے!“

”اس کا علاج تو میں بھی کر سکتی ہوں۔“

”یعنی۔“

”تمہاری بیوی کو بتا دوں گی۔ گھر چل رہی ہوں نا تمہارے!“

”بیوی۔!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”کیوں۔۔۔ کیا بات ہے۔!“ مار تھا نے حیرت سے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں۔“ عمران کی آواز دردناک تھی۔

”بتاؤ نا۔“ مار تھا اسے گھورتی ہوئی بولی۔

”پھر بتاؤں گا۔ بڑی دکھ بھری داستان ہے۔ ویسے گھر پہنچنے سے پہلے ہی سن لو کہ میں شادی

شدہ نہیں ہوں۔“

”ہائیں۔ تم نے اب تک شادی نہیں کی۔“

”کی۔۔۔ کی۔۔۔ نہیں کی۔۔۔۔۔ نہیں بلکہ نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں والدین بچوں کی شادیاں

کرتے ہیں۔“

”ہاں میں نے سنا ہے۔۔۔۔۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے لوگوں کی کیسے گزرتی ہوگی

جنہیں ایک دوسرے سے محبت نہ ہو۔“

”محبت بعد میں ہو جاتی ہے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیونکر ممکن ہوتا ہے۔“

”ہو جاتا ہے۔“ عمران دردناک آواز میں کر رہا۔

”نہیں مجھے بتاؤ۔ میں اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتی ہوں۔“

”مت بور کرو۔“ عمران جھنجھلا کر بولا۔ ”مجھے اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ بس

یہ سمجھ لو کہ جس طرح ہم کھاتے پہنتے ہیں اسی طرح ہماری شادیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ مگر کھانے

پہنتے میں پسند کو بھی دخل ہوتا ہے۔“

”پھر بتاؤ۔۔۔؟“

”ارے بابا۔ پیچھا چھوڑو۔۔۔ کوئی اور بات کرو۔“

”نہیں بتاؤ۔ میں تم لوگوں کی گھریلو زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتی

ہوں۔“

”اسی وقت!“ عمران پھر کر رہا۔

”اچھا گھر چل کر ہی سہی۔“

”عمران کی نو سنیر اب فلیٹ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ لیکن وہ سیاہ رنگ کی گاڑی اب بھی اس کے پیچھے چل رہی تھی۔“

پھر اس نے ایک جگہ بائیں جانب سے نکلنے کی کوشش کی۔ عمران نے ٹریفک کے قواعد کو بالائے طاق رکھ کر اسے راستہ دے دیا۔ وہ فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ ساتھ ہی مارتھانے سسکاری لی اور اپنا بایاں بازو منٹولنے لگی۔

”اوہ۔ یہ کس چیز نے کاٹا۔“ اس نے بلاؤز کے آستین میں انگلیاں ڈالتے ہوئے کہا۔ پھر بوکھلائے انداز میں کراہی۔ اب دایاں ہاتھ آستین سے باہر آیا۔ چمکی میں گراموفون کی ایک سوئی دبی ہوئی تھی۔

”اوہ..... یہ..... اوہ..... یہ.....!“ وہ آگے پیچھے جھولتی ہوئی بولی۔ عمران نے گاڑی روک دی تھی۔ اور قبل اس کے وہ کچھ کرتا رہا تھا جھکولے لیتی ہوئی اس پر آگری۔



مار تھا بے ہوش تھی۔ عمران نے سامنے دیکھا۔ دین تیزی سے آگے جا رہی تھی اور اس کے دو ماتحت صفدر اور چوہان موٹر سائیکل پر اس کا تعاقب کر رہے تھے۔ شاید انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اسی دین سے کوئی حرکت ہوئی ہے۔ سارجنٹ نعمانی اور کپٹن خاور اب بھی عمران کی ٹوسٹر کی نگرانی کر رہے تھے۔

ایک بار پھر ٹوسٹر سول ہسپتال کی طرف موڑ دینی پڑی۔ عمران کی نظر اس سوئی پر بھی تھی جو مارتھا نے اپنے بازو سے نکالی تھی..... لیکن عمران نے اسے اٹھایا نہیں۔  
مارتھا پشت سے نکلی پڑی تھی۔ گردن اس طرح ڈھلکی ہوئی تھی جیسے روح جسم کا ساتھ چھوڑ چکی ہو۔

ایک بار پھر سول ہسپتال میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عمران نے سوئی احتیاط سے رکھ لی تھی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ مارتھا کے جسم میں بھی تیزی سے زہر پھیل رہا ہے۔ اس بار پولیس کو بھی اطلاع دے دی گئی تھی۔

اتفاقاً آج کل سول ہسپتال کے عملے میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جس سے عمران کی جان پہچان رہی ہو۔ لوگ اسے گھور گھور کر دیکھ رہے تھے۔

پولیس انسپکٹر بھی اجنبی نکلا۔ سارے حالات سن کر اس نے آنکھیں نکالیں اور عمران پر چڑھ

دوڑا تھا۔

”آپ کون ہیں؟“

”میں علی عمران ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ آکسن ہوں۔“

”کس مطلب؟“

”جی مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم۔“

”ڈاکٹر اور اس کی سیکرٹری سے کیا تعلق ہے تمہارا۔“

”ڈاکٹر سے کوئی تعلق نہیں ہے!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”لیکن سیکرٹری سے

تعلق زیرِ غور ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”بھائی صاحب مطلب تو خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔“

”کیا آپ حوالات میں ہی بات کرنا پسند کریں گے۔“ سب انسپکٹر غرایا۔

”مرضی سرکار کی۔“ عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی ”لیکن میں آپ سے مزید گفتگو کرنے

سے پہلے محکمہ سرانصرسانی کے سپرنٹنڈنٹ سے دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اجازت دیں

”جی۔۔۔!“

”جی ہاں۔۔۔ فون پر۔۔۔ آپ اگر ضروری سمجھیں تو مجھے آپ کی موجودگی پر بھی کوئی

اعتراض نہ ہو گا۔ ڈاکٹر فون کہاں ہے؟“

وہ اس کمرے میں آئے جہاں فون تھا! عمران نے کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے اور ماؤتھ

میں میں بولا۔ ”میں عمران ہوں۔ سول ہسپتال سے۔ تمہاری دلچسپی کے لئے کچھ مواد ہے۔ فوراً

“آجاؤ۔“

ریسور رکھ کر وہ سب انسپکٹر کی طرف مڑا۔ جو متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپک رہا تھا۔

”اب پوچھئے جو کچھ پوچھنا ہے۔۔!“

”کپتان صاحب سے آپ کا کیا تعلق ہے۔“

”تعلق۔۔!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”آخر آپ پر تعلق کا دورہ کیوں پڑ گیا

"4

سب انسپکٹر کے ہونٹوں پر پہلی مار مسکراہٹ نظر آئی اور اس نے کرسی کی طرف اشارہ

کر کے کہا۔ ”تشریف رکھئے۔“ اور خود بھی بیٹھتا ہوا بولا۔ ”اب تو کیتان صاحب ہی کا انتظار کرنا

پڑے گا۔“

پھر فیاض کے آنے تک کوئی گفتگو نہ ہوئی۔!

”اب کیا ہے؟“ فیاض سب انپکٹر کو نظر انداز کر کے پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

”ڈاکٹر دعاگو اور اس کی سیکرٹری مار تھاکے جسموں میں زہر پھیل گیا ہے۔“

”ڈاکٹر دعاگو!۔“

”ہاں!۔“ عمران سر ہلا کر بولا اور شروع سے سارے واقعات دہرائے فیاض تھوڑی دیر تک

کچھ سوچتے رہنے کے بعد ڈاکٹر سے مخاطب ہوا۔ ”کیا خیال ہے..... لڑکی زندہ بچے گی یا نہیں!۔“

”ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔

”وہ سوئی مجھے دو۔“ فیاض نے عمران سے کہا اور اس سے سوئی لے کر چنگی میں دبائے تھوڑی

دیر تک اسے گھورتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔ ”میں اسے لے جا رہا ہوں۔“

”لیکن جلدی واپس کر دینا کیونکہ میں نے بھی گرامو فون بجاتا ہے۔“ عمران نے بڑے

بھولے پن سے کہا اور فیاض اسے گھورنے لگا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“ فیاض اٹھتا ہوا بولا اور عمران نے ڈاکٹر کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے

کہا۔ ”بھیڑا لڑکی کا خیال رکھنا!۔“

فیاض اور عمران برآمدے کے اس دور افتادہ گوشے میں پہنچے جہاں ان دونوں کے علاوہ اور

کوئی نہیں تھا۔

”اب بتاؤ۔“ فیاض نے عمران سے کہا۔

”کیا بتاؤں؟“

”تم ڈاکٹر دعاگو کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔“

”تمہارے چھکن بھائی اپنے بنگلے پر بھی خود کشی کر سکتے تھے۔“

”ہوں۔ پھر تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا ڈاکٹر دعاگو.....“

”فی الحال تو وہ بیچارہ خود ہی دعا کا محتاج ہے۔ اس کے متعلق پھر کبھی سوچوں گا۔“

”مجھے یہ بتاؤ کہ تم اس کے گرد چکر کیوں لگا رہے تھے۔“

”کبھی اس کی سیکرٹری کو غور سے دیکھا ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”اڑنے کی کوشش نہ کرو! میں جانتا ہوں کہ تمہیں اس سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہو

سکتی۔۔۔“

”۶۳ میں ہونے لگی ہے۔“

”فضول کہو اس نہ کرو۔!“

”نہیں یار آج کل کچھ ایسا محسوس ہونے لگا ہے جیسے میں بھی کسی عورت ہی کے پیٹ سے

پیدا ہوا ہوں! اور فضولیات کا وہ مسئلہ معلوم ہی ہو گا تمہیں کہ لائیک ٹنڈس ٹو بکٹ لائیک۔“

”اچھی بات ہے۔ میں پھر گفتگو کروں گا۔“ فیاض زینوں کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”ٹھہر و پیار ہے۔ کیا اب بھی نہ بتاؤ گے کہ تم اس دن میرے گھر سے کہاں گئے تھے اور فون

پر کس کی کال ریسیو کی تھی۔“

فیاض کچھ کہے بغیر اسی کمرے کی طرف مڑ گیا جہاں سب انپکٹر شاید اپنی رپورٹ مکمل کر رہا

تھا۔

عمران نے شانوں کو جنبش دی اور ٹپکتا ہوا اپنی ٹوئیر تک آیا..... دروازہ کھول کر اندر بیٹھ

ہی رہا تھا کہ ایک کانٹیلن نے طلبی کا حکم سنایا۔

”کس نے بلایا ہے“ عمران نے پوچھا۔

”انپکٹر صاحب نے۔!“

”پکٹان صاحب کہاں ہیں۔“

”وہیں۔۔۔“

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور ڈاکٹر کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

فیاض ایک طرف خاموش بیٹھا تھا۔

”آپ کا بیان جتنا ب۔“ سب انپکٹر نے عمران سے کہا۔

”اس میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکی۔“ عمران نے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے

کہا۔ ”میں اپنا تحریری بیان دوں گا۔“

فیاض اسے تجسس نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ عمران نے ڈاکٹر کا لیٹر پڑا اٹھایا اور اس کی اجازت

حاصل کے بغیر لکھنے لگا۔ قلم تیزی سے چل رہا تھا۔ بیان ختم کر کے دستخط کے اور کاغذ پڑے سے

پھاڑ کر انپکٹر کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”پتہ نہیں لکھا..... کیونکہ پتہ پکٹان کو معلوم ہے۔ اچھا

..... نا۔!“

”وہ ہاتھ ہلاتا ہوا دروازے سے نکل آیا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر اپنے فلیٹ کی طرف واپس جا رہا تھا۔

فلیٹ میں نہ جانے کیوں دوسری مصیبت اس کی منتظر تھی۔ استاد محبوب نرالے عالم! وہ اس

کی مخصوص کرسی پر دونوں ٹانگیں سمیٹے بیٹھے نظر آئے۔ منہ چھت کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ ناک

میں کچھ گنگنا رہے تھے! عمران کو دیکھ کر دونوں ناگئیں کر سی سے اتار کر فرش پر نکادیں اور بولے  
”السلام علیکم۔۔!“

عمران نے سوچا کھانا چاہیے۔۔۔ آخر کام بھی تو کرنا ہے۔۔۔ لہذا استاد کے سلام کا جواب  
دینے کی بجائے بوکھلا کر بولا ”استاد یہ کیا غضب کیا۔۔؟“

”جی۔۔“ استاد بھی جواباً بوکھلا گیا۔

”آپ نے اس لڑکی کو آنکھ کیوں ماری تھی۔ کم از کم مجھ سے تو مشورہ لے لیا ہوتا۔“  
”آنکھ ماری تھی؟“ استاد نے آنکھیں پھاڑ کر دھرایا اور پھر منہ پیٹتے ہوئے بولے ”یہ آپ  
کیا کہہ رہے ہیں عمران صاحب۔ آپ کی محبوبہ کو آنکھ ماروں گا۔ ارے توبہ توبہ۔“  
”ارے بڑا غضب ہو گیا ہے۔ لیکن میں نے آپ کا پتہ نہیں بتایا۔!“  
”کیا ہوا؟“ استاد کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

”پتہ نہیں بتایا تو کیا ہوا۔“ عمران اس طرح بولا جیسے خود سے مخاطب ہو۔ ”پولیس تو سیدھی  
یہاں آئے گی پوچھتی ہوئی۔“

”قسم لے لیجئے۔۔۔ عمران صاحب۔۔۔ جو میں نے آنکھ ماری ہو۔ ارے توبہ توبہ۔!“ استاد  
پھر منہ پیٹنے لگے اور بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولے ”خدا کے لئے یقین کیجئے۔۔ لیکن  
پولیس۔۔ میں کیا کروں۔!“

”بھاگئے سر پر پیر رکھ کر۔!“

”لیکن راستے میں اگر پولیس۔“

”ہاں۔۔ ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ اچھا!“ عمران نے کہا اور جوزف کو آواز دی۔۔۔ وہ دوسرے  
کمرے میں تھا۔ آواز کی گونج ختم ہونے سے پہلے ہی پہنچ گیا۔

”دیکھو! جوزف انہیں اجڑا دیار ہوٹل تک چھوڑ آؤ۔ ٹیکسی لے لینا۔“

”او کے باس۔!“ جوزف نے دو انگلیوں سے پیشانی چھو کر کہا اور اس طرح دروازے کی  
جانب ہاتھ ہلائے جیسے بھیڑیں ہٹائی ہوں۔۔۔ یہ استاد کے لئے باہر چلنے کا اشارہ تھا۔

استاد چلتے چلتے مڑ کر بولے۔ ”عمران صاحب میری طرف سے دل صاف رکھے گا۔ میری  
سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے سالی کبھی آنکھ پر بیٹھ گئی ہو۔“

”ہو سکتا ہے۔۔۔ خدا حافظ۔“

پھر اس نے پورا جسم تان کر انگڑائی لی اور پرائیویٹ فون پر جولیا نافٹز وائر کے نمبر ڈائل  
کئے۔ فوراً جواب ملا۔

”جولیا!“ عمران ایکس ٹو والے مخصوص لہجے میں بولا۔ ”صفدر سے کوئی رپورٹ ملی ہے۔“

”جی ہاں۔! میں خود ہی رنگ کرنے والی تھی جناب۔“

”کیا خبر ہے!“

”وہ دونوں سیاہ رنگ کی اس دین کا تعاقب کر رہے تھے جس نے عمران کی ٹوسٹر کا پیچھا کیا  
تھا۔ ٹھنری فرسٹ اسٹریٹ کی ایک عمارت کے سامنے وہ دین رکی تھی۔ دو آدمی اتر کر عمارت  
میں داخل ہوئے۔۔۔ وہ دونوں ابھی سوچ رہے تھے کہ اب کیا کرنا چاہئے کہ۔۔۔ دفعتاً ایک زور  
دار دھماکا ہوا اور دین کے چھترے اڑ گئے لوہے کا ایک ٹکڑا چوہان کی پیشانی سے لگا ہے۔۔۔ خاصا  
گہرا زخم آیا ہے۔ متعدد راہ گیر بھی زخمی ہوئے۔ لیکن جس عمارت میں وہ دونوں نامعلوم آدمی  
داخل ہوئے تھے خالی پائی گئی۔ عرصہ سے خالی پڑی تھی۔ وہ دونوں عقبی راستے سے باہر چلے گئے  
ہوں گے۔ کیونکہ عقبی دروازہ بھی غیر مقفل پایا گیا ہے۔“

”کیا وہ دونوں غیر ملکی تھے۔“ عمران نے پوچھا

”جی نہیں۔ دیسی ہی تھے۔“

”صفدر اب کہاں ہے۔“

”دوسروں کے ساتھ عمران کے فلیٹ کی نگرانی کر رہا ہے۔ چوہان پیشانی کی ڈرینگ کرانے  
کے بعد آرام کر رہا ہے۔“

”اچھا دیکھو۔ سول ہسپتال سے رابطہ قائم کرو۔ ڈاکٹر دعا گو اور اس کی سیکرٹری مارتھا ایر جی  
وارڈ میں ہیں ان کی نگرانی ہونی چاہئے۔ مجھے فوراً مطلع کرو کہ مارتھا ہوش میں آئی یا نہیں۔!“

”او کے سر۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد گھر بیٹو فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو۔“ عمران ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

”کون۔۔؟“ عمران۔۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور عمران نے آواز پہچان لی۔  
”دوسری طرف سے کیپٹن فیاض تھا۔“

”کیا بات ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”وہ ہوش میں آگئی ہے!“

”اوہو۔۔ تو حضور ابھی وہیں تشریف فرما ہیں۔“

”وہ کہتی ہے کہ تمہاری موجودگی میں کوئی بیان دے سکے گی۔“

”میں کوئی اس کے باپ کا نوکر ہوں کہ دوڑا آؤں گا۔“  
 ”تمہیں اتنا پڑے گا۔ فوراً آؤ کیونکہ تم بھی کسی طرح اپنی جان نہیں بچا سکو گے۔ اچھی طرح  
 لوٹ ہو چکے ہو! تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ اس دین میں تمہارے ہی آدمی نہیں تھے۔“  
 ”مم..... مم..... ہپ! عمران ماؤ تھ پیس میں ہکلا یا۔“ اچھا میں آرہا ہوں  
 ایک بار پھر اس کی ٹوسٹیر سول ہسپتال کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔  
 فیاض برآمدے ہی میں ملا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی۔  
 ”اب کہاں بچ کر جاؤ گے برخوردار!“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔  
 ”سوال یہ ہے کہ اگر وہ میری عدم موجودگی میں بیان نہیں دے سکی تو تمہیں کسی سیاہ رنگ  
 کی دین کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔“ عمران نے پوچھا۔  
 ”میری ملازمت کافی پرانی ہو چکی ہے۔“ فیاض بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”اگر یہ نہ کہتا تو تم بھلا  
 اس طرح دوڑے آتے۔“

”اوہ..... اچھا!..... اچھا!“ عمران نے سنجیدگی سے سر ہلا کر کہا۔ ”خیر۔۔۔ تو جلدی سے مقصد  
 بیان کر جاؤ۔ میں آج کل عدم الفرصت ہوں۔ لیکن وہ کہاں ہے“  
 ”فی الحال کسی سے نہیں مل سکے گی۔“ فیاض نے خشک لہجے میں کہا۔  
 ”خوب۔ خوب! اچھا خیال ہے۔ لیکن میں یہاں کیوں کھڑا ہوں۔“  
 ”محض یہ بتانے کے لئے کہ اس دین میں کون تھا؟“  
 ”آج رات خواب میں دیکھ کر بتا سکوں گا۔“  
 ”عمران میں بری طرح رگڑ دوں گا۔“  
 ”لوٹو! ہو!“ عمران بھی جھلا گیا۔ ”اس وقت تم نے میرے ساتھ جو فراڈ کیا ہے اس کا  
 خلیا زہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔ بیچ سڑک پر۔ اسے لکھ رکھو سمجھے!“  
 ”تمہیں بتانا پڑے گا کہ دین میں کون تھا۔“ فیاض نے درشت لہجے میں پوچھا۔  
 ”کیا مارتھا نے اس قسم کا کوئی خیال ظاہر کیا ہے۔“  
 ”کس قسم کا؟“

”یہی کہ میں۔۔۔ دین میں سفر کرنے والوں سے واقف ہوں۔“  
 ”نہیں۔۔۔!“

”پھر تم کس بناء پر مجھے گھسیٹ رہے ہو۔“  
 اتنے میں ایک نرس نے کیپٹن فیاض سے کہا۔ ”مریض بیان دینے پر آمادہ ہے۔ ڈاکٹر کو بھی

اعتراض نہیں۔!“

”اچھا شکریہ۔“ فیاض نے کہا۔ ”میں آرہا ہوں۔!“ نرس چلی گئی۔  
 ”کیا ڈاکٹر دعا گو۔“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“ فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

دفعتاً کپاؤنڈ سے فائر کی آواز آئی اور ایک چیخ بھی سنائی دی۔ وہ دونوں اچھل کر مڑے۔  
 پھر عمران نے دیکھا کہ اس کا ماتحت صفدر مہندی کی بازھیں پھیلا نکلتا ہوا ایک طرف دوڑا جا رہا  
 تھا۔ اس کی پشت ان دونوں کی جانب تھی اس کے خیال کے مطابق فیاض صفدر کا چہرہ ہرگز نہ  
 دیکھ سکا ہو گا۔



دفعتاً فیاض دونوں ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ ”دوڑو۔!“ پھر بھاگتے ہوئے صفدر کو لگاڑا ”ٹھہرو۔  
 ورنہ گولی مار دوں گا۔“  
 اور خود بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ عمران نے سوچا اگر صفدر پکڑا گیا تو بڑی الجھنوں کا سامنا  
 ہو گا۔ لہذا وہ فیاض کے پیچھے دوڑا۔ سب انسپکٹر اور دونوں کانسٹیبل بھی دوڑ پڑے تھے لیکن وہ  
 عمران سے آگے نہ جاسکے۔  
 عمران نے جلد ہی فیاض کو جالیا۔

”بتاؤ تو کیا ہوا۔“ وہ اس کے ساتھ ہی ساتھ دوڑتا ہوا بولا۔

”وہ.....!“ فیاض صفدر کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جانے نہ پائے..... اور تیز دوڑو۔“

”مگر وہ کون ہے۔“ عمران نے پوچھا

”پتہ نہیں۔!“

”اوہ۔۔۔ تو کیا..... وہ..... وہ..... فائر اسی نے کیا تھا۔“

”پتہ نہیں۔“

”اے تم آدمی ہو..... یا فلسفار چیلو جو موقع بے موقع چابی سے چلنے والی ربڑ کی بندریا کی  
 طرح ناپنے کودنے لگتی ہے..... ٹھہرو۔!“ اس نے فیاض کا ہاتھ پکڑ کر روکنے کی کوشش کی۔  
 ”یہ کیا کر رہے ہو۔“ فیاض غرایا..... اور اسی کشمکش کے دوران میں فیاض کی ٹانگیں آپس  
 میں الجھیں اور وہ ڈھیر ہو گیا جھٹکا جو لگا تو عمران اس پر گرا..... اور گرا بھی تو اس طرح کے فیاض

بے بس ہو کر رہ گیا۔

”ارے مردود۔۔۔ اٹھو مجھ پر سے۔“ وہ دانت پیس کر مچلتا ہوا بولا۔

”اٹھ۔۔۔ اٹھ۔۔۔ تو رہا ہوں۔۔۔“ عمران ہانپتا ہوا بولا۔۔۔ اور پھر اس نے محسوس کیا کہ صفدر کسی گلی میں گھس کر نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

اتنے میں سب انسپکٹر اور کانسٹیبل بھی ان کے قریب پہنچ گئے۔۔۔ عمران نے اب مناسب نہ سمجھا کہ فیاض کو اپنے نیچے ہی دبائے رکھے۔ سب انسپکٹر اور کانسٹیبل بھی رک گئے تھے اور حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”ارے دیکھتے کیا ہو۔ اٹھاؤ مجھے۔“ عمران رو دینے کے سے انداز میں کراہا۔

بہر حال ان لوگوں نے اسے کھینچ کھانچ کر سیدھا کیا اور فیاض پھر اٹھ دوڑا۔۔۔ غالباً اس نے بھی صفدر کو ایک گلی میں گھستے دیکھ لیا تھا۔

”سک۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ جج۔۔۔ جناب!“ سب انسپکٹر نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

”پتہ نہیں بھائی۔“ عمران نے کہا۔ ”پتہ نہیں۔۔۔ پپ۔۔۔ پتہ۔۔۔!“ اور ہانپتا ہوا زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب فیاض صفدر کی گرد کو بھی نہ پاسکے گا کیونکہ ان گلیوں کے اندر بھی کئی چچدار گلیاں اور بھی تھیں۔

دفعتاً اٹھ کر وہ دہازا۔ ”ارے رک کیوں گئے۔ دوڑو۔۔۔ ورنہ پکتان صاحب کو اکیلا سمجھ کر کہیں۔۔۔ ارے باپ رے!“

وہ بھی اسی گلی میں سرپٹ دوڑنے لگے۔۔۔ سب انسپکٹر اور کانسٹیبلوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔

اس گلی میں پہنچ کر دیکھا کہ کیپٹن فیاض ایک جگہ کھڑا بڑی بے بسی سے ہاتھ مل رہا ہے۔ عمران پر نظر پڑتے ہی وہ آگ بگولا ہو گیا۔

”سب تمہاری وجہ سے ہوا۔“ وہ عمران کو مکا دکھا کر دہازا۔

”مم۔۔۔ میری وجہ سے؟“ عمران نے ہکلا کر حیرت ظاہر کی۔

”تمہاری وجہ سے وہ نکل گیا۔ تم نے مجھے گرا دیا تھا!“

ارے توبہ توبہ۔۔۔ عمران منہ پینتا ہوا بولا۔ ”یار کیوں جھوٹ بولتے ہو۔۔۔ تم نے مجھے گرایا

تھایا میں نے۔۔۔ اللہ کے غضب سے ڈرو۔ یہ جھوٹ!“

سب انسپکٹر اور کانسٹیبل خاموش کھڑے ان کے منہ تک رہے تھے۔!

”میں تمہیں دیکھ لوں گا۔“ فیاض باوردی پولیس والوں کی موجودگی کو نظر انداز کر کے بولا۔

اور وہ حیرت سے عمران کو گھورنے لگے۔

”سب مجھی سے سمجھنے دوڑے آتے ہیں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ”لیکن حشر کے دن انصاف ہوگا۔ اچھا۔!“

پھر وہ واپسی کے لئے دوسری طرف مڑ گیا اور ایک بار بھی پلٹ کر نہ دیکھا کہ وہ لوگ اس کے پیچھے آرہے ہیں یا وہیں رک گئے ہیں۔!

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ پھر سول ہسپتال ہی میں نظر آیا۔ ڈاکٹر سے معلوم ہوا کہ مار تھا اب بھی بے ہوش ہے۔ اسے معلوم تھا کہ ڈاکٹر دعا گو ہوش میں آچکا ہے۔ لیکن اس نے اسے ملنے کی کوشش نہیں کی۔

کچھ دیر بعد اس نے کمپاؤنڈ میں اس جگہ بھیڑ دیکھی جہاں سے صفدر مہندی کی بانڈھ پھلانگتا ہوا بھاگا تھا۔

عمران بھی آہستہ آہستہ بھیڑ کی جانب چلنے لگا۔ کیپٹن فیاض اور پولیس والے بھی اس بھیڑ میں موجود تھے اور انہوں نے ایک چھوٹا سا دائرہ بنا رکھا تھا اور دوسروں کو اس دائرے میں داخل ہونے سے روک رہے تھے۔

پھر عمران کی نظر اس چیز پر پڑی جس کے گرد دائرہ قائم کیا گیا تھا۔ یہ گہرے نیلے رنگ کا ایک بڑا سا ریو اور تھا۔ اعشاریہ چار پانچ کا ریو اور۔ عمران نے سوچا کہ یہ صفدر کا تو ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے ماتحتوں کے پاس اعشاریہ تین آٹھ کے ریو اور تھے۔

فیاض نے اسے گھور کر دیکھا اور بولا۔ ”بس چپ چاپ چلے ہی جاؤ۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔!“

”بہت بہتر سرکار۔“ عمران ایڑیوں پر گھوما اور سیدھا اپنی ٹوسٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

فلٹ میں پہنچ کر اس نے جولیا کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔!

”دیکھو۔۔۔ کیپٹن فیاض سول ہسپتال میں ڈاکٹر دعا گو کا بیان لینے والا ہے۔ اس کے بیان کی نظر۔ لفظ۔ لفظ نقل لینے کی کوشش کرو۔ یہ کام آج ہی ہونا چاہئے۔“

”او کے سر۔۔۔!“

”دیکھو! صفدر کو چاہئے کہ مجھے براہ راست رنگ کرے۔ کسی کو مطلع کر دو کہ وہ اس تک میرا پیغام پہنچا دے۔“

”بہت بہتر جناب!“

عمران نے ریسیور کریڈل میں رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا اور نشست کے کمرے میں جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ سلیمان کی شکل دکھائی دی جس پر زلزلہ سا طاری تھا۔ اس نے چھوٹے ہی



کہا۔ ”صاحب آپ کی ملازمت مجھ سے نہیں ہو سکتی۔“

”نہ ہو سکے!“ عمران نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور کمرے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔۔۔۔۔ سلیمان کہہ رہا تھا۔ ”اس سے کام نہ چلے گا۔ آج فیصلہ کر دیجئے یہ سالہ کالا میری جان کو آگیا ہے!“

”ہوں!“ عمران صوفے پر ڈھیر ہوتا ہوا غرایا۔ ”کیا بات ہے۔ زندگی تلخ کر رکھی ہے تم دونوں نے!“

”دن رات گالیاں دیا کرتا ہے مجھے۔“

”انگریزی میں۔؟“ عمران نے پوچھا۔

”میری تو مصیبت ہے۔۔۔۔۔ ورنہ میں بھی سالے کی ایسی تیشی کر کے رکھ دوں۔“

”تو اسی سے انگریزی کیوں نہیں پڑھ لیتا۔“

”میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ آپ میرا فیصلہ کر دیجئے۔“

”عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایکس ٹو والے فون کی گھنٹی بجی اور وہ اٹھ کر دوسرے کمرے

میں چلا آیا۔

دوسری طرف صفدر تھا اور کہہ رہا تھا۔ ”اس نے عمران پر فائر کرنے کے لئے ریوالور نکالا

تھا۔ مہندی کی بازو میں چھپا ہوا تھا۔“

”کہاں کی ہانک رہے ہو۔“ عمران بحیثیت ایکس ٹو غرایا۔

”اوہ معاف فرمائیے گا جناب! میری عقل خط ہو گئی ہے دوڑتے دوڑتے حلیہ بگڑ گیا۔ ہم

لوگ عمران کی حفاظت کر رہے تھے۔ وہ سول ہسپتال کے برآمدے میں کیپٹن فیاض سے گفتگو

کر رہے تھے۔ ایک آدمی پر بھی ہماری نظر تھی جو صبح ہی سے عمران کا تعاقب کرتا پھر رہا تھا۔ میں

نے اسے مہندی کی بازو میں اوٹ میں چھپتے دیکھا اور پوری طرح اس پر نظر رکھی۔ کچھ دیر بعد

اس نے اعشاریہ چار پانچ کار ریوالور نکال کر عمران کا نشانہ لیا۔ بڑا خطرناک لمحہ تھا! اگر میں اسے

آواز دے کر باز رکھنے کی کوشش کرتا تو شاید بوکھا ہٹ ہی میں وہ ٹریگر دبا دیتا۔ مجبوراً مجھے اپنا

ریوالور نکال کر اس کے ہاتھ پر فائر کرنا پڑا۔ گولی نشانے پر بیٹھی! ریوالور اس کے زخمی ہاتھ

سے چھوٹ چکا تھا۔ ایک چیخ بھی اسی کے حلق سے نکلی اور وہ اچھل کر بھاگ نکلا تھا۔ میں اس

کے تعاقب میں دوڑا!“

”بعد کی باتیں مجھے معلوم ہیں!“ عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”لیکن کیپٹن فیاض تمہیں

پہچان نہیں سکا۔ تم بہت اچھے رہے ہو۔ میں تم سے خوش ہوں۔“

”شکریہ جناب!“

”بہتر ہے کہ تم لوگ عمران کی حفاظت میک اپ میں رہ کر کیا کرو۔“

”بہت مناسب ہے جناب!“

”سب کو مطلع کر دو۔“

”بہتر جناب!“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

ابھی فون کے پاس سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری

طرف جو لیا تھی اور کہہ رہی تھی۔ ”ڈاکٹر دعا گو کی سیکرٹری مار تھا بھی ہوش میں آچکی ہے۔ اور

اب خطرے سے باہر ہے۔“

لیکن میں نے اس کے بارے میں تم سے کب پوچھا تھا“ عمران ماؤتھ پیس میں غرایا۔

”مہم۔۔۔۔۔ میں نے۔۔۔۔۔ کہا شاید وہ بھی۔۔۔۔۔ کیونکہ وہ عمران کے ساتھ تھی۔“

”عمران کے نجی معاملات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”نجی معاملات۔“

”ہاں وہ مار تھا کے چکر میں ہے۔“ عمران باتیں آنکھ دبا کر بولا۔ اس کے ہونٹوں پر شری

مکراہٹ تھی۔

”خیر۔۔۔۔۔ جناب۔۔۔۔۔ ڈاکٹر دعا گو کا بیان۔“

”ٹھہرو۔۔۔۔۔ میں شارٹ پینڈ میں نوٹ لوں گا۔“

اس نے میز پر پڑی ہوئی کاپی اور پنسل اٹھائی اور ماؤتھ پیس میں بولا ”شروع ہو جاؤ۔“

ڈاکٹر دعا گو فون پر عمران سے گفتگو کر رہا تھا۔ دفعتاً پشت والی کھڑکی سے ایک سیاہ رنگ کی بلی

میز پر آکودی۔۔۔۔۔ پھر دوسری بلی۔۔۔۔۔ اور ان میں سے ایک بلی غراتی ہوئی اس پر اچانک حملہ کر

پڑی۔۔۔۔۔ ڈاکٹر دعا گو کا بیان ہے کہ وہ بے ساختہ چیخ پڑا تھا۔۔۔۔۔ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا اس پر

وہ روشنی نہیں ڈال سکا۔“

”اس کے علاوہ اور کچھ؟“

”جی نہیں۔“

”اور۔۔۔۔۔ اینڈ آل۔“ عمران نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر ڈاکٹر دعا گو کی کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔

کوٹھی کی کپاونڈ میں اسے ڈاکٹر کے ملازموں نے گھیر لیا اور اس سے ڈاکٹر کی خیریت پوچھنے

لگے۔ کیونکہ انہوں نے اسے ایسولینس گاڑی کے ساتھ جاتے دیکھا تھا۔ عمران نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹر روبصحت ہے۔ پھر اس نے ان سے پوچھ گچھ شروع کی اور انہیں باتوں میں الجھائے ہوئے ادھر ادھر ٹھٹھا رہا۔ انہیں ساتھ لیے ہوئے کیاؤنڈ کے اس حصے کی طرف جانکا جہاں سے ڈاکٹر کے بیان کے مطابق دونوں بلیاں کھڑکی کی راہ سے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔!

”کیا یہ کھڑکی روزانہ کھلی رہتی ہے۔!“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں۔!“ ایک ملازم نے جواب دیا۔

”کیا تم میں سے کسی نے ڈاکٹر کی چیخ بھی سنی تھی۔“

”جی ہاں۔ میں نے سنی تھی۔“ اسی ملازم نے کہا اور دوسروں کی طرف اس طرح دیکھنے لگا

جیسے ان سے بھی اپنے بیان کی تائید کی توقع رکھتا ہو۔ لیکن کوئی کچھ نہ بولا۔

”تم اس وقت کہاں تھے۔“

”جی میں ادھر ہی سے گزر رہا تھا۔“

”جب تم یقینی طور پر کھڑکی کی طرف آئے ہو گئے۔“

”جی ہاں۔۔۔ دوڑتا ہوا آیا تھا۔“

”پھر تم نے اس کھڑکی کے اندر بھی جھانکا ہو گا۔“

”جی ہاں۔“

”اندر ڈاکٹر کے علاوہ اور کون تھا۔“

”جی کوئی بھی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب فرش پر پڑے تھے اور ان کی کرسی الٹی پڑی تھی، جی

ہاں۔!“

”کمرے میں دو بلیاں بھی دوڑتی پھر رہی تھیں۔؟“ عمران نے اس طرح کہا جیسے خود سے

مخاطب ہو۔

”جی۔۔۔ بلیاں؟۔۔۔ نہیں تو۔۔۔“ ملازم کے لہجے میں حیرت تھی۔

”تمہیں یقین ہے۔“

”ارے صاحب بلیاں۔۔۔ بھلا۔۔۔ کیا بات ہوئی!“ وہ ہنس پڑا اور دوسرے بھی ہنسنے لگے۔

پھر عمران نے ان سے کہا کہ وہ کوٹھی کا خیال رکھیں کیونکہ مارتھا بھی بیمار ہو گئی ہے اور شاید

کئی دن بعد وہ دونوں ہسپتال سے واپس آسکیں۔ ملازموں نے مارتھا کی بیماری کی نوعیت معلوم

کرنی چاہی لیکن عمران نے لاعلمی ظاہر کی۔

پھر وہ کوٹھی سے بھی روانہ ہو گیا ویسے اس کی خواہش تھی کہ اندر سے بھی اس عمارت کا

سرسری طور پر جائزہ لیتا۔ لیکن اس وقت مناسب نہ سمجھا۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ وکٹوریہ روڈ کے چوراہے پر پہنچ کر اس نے گاڑی کا رخ ٹپ ٹاپ

ہاٹ کلب کی طرف موڑ دیا۔

اسے علم تھا کہ اس وقت بھی اس کے تین ماتحت اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ یہ صفدر،

نعمانی اور چوہان تھے۔ ایکس ٹو کی ہدایت کے مطابق انہوں نے اپنی صورتیں تبدیلی کر لی تھی۔

عمران ٹپ ٹاپ کے ہال میں داخل ہوا اور بیک وقت کئی ویٹروں نے ہاتھ اٹھا کر اسے سلام

کیا۔ لیکن اس وقت عمران سے کوئی حماقت سرزد نہ ہوئی۔ ویسے وہ عموماً نہ صرف ویٹروں کے

سلام کا جواب دیا کرتا تھا بلکہ ان سے مضامین کر کے باقاعدہ بال بچوں کی خیریت تک پوچھ

بیٹھتا تھا۔

وہ ایک گوشے میں جا بیٹھا۔ ڈائننگ ہال بھی ابھی زیادہ گھنا آباد نہیں تھا۔۔۔۔۔ چاروں طرف

ہلکی سبز روشنی بکھری ہوئی تھی اور مدہم آواز میں پرشین نوٹس کاریکارڈ بج رہا تھا۔

عمران بظاہر اوگھتا اور کوکا کولا پیتا رہا اس کی اکثر شاہیں یہاں گزرتی تھیں۔ اپنی میز پر عموماً وہ

تہا ہی نظر آتا لیکن آج ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کا منتظر ہو۔ بار بار کلائی کی گھڑی پر نظر

ڈالتا اور پھر داخلے کے دروازے کی طرف دیکھنے لگتا۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد اس نے ایک طویل سانس لی! انداز سے بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے

انتظار کے کرب آمیز لمحات ختم ہو گئے ہوں۔

ایک بڑی دلکش لڑکی ہال میں داخل ہوئی تھی۔۔۔۔۔ سفید فام غیر ملکی تھی دراز قد اور صحت

مند۔۔۔۔۔ لیکن بے چین آنکھوں والی۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ ایک ڈھلکے ہوئے شانوں والا بوڑھا آدمی

تھا۔ لیکن یہ دیسی ہی تھا۔

اس کے بعد ہی جولیا نافٹز وائر بھی ہال میں داخل ہوئی اور عمران کے چہرے پر جھلاہٹ کے

آثار نظر آئے۔ کیونکہ وہ سیدھی اسی طرف چلی آرہی تھی۔!



عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بڑبڑایا۔ ”تم آہی مریں خالہ جان۔“

”ہلو۔۔۔!“ جولیا قریب پہنچ کر بڑے دلاویز انداز میں مسکرائی۔

”ہلو۔۔۔!“ عمران مردہ سی آواز میں کراہا۔

عمران کی دیکھ بھال کرنے والوں میں سے چوہان اور نعمانی بھی ہال میں داخل ہو کر مختلف میزوں پر بیٹھ چکے تھے۔

اب ہلکی آواز میں ”چاچا“ بج رہا تھا اور بیشتر سننے والے میزوں کے نیچے اپنی ٹانگیں تھرا رہے تھے۔

بڑا خوابناک سا منظر تھا۔

جولیا بیٹھ چکی تھی اور عمران تو اسی غیر ملکی لڑکی کو گھورے جا رہا تھا جو ڈھلکے ہوئے شانوں والے بوڑھے کے ساتھ آئی تھی۔

جولیا نے بھی اس جانب سر گھمایا اور پھر پلٹ کر عمران کو گھورنے لگی۔ عمران اب بھی اسی لڑکی کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔ جولیا کھکاری اور عمران چوک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اس طرح پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے پجوشن کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”کون ہے وہ؟“ جولیا نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”اگر معلوم کر کے بتا سکو تو بیحد مشکور ہوں گا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ پھر بڑے رومینک انداز میں بولا۔ ”ارے اس کی آنکھوں سے تو صبحسین طلوع ہوتی ہوں گی۔ اور محرم کے گھاٹ سے پو پھوتی ہوگی۔ گھنیری زلفوں میں شام ڈھلتی ہوگی اور گالوں کی شفق۔!“

”ہائیں۔۔۔ ہائیں۔۔۔!“ جولیا حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ ”یہ تم بول رہے ہو۔ ارے تم بھی ایسی باتیں کر سکتے ہو؟“

ایک بیک عمران پھر چوک پڑا اور اس طرح پلکیں جھپکانے لگا جیسے سوتے سے جاگا ہو۔ چہرے پر حماقتوں نے یلغار کر دی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اس سے بڑا ڈیوٹ آج تک پیدا ہی نہ ہوا ہو۔

”مم۔۔۔ میں۔۔۔ نہیں سمجھا۔“

”الونہ بناؤ۔“ جولیا برا سا منہ بنا کر بولی۔

”اچھا۔“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں سر کو جنبش دی۔

”یہ کون ہے۔؟“ جولیا نے پھر آنکھیں نکالیں۔

”مم۔ میں کیا جانوں؟“

”تم آج کل کس چکر میں ہو۔ کیا یہ ڈاکٹر دعاگو کی سیکرٹری ہے۔“

”نن نہیں۔۔۔ خدا کی قسم وہ نہیں ہے!“

”تم ان دونوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔!“

”دعا کر رہا ہوں اپنے لیے۔“

”یکو اس نہ کرو۔“

”تمہاری مرضی۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”پھر جو جی چاہے سمجھ لو۔“

”تم کس چکر میں ہو۔“

”مگر تمہیں کیسے اطلاع ملی۔۔۔ کہ“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”اوہو۔ اوہو چوہان

اور نعمانی صاحبان بھی موجود ہیں۔ خیریت خیریت۔!“

وہ جولیا کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا تمہیں علم ہے کہ تم خطرے میں ہو۔“ جولیا نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

”ارے باپ رے۔“ اس نے اردو میں کہا۔ پھر انگریزی میں بولا۔ ”مم۔۔۔ میں نہیں سمجھا تم

کیا کہہ رہی ہو۔“

”سول ہسپتال میں تم پر کسی نے فائر کرنے کی کوشش کی تھی۔ صفر نے اس پر فائر کر کے

کھیل بگاڑ دیا۔“

”کھیل بگاڑ دیا۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”اور کیا؟“

”ارے بھی کیوں؟“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”بہی مناسب ہے کہ تم اب مر ہی جاؤ۔“

”تاچوگی میرے ساتھ۔“ عمران نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔

”شٹ آپ“

”اچھا جی۔۔۔“ عمران اس کو گھورتا ہوا بولا۔ پھر انگوٹھے سے سامنے والی غیر ملکی لڑکی کی

جانب اشارہ کر کے گنگنائیا۔ ”اب تو ان خالہ جان کے ساتھ تاچوں گا۔“

”ٹھو کر مار دے گی۔!“

”دیکھ لینا۔!“

”جانتے ہو یہ کون ہے؟“

”تم شاید جانتی ہو؟ لیکن ابھی تم نے مجھ سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔“

”اسی لئے پوچھا تھا کہ جانتے بھی ہو۔۔۔ یا۔۔۔ یونہی جنم رسید ہو جاؤ گے۔“

”ارے تو بتا دو نا۔۔۔ محترمہ ہمدرد خاتون۔!“

”ایک سفارت خانے کے افسر کی لڑکی ہے۔ سوشل گیدر نکس میں کرنل ڈوہرنگ کا نام سنا

ہے کبھی۔“

”نن۔ نہیں تو۔“

”یہ اسی کی لڑکی ہے۔۔۔ اندھیرے میں آواز پر نشانہ لگاتا ہے۔“

”اچھا اگر میں اندھیرے میں چشمہ لگالوں تو۔“ عمران نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔

”گدھے ہو تم۔“ جولیا جھلا گئی۔

اور عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا سر ہلا کر مسکرائے لگا۔

پھر دونوں ہی خاموش ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد اناؤنسر کی آواز آئی۔ ”کیا آپ بال روم میں تشریف لے جانا پسند کریں گے۔ آج پرشین ٹوئسٹ۔ ساؤتھ امریکن کوک ٹیل اسٹپ کا باہر آرکسٹرا آپ کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔“

پھر جیسے ہی دوسرا نغمہ شروع ہوا عمران نے میز کے نیچے اپنی ٹانگیں تھرکانی شروع کر دیں۔

”کیا خیال ہے۔ ایک بار پھر سوچو۔“ اس نے جولیا سے کہا۔

”مجھے حیرت ہے کہ تم آج ایسی بد پرہیزی کیسے کر سکو گے۔ ناچنا آتا ہے تمہیں۔“

”اور سینے۔“ عمران گردن جھٹک کر بولا۔ بچپن سے اب تک ناچنا اور نچانا ہی تو آیا ہوں

آپ پوچھتی ہیں ناچنا آتا ہے۔“

”میں موڈ میں نہیں ہوں“

”تو پھر مجبور آ۔۔۔“ عمران کی نظر سامنے والی لڑکی پر رک گئی۔

جولیا نے برا سامنہ بنا کر شانوں کو جنبش دی۔

”کیا بیوگی۔“ عمران آگے جھک کر آہستہ سے بولا۔

”کھانا کھاؤں گی۔“ وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔

”مینو حاضر ہے!“ عمران نے مینو پر سے ایش ٹرے ہٹا کر اس کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔

جولیا نے ویٹر کو بلا کر قیمتی ڈشوں کی ایک طویل فہرست دہرا دی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے عمران

کو کٹوا دینے کا تہیہ کئے بیٹھی ہو۔ آرڈر لے کر ویٹر چلا گیا اور جولیا بڑی بے تعلقی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

عمران بھی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد کھانے کی ٹرالی میز کی طرف آتی دکھائی دی۔ فرمائشات ہی اتنی تھیں کہ ٹرالی کے بغیر کام نہ چلتا۔ عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا!

پھر جولیا کے وینٹی بیگ کی طرف دیکھا جو میز کے نیچے رکھا ہوا تھا۔

عمران سوچ رہا تھا کہ آج یہ لڑکی اسے زک دینے کے چکر میں اپنا پیٹ ہی پھاڑ ڈالے گی۔

بے تحاشہ کھائے جا رہی تھی جولیا۔ اور اس طرح محو تھی کھانے میں کہ پتہ ہی نہ چل سکا کہ میز

کے نیچے رکھے ہوئے وینٹی بیگ پر کیا گزر گئی۔

اس کا پرس اب وینٹی بیگ سے نکل کر عمران کے کوٹ کی سائیڈ پاکٹ میں جا چکا تھا۔ عمران

بے پایاں مسرت کا اظہار کرتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جولیا کو کھانے کی دعوت دے کر

دین و دنیا کی سعادتیں سمیٹ رہا ہو۔

”بل ذرا جلدی لانا سمجھے۔۔۔!“ عمران نے ویٹر سے کہا۔ ”کیونکہ ہم ابھی بال روم میں بھی

جائیں گے۔“

ویٹر چلا گیا اور جولیا بولی۔ ”میں ہر گز نہیں ناچوں گی تمہارے ساتھ۔ خواہ تم پورا باورچی

خانہ میرے معدے میں ٹھونس دو۔!“

”میں بیچارہ کیا ٹھونسوں گا۔“ عمران نے خاکسارانہ لہجے میں کہا۔ ”اللہ ٹھونس رہا ہے۔“

جولیا ہنس پڑی۔

”بہت جلدے ہوئے ہو۔“ اس نے کہا۔

”اللہ کی مرضی۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

جولیا پھر ہنسنے لگی۔ پتہ نہیں کیوں اس وقت ہال کا ہر شخص ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کھانا

ختم ہوا۔ بل آیا اور عمران نے کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا پرس نکالا اور دس دس کے کئی نوٹ

پلیٹ میں ڈال دیئے۔

جولیا شاید متحیر تھی کہ وہ اتنی آسانی سے کیسے کٹ گیا۔

”کیا بال روم تک چلو گی بھی نہیں۔۔۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر پوچھا۔

”میں سمجھتی ہوں کہ اس میں تو کوئی حرج نہیں چلو۔!“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”سامنے والی لڑکی اپنے دیسی ساتھی کے ہمراہ پہلے ہی جا چکی تھی۔“

فی الحال وہاں جاز بجز رہا تھا۔ لوگ گیلریوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ فرش پر پاؤڈر چھڑکا جا رہا

تھا۔

وہ دونوں بھی ایک خالی میز پر جم گئے۔ عمران نے گردن اونچی کر کے گرد و پیش کا جائزہ

لیا۔ لڑکی دوسری جانب والی گیلری میں نظر آئی۔ اتفاق سے اس گیلری کی ساری میزیں بھری

ہوئی تھیں۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر اس کی نظر جولیا کے چہرے پر آٹھری جس کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

”اچھا۔۔ اب نہیں ناچیں گے۔ عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔

”کافی نہیں پلاؤ گے۔ کھانے کے بعد“ جولیا نے کھکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”پیو۔۔!“ عمران کی آواز بید مضحل تھی۔

جولیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

عمران نے انگلی کے اشارے سے ایک ویٹر کو بلا کر کافی کا آرڈر دیا۔

”میں ڈر رہا ہوں کہ کہیں میری ضد میں تم ہسپتال نہ پہنچ جاؤ۔“ اس نے جولیا سے کہا۔

”پرواہ نہ کرو میں تمہارے لئے جان بھی دے سکتی ہوں۔“

”اللہ رحم کرے۔“ عمران نے دردناک لہجے میں کہا۔

پھر کچھ دیر بعد اناؤنسر کی آواز آئی۔ ”خواتین و حضرات تیار ہو جائیے۔ نغمہ شروع کیا جا رہا ہے۔!“

لوگ میزوں سے اٹھنے لگے۔ نغمہ شروع ہوا۔ ٹوئٹ کے لئے زیادہ تر نوخیز جوڑے ہی اٹھے تھے۔

عمران اور جولیا کافی پیتے رہے۔ قریب ہی میز پر ایک معمر آدمی اپنی بوڑھی ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ ”کیا زمانہ ہے۔ بھلا یہ ٹوئٹ۔۔ کیا رکھا ہے۔۔ نہ اسٹپ نہ کاؤنٹنگ بس کو لھے منکاؤ اور پیر گھسو۔۔ ذرا وال الزماج کر دکھائیں یہ صحت مند جوڑے تو جانوں۔“

”کبھی تمہیں بھنگڑہ نچاؤں گا۔“ عمران نے جولیا سے کہا۔

”یہ کیا ہوتا ہے۔“

”بہت گریٹ ہوتا ہے۔“ عمران نے کہا اور سامنے والی گیلری کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ لڑکی بھی ٹوئٹ کے لئے نہیں اٹھی تھی۔ لیکن مسلسل باتیں کئے جا رہی تھی اپنے بوڑھے ساتھی سے۔

”یہ بوڑھا کون ہے؟ کیا اسے بھی تم جانتی ہو۔“ عمران نے جولیا سے پوچھا۔

”تم نہیں جانتے؟“ جولیا کے لہجے میں حیرت تھی۔

”نہیں۔!“

”حیرت ہے کہ تم سر سلطان کے اسٹینو کو نہیں جانتے۔“

”ہائیں۔ وہ مرد اسٹینو کب سے رکھنے لگے۔“

”پتہ نہیں۔ یہ تو تین ماہ سے ہے ان کے ساتھ۔“

”سمجھ گیا۔ لیڈی سلطان کو عقل آگئی ہوگی۔ پردے کی بو بو ہیں نا۔“

”اتنے ایڈوانسڈ گھرانے میں بھی پردہ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔“

”خاندانی لوگ ہیں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”تم آخر ان لوگوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔“

”مقدر۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”تمہاری ٹھنڈی سانسیں مجھے غصہ دلاتی ہیں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی تک کیسے پہنچے کس انداز سے حملہ کرے کہ وہ اس کی ہم رقص بننے پر آمادہ ہو جائے۔

”تم کیا سوچنے لگے!“ کچھ دیر بعد جولیا نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔۔ بس ناچوں گا آج خواہ کچھ ہو جائے۔“

”مگر تم تو اس قسم کی لغویات سے دور بھاگتے تھے۔“

”بعض شکلیں مجبور کر دیتی ہیں۔“ عمران خیالات میں کھویا ہوا بولا۔

”ادھر دیکھو۔ میری طرف۔“

”ہوں۔۔ دیکھ تو رہا ہوں۔“

جولیا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”وہ ڈپٹی سیکرٹری جس نے خودکشی کر لی۔۔۔۔۔“

اکثر یہیں اس لڑکی کے ساتھ رقص کیا کرتا تھا۔“

”ارے۔۔۔۔۔ باب۔۔۔۔۔“

جولیا مسکرائی اور بولی۔ ”اس لئے میں سوچ رہی ہوں کہ تم بے وجہ۔۔۔۔۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”بہتر ہے کہ اب تم گھر جاؤ۔“

”کیا مطلب۔“

”تمہاری موجودگی میں کسی دوسری لڑکی سے رقص کی درخواست نہ کر سکوں گا۔“

”دماغ تو خراب نہیں ہوں۔“ جولیا کو غصہ آگیا۔

”نانا۔“ عمران ہاتھ ہلاتا ہوا دوسری گیلری کی طرف بڑھ گیا۔

پھر لڑکی کی میز کے قریب رکا اور بڑے ادب سے جھک کر بولا۔ ”کیا میں آپ سے رقص کی درخواست کر سکتا ہوں۔“

”لڑکی بڑے دلآویز انداز سے مسکرائی اور پھر اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”ان سے“



دوسری طرف مڑ گیا۔  
فیض کے کمرے میں پہنچ کر اس نے فیض کو بھی اس انداز میں دیکھا جیسے وہاں اس کی موجودگی ضروری نہ سمجھتا ہو۔

فیض چپ چاپ باہر نکل گیا۔  
”بیٹھ جاؤ۔“ فیض غرایا اور عمران اس طرح بوکھلایا ہوا ہانپنے لگا جیسے سمجھ میں ہی نہ آرہا ہو کہ کس کرسی پر بیٹھے۔

”یہ کیا بیودگیاں پھیلار کھی ہیں تم نے۔“  
”یار کیا بتاؤں۔ جس لڑکی پر بھی ڈرتا ہوں گراموفون کی سوئی کی شکار ہو جاتی ہے۔“  
”کیا یہ بھی۔“ فیض اچھل پڑا۔  
عمران نے مغموم انداز میں سر کو جنبش دی۔

”لیکن۔ لیکن۔ تم نے مجھے جو سوئی دی تھی اس میں تو کوئی خاص بات نہیں نکلی تھی۔ معمولی قسم کی گراموفون کی سوئی، ہر قسم کی آلودگیوں سے مبرا۔“

”اب یہ بھی لے جاؤ۔“ عمران نے جیب سے سوئی نکال کر میز پر رکھ دی اور بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ ان کی نوکوں پر ایسا زہر لگایا جاتا ہے کہ جو خون میں فوراً ہی تحلیل ہو جاتا ہے اور سوئی پر اپنا داغ نہیں چھوڑتا۔“

”پھر۔۔؟“ فیض نے آنکھیں نکالیں۔  
”کہو تو اس سوئی کو زہر میں ڈبو لاؤں؟ عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔  
”بکواس مت کرو۔ یہ بتاؤ کہ ڈوہرنگ کی لڑکی سے کیوں جا کر ائے۔“

”کس کی لڑکی؟“ عمران نے خوفزدہ انداز میں پوچھا۔  
”کرئل ڈوہرنگ۔“

”ارے باپ رے۔“ عمران اچھل پڑا۔

”کیوں؟ کیوں؟“ فیض مسکرایا۔

”اے مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا جینگیزی نام رکھنے والے کسی باپ کی بیٹی ہے۔“

”کرئل ڈوہرنگ کو جاتے ہو؟“

”نہیں۔“

”ہوں۔“ فیض کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد نرم لہجے میں بولا۔ ”یار بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔ یہ چمکن بھائی کی خودکشی۔“

”نن۔۔۔۔۔ نہیں۔ ارے باپ رے۔“ عمران ہونٹوں پر زبان بھیر کر ہکھلایا۔ جولیا اس کے پیچھے کھڑی زور زور سے ہنس رہی تھی۔  
”اسے پکڑیے۔ اسے پکڑیے۔“ بوڑھے نے عمران کی طرف بایاں ہاتھ اٹھا کر ہجوم سے کہا۔ ”میں پولیس کو فون کرنے جا رہا ہوں۔“

عمران نے سوچا کہ پھر جھنجھٹ میں پھنس جائے گا۔ چونکہ معاملہ ایک سفار تھانے کے آفیسر کی لڑکی کا ہے۔ اس لئے تعجب نہیں کہ کیپٹن فیض ہی کو آنا پڑے۔ پولیس والے سفار تھانے کا نام سن کر یقینی طور پر فیض کے آفس کو مطلع کریں گے۔ فیض کی آمد الجھن سے خالی نہ ہوتی کیونکہ معاملہ تھا گراموفون کی ایک زہریلی سوئی کا۔ جس سے ایک بار پہلے سابقہ پڑچکا تھا۔ وہ تو اس وقت یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ لڑکی کو فوری طور پر ہسپتال پہنچایا جائے ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ مر ہی جائے۔

دفتر ٹھیک اسی وقت جب عمران ہسپتال کی سوچ رہا تھا کہ مجمع سے کسی نے بوڑھے سے کہا۔  
”پہلے ہسپتال پہنچانے کی کوشش کیجئے۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔“

”جی۔ اور کیا۔۔۔۔۔ بالکل بالکل۔۔۔۔۔“ عمران نے سر ہلا کر تائید کی۔ ”کیا میں کہیں بھاگا جاتا ہوں۔ بعد کو پولیس بھی آتی رہے گی۔“

”اور کیا۔ اور کیا۔“ کئی لوگ بیک وقت بول پڑے۔  
”نہیں نہیں۔ یہ جل دے کر نکل جائے گا۔“ جولیا نے اپنی ہنسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔ اچھا۔!“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”اگر مرغیاں پار نہ کر دیں تمہاری تو کچھ نہ کیا۔“  
اتنے میں فیض بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ پھر شروع ہوئی بھاگ دوڑ۔ کوئی پولیس کے لئے دوڑا

اور کوئی تندرست قسم کی لڑکیوں کی خوشامد کرنے لگا کہ وہ بیہوش لڑکی کو گاڑی تک پہنچادیں۔  
پھر کچھ دیر بعد عمران نے جولیا کو اشارہ کیا کہ اب وہ وہاں نہ ٹھہرے۔۔۔۔۔ بات سننے والے کی

سمجھ میں آگئی تھی۔ اس لئے پولیس کے آنے سے پہلے ہی روفو چکر ہو گئی۔  
عمران کے اندیشے غلط نہیں تھے۔ قریبی تھانے کے لوگ اور کیپٹن فیض ساتھ ہی وہاں

پہنچے۔  
”یہی ہے۔“ کسی نے مجمع سے عمران کی طرف اشارہ کیا۔ بوڑھا تو کسی کو قائم مقام بٹھا کر

بیہوش لڑکی کے ساتھ جا چکا تھا۔  
فیض نے اسے پھاڑ کھانے والے انداز میں دیکھا اور اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا

”یہ چھکن بھائی اس وقت کہاں سے آکودے۔ لے چلو مجھے اور بند کر دو۔۔۔ کیونکہ میرے ساتھ بیہوش ہو جانے والی یہ دوسری لڑکی ہے۔“

”کچھ دیر خاموش بھی رہا کرو۔“

”لسی منگواؤں؟“ عمران نے بڑے پیار سے پوچھا۔

”مذاق چھوڑو۔ کام کی بات کرو۔“

”مگر پیارے جانتے ہو۔ اس لڑکی کے ساتھ کون تھا۔“

”کون تھا؟“

”سر سلطان کا نیا ایشینو۔“

”میا؟“ فیاض اچھل پڑا۔

”جی ہاں۔ مگر میرے لئے یہ نئی دریافت ہے۔ پتہ نہیں سر سلطان نے پڑی کیوں بدل دی۔“

”کیا مطلب؟“

”عموماً طرحدار قسم کی لڑکیاں رکھا کرتے تھے۔ اب یہ بڑھا کھوسٹ۔“

فیاض صرف مسکرا کر رہ گیا۔

”ہاں تم کیا کہہ رہے تھے“

”ڈوہرنگ کے خلاف شبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے ملک کے لئے جاسوسی کرتا ہے۔“

”ہوں تو پھر۔“

”بکو اس نہ کرو۔ کیا تم جانتے نہیں۔ اگر نہیں جانتے تو چھکن بھائی کے سلسلے میں اتنا غلط

کیوں چلایا تھا۔“

”اچھا چلو۔ جانتا ہوں پھر۔!“

”مجھے یقین ہے کہ چھکن بھائی اس لڑکی کے توسط سے کرمل ڈوہرنگ تک پہنچے تھے اور اس

نے انہیں اپنے چکر میں پھنسا لیا تھا۔“

”ہوں تو پھر۔“

”لیکن اب یہ گراموفون کی سونیاں۔“

”اور اس تالائق بلے کو تم بھول گئے۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ڈاکٹر دعاگو کو بھی مجھے فراڈ معلوم ہوتا ہے۔“

”کیوں؟“ عمران نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس کی دعا گوئی۔ اور لوگوں کی کامیابیاں۔ چھکن بھائی کی خود کشی، گراموفون کی دوسونیاں۔ ایک اس کی سیکرٹری کے بازو میں اتر گئی اور دوسری کلارا کے بازو میں۔ ڈاکٹر دعاگو کو کسی بلے نے زخمی کر دیا۔ تینوں پر ہی بیہوشی کا حملہ ہوا۔“

”ہوں۔۔۔ تو شاید تم یہ سوچ رہے ہو کہ ڈوہرنگ کے علاوہ بھی کوئی آدمی ہے جو ان کے مشاغل میں خارج ہونا چاہتا ہے۔“

”پھر کیا سوچوں اس کے علاوہ۔“ فیاض نے کہا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ”یہ بتاؤ۔ سول ہسپتال میں کیا ہوا تھا؟“

”تم بتاؤ۔ تم نے ہی شاید فائر کرنے والے کو دیکھا تھا اور اس کے پیچھے دوڑے بھی تھے۔ مجھے تو کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔“

”نکل ہی گیا۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ وہ تمہارا ہی کوئی آدمی تھا جسے موقع دینے کے لئے تم نے مجھے گرایا تھا۔“

”میں نے گرایا تھا۔“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ”یار خدا سے ڈرو۔ میں تو تم سے اس طرح بھاگنے کی وجہ پوچھ رہا تھا۔“

”خیر مارو گولی۔ وہاں گھاس پر اعشاریہ چار پانچ کاربو الور ملا تھا اور خون کے دھبے تھے گھاس پر۔۔۔ ریو الور کے دستے پر نشانات نہیں ملے۔!“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”خون اور ریو الور کا مطلب تو یہ ہوا کہ کوئی کسی کی تاک میں تھا۔ اس نے اس پر ریو الور نکالا لیکن کوئی اس کی تاک میں تھا جس نے ہاتھ پر فائر کر کے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔“

”اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے لیکن آخر اس نے کس کے لئے ریو الور نکالا ہوگا؟“

”خدا جانے!“ عمران نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

فیاض جو اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا مسکرا کر بولا۔ ”نہیں چلے گی۔“

کیا مطلب؟“

”تم اس واقعہ کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ جانتے ہو!“

”ریو الور والے کے متعلق۔“ عمران نے پوچھا اور فیاض نے سر ہلا دیا۔

”میں بھلا کیا جانوں گا اس کے متعلق۔“

”جاننے کی کوشش بھی نہیں کی؟“

”کیا فائدہ۔ ہم دونوں بیحد بے شرم اور بے حیا واقع ہوئے ہیں۔ چار پانچ کاربو الور ہمارا کیا



بگاڑ سکے گا۔“

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہمارے لئے تھا۔“ فیاض نے پوچھا۔

”نہ رہا تو تب بھی کیا فرق پڑتا ہے“ عمران نے لا پرواہی سے کہا۔

فیاض کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نظر آئے لیکن وہ خود کو سنبھالے رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ عمران نے محسوس کیا مگر کچھ بولا نہیں۔

”ہوں تو اب کیا ارادہ ہے۔“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

”میں سر سلطان کے اسٹیو کے متعلق سوچ رہا ہوں۔“ فیاض چونک کر بولا۔

”اپنی زوجہ مادر نما کے متعلق سوچو! اس بیچارے کے متعلق سوچ کر کیا کرو گے۔“

فیاض جھنجھلا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سر سلطان کا اسٹیو آندھی اور طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔

”یہی ہے۔ یہی ہے۔“ وہ جھلائے ہوئے انداز میں چیخا۔

”کیا بات ہے۔ آپ اس طرح کیوں گھس آئے۔“ فیاض غرایا۔

وہ فیاض کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ پھر شور مچانے کے سے انداز میں بولا۔ ”کلارا خطرے میں ہے۔“

”کس کی بات کر رہے ہیں۔“

”وہ اس آدمی کے ساتھ ناچ رہی تھی۔“

”اور اب انہیں نچاتی پھر رہی ہے اس بڑھاپے میں۔“ عمران نے سر ہلا کر سنجیدگی سے کہا۔

”شٹ اپ۔“ بوڑھا حلق کے بل چیخا۔

”آپ مجھے نہیں جانتے!“ بوڑھے نے کسی قدر نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”لیکن میں

آپ کو پہچانتا ہوں۔ میں سر سلطان کا اسٹیو ہوں۔“

”تو پھر؟“ فیاض نے مرعوب ہوئے بغیر کہا۔ شاید یہ چیز بوڑھے کے لئے غیر متوقع تھا۔

اس لئے بغلیں جھانکنے لگا۔

”آپ یہاں کس لئے آئے ہیں۔“ اس نے سنبھالا لے کر کہا لیکن تیور برے ہی تھے۔

”آپ کہاں کی ہانک رہے ہیں حضرت! آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے اور آپ کا اس

معاملے سے کیا تعلق؟“

”وہ لڑکی میرے ساتھ تھی۔“

”اچھا تو آپ ہی اس کی بیہوشی کی وجہ بتائیے اور یہ بھی بتائیے کہ وہ خطرے میں کیوں

ہے۔“

”مہم میں کیا بتاؤں۔“ اس نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا ”یہی بتائے گا۔“

”مسور کی دال حلق تک ٹھونس لی ہوگی۔“ عمران نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ فیاض کو یہاں نہ ہنی آگئی۔

”آپ..... آپ حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اس نالائق کی۔“

”میں ہی نہیں۔ سر سلطان بھی کرتے ہیں خود ہی پوچھ لیجئے گا ان سے۔“

”آپ میرا مضحکہ اڑا رہے ہیں۔!“ وہ میز پر گھونسا مار کر دہاڑا۔

”اف فوہ۔۔۔ یار میز نہ توڑ ڈالنا۔ خود ہی جوانوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتے پھرتے ہیں اور خود ہی ہاتھ بھی دکھاتے ہیں۔ اللہ کی قدرت!“ عمران نے کہا۔

”میں تمہارا حلیہ بگاڑ دوں گا۔“ وہ عمران کے چہرے کے قریب گھونسا ہلا کر بولا۔

”پہلے ہی کون سا بڑا اچھا تھا۔“ عمران نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”میں دیکھ لوں گا۔ تم سبھوں کو دیکھ لوں گا۔“ وہ فیاض کی طرف دیکھ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں

اب ڈی آئی جی کو فون کروں گا۔“

”بیٹھ جائیے۔“ فیاض نے میز پر ہاتھ مار کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

”کیا مطلب؟“ بوڑھا بھی غرایا۔

”میں اس سلسلے میں آپ کا تحریری بیان چاہتا ہوں۔“

”میں نے کب انکار کیا ہے۔“ وہ پھر چلایا اور عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”لیکن یہ۔!“

”یہ میرے جھکے کے ڈائرکٹر جنرل کے صاحبزادے ہیں۔“ فیاض نے کہا ”سر سلطان سے

جی ان کی گاڑھی چھنتی ہے۔“

”تت۔ تو..... یہ..... وہ..... عمران.....!“ بوڑھا آنکھیں پھاڑ کر ہکھلانے لگا۔

”جی ہاں۔“

بوڑھا دھم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

عمران جس پوزیشن میں پہلے بیٹھا ہوا تھا اسی میں رہا۔ البتہ اب چہرے پر حماقتوں کے ڈنگرے برسے لگے تھے۔

”یہ حضرت ناچ رہے تھے اس کے ساتھ۔“ بوڑھے نے کچھ دیر بعد ہانپتے ہوئے کہا

”مجھے علم ہو چکا ہے اور بیہوشی کی وجہ انہیں بھی نہیں معلوم۔“ فیاض نے کہا۔

”بتہ نہیں کیا ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

فیاض نے اس کا بیان لکھ کر اس کے دستخط لئے اور اسے بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کیا۔ پھر عمران سے بولا۔ ”یار سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ لڑکی کیا کرتی پھر رہی ہے۔“  
 ”فی الحال تو کوئی آدمیوں کو بیک وقت بور کرنے کا مشغلہ اختیار کر لیا ہے۔“

”کیا مطلب۔“

”اب یہی دیکھو کہ یہ حضرت نہ صرف خود بور ہو رہے ہیں بلکہ دوسروں پر بھی کرم فرما رہے ہیں۔“

”میں کہتا ہوں..... یہ لڑکی۔ ادھر چھکن بھائی پر بھی نظر عنایت ہوئی تھی اس کی!“

”سنو ڈارلنگ فیاض۔ سراغ رسانی کے لئے کوئی مولوی صاحب پیچھے نہیں لگائے جاتے۔ یہ طرحدار لڑکیاں ہی اس قسم کے فرائض انجام دیتی ہیں۔“  
 ”ٹھیک ہے۔“ فیاض خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازہ پھر بڑے زور و شور کے ساتھ کھلا اور بلڈاگ ٹاپ کا ایک سفید فام غیر ملکی اندر گھس آیا۔ عمر پچاس کے قریب رہی ہوگی چہرہ بھاری اور بارعب تھا ہاتھ بتارہے تھے کہ جفاکشی کا عادی ہے۔

”ہلو کیپٹن!“ اس نے فیاض کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ”تم تھے یہاں۔! کلارا کو کیا ہوا! کسی نے یہاں سے مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ رقص کے دوران میں بیہوش ہو گئی ہے۔“

”اور اب اس کی زندگی خطرے میں ہے۔“ کسی نے دروازے کے قریب سے کہا وہ چونک کر مڑے۔ سر سلطان کا اشیو وہاں کھڑا عمران کو گھورے جا رہا تھا۔

”یہی ناچ رہا تھا اس کے ساتھ!“ اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”یہی بتائے گا۔ ہاں اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ میں اسے سول ہسپتال میں داخل کر آیا ہوں۔“

”نوادار غیر ملکی غرا کر عمران پر جھپٹا اور اس کے کوٹ کے کالر کو پکڑ کر جھونکا دیا ہوا بولا  
 ”بتاؤ۔“

”بتاتا ہوں۔“ عمران بھی اٹھتا ہوا بولا۔ آہستہ سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ جس سے کوٹ کا کالر پکڑ رکھا تھا اور اچانک اس کے جڑے پر ایک زوردار گونسا رسید کر دیا۔ اٹھنے کا انداز ایسا نہیں تھا کہ غیر ملکی کو اس کا خدشہ ہوتا۔ بے خبری میں ہاتھ پڑا تو عمران کا کالر بھی چھوڑ دیا اور لڑکھڑاتا ہوا دروازے سے جا نکلایا۔



پھر وہ سنہلنے بھی نہ پایا تھا کہ فیاض درمیان میں آگیا۔

”ہٹ جاؤ۔ کیپٹن۔ تم ہٹ جاؤ۔“ وہ اسے سامنے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

عمران اب پھر اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گیا تھا! صورت سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی کثیر العیال بیوہ اپنے کسی بچے کی پٹائی کر کے بیٹھی ہو۔

فیاض اس غیر ملکی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش بھی کرتا رہا اور دونوں کے درمیان حائل بھی رہا۔

”یہ ہے کون۔؟“ اس نے گرج کر فیاض سے پوچھا۔

”میرا ایک دوست!“ فیاض جلدی سے بولا۔ ”کلارا سے آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ نہیں جانتا کہ وہ کیسے بیہوش ہوئی۔ ارے آپ میرے ٹکے کے ڈائرکٹر جنرل رحمان کو نہیں جانتے۔“

”جانتا ہوں۔؟“ اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”یہ انہیں کا لڑکا ہے۔“

”مسٹر رحمان کا؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں کرئل۔!“

”اوہ۔۔۔ مجھے انوس ہے۔ ہٹو سامنے سے۔“

فیاض ان کے درمیان سے ہٹ گیا۔

”لڑکے مجھے سے ملو۔ میں کرئل ڈوہرنگ ہوں۔ کلارا کا پاپا۔“ اس نے گرمجوشی سے عمران کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”ارے باپ رے!“ عمران اردو میں کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ پھر انگریزی میں بولا ”مم..... معافی چاہتا ہوں۔ ڈیر پاپا۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔“

اب وہ دونوں ہاتھوں سے منہ پیٹ رہا تھا۔ پھر شاید کان پکڑ کر اٹھنے بیٹھنے کا ارادہ ظاہر کر رہا تھا کہ فیاض اسے کرسی کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔ ”بیٹھو بیٹھو۔ کرئل اسپورٹ مین ہیں۔“

بوزھا نقشہ بدلتا دیکھ کر مایوس سا نظر آنے لگا۔ فیاض نے اس کی طرف ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”آپ کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔“ اور کرئل ڈوہرنگ سے بولا ”بیٹھئے کرئل“

کرئل جو تحسین آمیز نظروں سے عمران کا جائزہ لے رہا تھا کچھ دیر بعد اس کا کاندھا تھپتھا کر

بولاً۔ ”تم بہت اچھے رہے۔ ارے وہ ہاتھ تو کسی پیشہ ور مکا باز کا معلوم ہوا تھا مجھے..... کس سے سیکھا۔“

”سب اللہ سکھا دیتا ہے۔“ عمران شرما کر بولا۔

کرٹل ہنسنے لگا پھر اس نے فیاض سے مخاطب ہو کر کلار کی بات چھیڑ دی اور فیاض جلدی سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ تو سول ہسپتال ہی جائیں۔“

”او..... ہاں..... ہاں..... اچھا!“ ڈوہرنگ اٹھتا ہوا بولا۔ ”لڑکے کبھی ہمارے گھر بھی آؤ۔ بڑی خوشی ہوگی۔“

”ضرور..... ضرور.....“ عمران سر ہلا کر بولا۔

ڈوہرنگ دونوں سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد فیاض کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سر سلطان کا اشیو پھر گھس آیا اور فیاض کو گھونسا دکھا کر بولا۔ ”میں تمہیں دیکھ لوں گا۔ تم نے میری بڑی توہین کی ہے۔“

”اے یہ بڑھا تو جان کو آگیا ہے۔“ عمران نے فیاض سے کہا۔

فیاض کے کچھ کہنے سے قبل ہی بوڑھا وہاں سے چلا گیا۔

”میں خود سوچ رہا ہوں کہ آخر یہ بڑے میاں کس مٹی سے بنے ہیں۔“

”چکنی مٹی سے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی۔ اس کے بعد فیاض نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”تم بیہودہ ہو۔“ بیٹھے بیٹھے اس طرح ہاتھ چھوڑ دینے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ کسی ارے بھیننے کی طرح اذیل قسم کا لڑاکا ہے۔“

”تم خواہ مخواہ دخل دے بیٹھے تھے۔ محبوباؤں کے اباؤں کی پٹائی کرنا میری ہوئی ہے۔“

”کواس مت کرو۔“ دخل نہ دیتا تو معلوم ہوتی قدر وعافیت۔“

عمران نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

پھر انہوں نے گراموفون کی سوئیوں کا تذکرہ چھیڑ دیا۔

”وہ تیسرا کون ہو سکتا ہے۔“ فیاض کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اتنے میں دروازہ پھر زور سے کھلا اور جولیا نافروزاٹر غصے میں بھری ہوئی

اندر داخل ہوئی۔ عمران کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

”لاؤ نکالو میرا پرس!“ وہ فیاض کو نظر انداز کر کے غرائی۔

”مم..... ہپ۔“ عمران بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”نکالو۔“ وہ ہاتھ بڑھا کر غرائی۔

”آپ کی تعریف!“ فیاض مسکرایا

”میری تیسری خالا ہیں۔“ عمران نے اردو میں کہا لیکن اتنی اردو تو جولیا سمجھ ہی لیتی تھی۔

دانت پیستی ہوئی بولی۔ ”بہت بری طرح پیش آؤں گی۔“

”ب بات کیا ہے۔“

”تم نے میرے دینی بیگ سے پرس نکال لیا ہے۔“

فیاض ہنس پڑا۔

”تم جیب کترے ہو۔“ جولیا بڑے غصے میں تھی۔

”اور کچھ۔؟“

”لاؤ۔ میں کہتی ہوں چپ چاپ میرا پرس واپس کر دو۔“

”تمہیں وہم ہوا ہے آئی۔“

جولیا نے آگے بڑھ کر میز سے رول اٹھا لیا۔

”یہ معاملہ ذرا ایڑھا ہے۔“ عمران متفکرانہ انداز میں بڑبڑایا۔ ”محبوبہ کے ابا جان سے تو بعد

میں معافی مانگ لی تھی۔ بتاؤ کیسٹن اب کیا کروں۔“

”بات کیا ہے۔“ فیاض نے پوچھا۔

”اس سور نے میرے دینی بیگ سے میرا پرس اڑا لیا تھا۔ تین سو بارہ روپے تھے اس میں۔“

”یہ تو بہت بری بات ہے۔“ فیاض نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔ پھر جولیا سے بولا ”آپ بڑی

بے تکلفی سے یہ رول استعمال کر سکتی ہیں! کیسے تو میں باہر چلا جاؤں۔“

”نہیں آپ بھی تشریف رکھئے!“ جولیا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر جولیا بولی۔ ”سچ کہتی ہوں سر پھاڑ دوں گی۔“

”آپ خواہ مخواہ اپنے الفاظ ضائع کر رہی ہیں..... محترمہ۔“ فیاض ہنس کر بولا ”جو کچھ کرنا

ہے کر گزریئے۔“

جولیا اسے بھی غصیلی نظروں سے گھورنے لگی۔ پھر وہ بھی بیٹھ گئی۔

عمران کے انداز سے بے تکلفی ظاہر ہو رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جولیا اس سے فلم

دکھانے کی فرمائش کرتی رہی ہو۔

کانی دیر وہ خاموش بیٹھے رہے پھر عمران بولا۔ ”اب ناپنے کی کیا رہی۔“

”ہر گز نہیں۔“

”ملتی تو پہلے بھی نہیں تھی۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”ویسے اس کے خطوط بڑے آرٹسٹک ہوتے تھے۔ اپنے ماحول سے آگاہی ہوئی ایک معصوم لڑکی تھی۔ بڑی اچھی تصویر بناتی تھی۔ کبھی کبھی اپنے ایکسچر مجھے بھی بھیجتی تھی۔“

”پھر شروع کر دونا سلسلہ۔“

”ہمت نہیں پڑتی۔ ایک بار موڈ کی خرابی کی بناء پر کچھ اوٹ پٹانگ باتیں لکھ دی تھیں۔ اس لئے خط لکھتے چھوڑ دیئے۔“ عمران نے کہا اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

”ارے کیوں وقت برباد کر رہے ہو میرا۔“ فیاض جھپینی ہوئی ہنسی کے ساتھ بولا۔

”تم اور ان معاملات میں سنجیدگی میرے یار۔“

”مگر یہ کون تھی۔“

”کہہ تو دیا آئی نا مین ٹین سکسٹی تھی۔!“

”میں نے اسے کہاں دیکھا تھا۔“ فیاض چھت کی طرف منہ اٹھا کر یادداشت پر زور دینے لگا۔

”نہیں یاد آئے گا۔ وقت برباد نہ کرو۔“

”اوہ۔ تمہارا بیان۔“ فیاض چونک کر بولا۔

”ختم کرو۔ میں جا رہا ہوں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”سر سلطان کے اسٹینو ہی کا بیان کافی ہے۔

خانہ پری کے لئے میرا نام بھی تو آگیا ہے اس میں۔“

فیاض نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ لیکن آواز نکلنے سے پہلے ہی عمران باہر جا چکا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ نیم روشن برآمدے میں پہنچا تو کسی نے پیچھے سے گردن دبوچ لی۔ تیز قسم کے ناخن گوشت میں دھستے ہوئے محسوس کئے اور کسی جانی پہچانی سی خوشبو کا بھپکا قوت شامہ سے لگرایا۔

”ہوں۔“ وہ غرایا۔ ”چھوڑو۔ گردن۔“

”نہیں چھوڑوں گی۔“ جولیا کی آواز کانوں میں گونجی۔ لہجہ کسی ضدی بچے کا سا تھا۔ عمران نے ہاتھ گھما کر کلائی پکڑ لی۔ جولیا کے ہونٹوں سے ایک سسکاری سی نکلی اور گردن پر گرفت بھٹی ڈھیلی پڑ گئی۔ عمران تیزی سے مڑا۔

”کیوں میری جان کو آگئی ہو۔“ وہ رو دینے کے سے انداز میں بولا۔

”میرے رو پے۔“

”فنفنی فنفنی پر راضی ہو گئی تھیں تم۔“

”کیا قصہ ہے بھئی۔ فیاض ریشہ خطمی ہوا جا رہا تھا اور عمران سوچ رہا تھا کہ فیاض جولیا سے پہلے بھی کبھی مل چکا ہے یا نہیں۔ اسے تاؤ آرہا تھا جولیا کو آخر فیاض کی موجودگی ہی میں چڑھ دوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔

”قصہ بے تصویر ہے۔ اس لئے تمہیں کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہئے۔“ عمران نے خشک لہجے میں کہا۔

”میں کہتی ہوں.....“

”ٹھہرو۔ ٹھہرو۔“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے..... مگر اسی صورت میں جب کھانے کا بل فنفنی فنفنی ہو جائے۔“

”ذلیل ہو تم۔“ جولیا روہانسی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔ ”چلو یہی سہی۔“

عمران نے جیب سے پرس نکالا اور اس میں سے دس دس کے کئی نوٹ کھینچ کر جیب میں ڈال لیے۔ پرس جولیا کی طرف پھینکا اور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مانا۔“

جولیا انگریزی میں اسے گالیاں دیتی ہوئی اٹھ گئی۔

جب وہ چلی گئی تو فیاض نے عمران سے کہا۔ ”کون تھی“ میرا خیال ہے کہ میں پہلے بھی اسے کہیں دیکھ چکا ہوں۔“

”یاد کرنے کی کوشش کرتے رہو کہ کہاں دیکھا تھا۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

”میٹھو بیٹے۔ اتنی جلدی کہاں پیچھا چھوٹا ہے۔ تمہارا تحریری بیان تو ابھی ہوا ہی نہیں۔“

”مجھ سے لکھواؤ گے؟“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”ہاں تم ہی لکھو گے!“

عمران دھم سے کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر مغمو لہجے میں بولا۔

”میں نے آج تک آرٹسٹ قسم کی لڑکیوں کو خط لکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا۔“

”تم بھی لکھ لیتے ہو لڑکیوں کو خط۔“

”کبھی لکھا کرتا تھا۔ ایک آرٹسٹ لڑکی کو۔ اس لئے نہیں کہ وہ خوبصورت تھی۔ محض اس لئے کہ وہ آرٹسٹ تھی..... ورنہ یہ کم بختیاں تو صرف شوہروں کی چھاتیوں پر مونگ دلنے کے لئے پیدا ہوتی ہیں۔ آرٹ وارث سے انہیں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔“

”پھر کیا ہوا۔ اب نہیں لکھتے۔“

”میری کسی فلسفیانہ بات پر خفا ہو گئی۔..... عمران ہی ٹھہرا۔“

”تو وہ اب تم سے نہیں ملتی۔“

مٹیاں بنانا چھوڑ دیں۔“

”اچھا منگواؤ۔“ وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

”میں ابھی آیا۔“ عمران نے کہا اور جھپٹ کر باہر نکل آیا۔ ویٹر سے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کیں اور پھر واپس مڑ گیا۔ کیفے نبراسکا بھی ان مخصوص جگہوں میں سا تھا جہاں عمران کی دال خاصی گنتی تھی۔ دو تین ویٹر مستقل طور پر سیکرٹ سروس کے لئے کام کرتے تھے۔ اس کا علم عمران کے دوسرے ماتحتوں کو نہیں تھا۔

وہ پھر کیمین میں واپس آ گیا۔ جولیا نے باہر جانے کی وجہ پوچھی اور وہ ہٹکائے بغیر بولا۔  
”ادھار چلتا ہے یہاں پر۔“  
کچھ دیر بعد ویٹر ایک ٹرے میں دو پلیٹ رس ملائی لایا۔ عمران نے ایک پلیٹ جولیا کی طرف بڑھائی۔

”یہ کیا ہے۔“ وہ جھک کر اسے دیکھتی ہوئی بولی۔

”رس ملائی۔“ عمران نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

جولیا نے تھوڑی سی چکھی۔ شاید لذت محسوس کرتی رہی پھر ذرا بڑا ٹکڑا کاٹا اور منہ میں رکھتی ہوئی بولی۔ واقعی خوش ذائقہ ہے۔“

”اور کھاؤ۔ مزہ آجائے گا۔“ عمران بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔

جولیا مزے لے لے کر کھاتی رہی اور تعریف کرتی رہی۔

”دیے مجھے حیرت ضرور ہے۔“ عمران بولا۔ ”اتنا کھا چکنے کے بعد یہ رس ملائی حلق سے کیسے اتر رہی ہے۔“

”ارے یہ کوئی غذا تھوڑی ہی ہے۔“ جولیا نے بڑے خلوص سے کہا۔ ”ہلکی پھلکی چیز..... میں تو ابھی ایک پلیٹ اور کھا سکتی ہوں۔“

”منگواؤں۔“

”ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔!“

عمران کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک تھی۔ جولیا نے چمچ خالی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے کہا ”خیر..... پھر سہی اب اس وقت کون کھائے۔“

”اچھا..... یہ بتاؤ..... تم نے مجھے معاف کر دیا۔ یا نہیں۔“

”بالکل..... بالکل!“ جولیا ہنس پڑی۔ لیکن اس کی پلکیں جھکی پڑ رہی تھیں۔

”اوہو۔“ وہ جہائی لیتے وقت منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”کس غضب کی نیند آ رہی ہے ارے

”پرانی بات ہوئی ارادہ بدل دیا ہے۔“

”مگر یہ ناخن تو اب کٹوا ہی دو۔ ویسے جین اور بلاؤز میں بڑی اچھی لگتی ہو۔ پیچھے سے دیکھو تو

ایسا لگتا ہے جیسے ہلال پلک رہے ہوں۔“

”بکواس بند کرو روپے واپس کرو۔“

”اب تمہیں کیفے نبراسکا میں مرغی کے ہمبرگر کھلاؤں گا۔۔۔ کہ بیف ہاٹ ڈاگس چلیں گے۔

ویسے اردو میں گرمائے ہوئے کتے بے حد خطرناک ہوتے ہیں۔“

”میں کہتی ہوں نکالو روپے!“

”یار تم تو افغان سود خور پٹھانوں سے بھی زیادہ ہنگامی معلوم ہوتی ہو۔ ایک شرط کے

ساتھ۔“

”بکواس جلدی سے۔“

”کیفے نبراسکا۔“

”اب کیا کرو گے۔“

”اپنی حماقتوں کی تلافی۔“

”چلو۔“ وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

کیفے نبراسکا زیادہ دور نہیں تھا۔ دونوں عمران اب بھی آس پاس ہی موجود تھے۔ کیفے میں پہنچ کر عمران نے فیملی کیمینس کا رخ کیا۔

”نہیں۔ ہال میں ہی بیٹھیں گے۔“ جولیا نے کہا

”وہاں کھا تھوڑا ہی جاؤں گا تمہیں۔ اتنی ڈر پوک کب سے ہو گئیں۔“

”چلو۔“ وہ دانت پیس کر بولی۔

”کیمین میں پہنچ کر اس نے ایک کرسی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔“ اب کیا ہے۔“

”تھوڑی سی رس ملائی بھی کھاؤ۔“ عمران ٹھٹھکیا۔

”میں نہیں کھاؤں گی۔!“

”ہاتھ جوڑتا ہوں۔“ عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا پھر جب میں ہاتھ ڈال کر اس کے

روپے نکالتا ہوا بولا۔ ”یہ لو۔ گن لینا اچھی طرح۔۔۔ میں کوئی سچ مچ تھوڑا ہی..... بس اکثر جی چاہتا

ہے کہ شہر بھر کی خالا جانوں کو چھیڑتا پھروں۔!“

”بکواس بند کرو۔ ورنہ تھپڑ مار دوں گی۔“

”رس ملائی کھانے کے بعد..... خالص دیسی ڈش..... سوئزر لینڈ میں بننے لگے تو لوگ

.....ارے..... یہ کیا۔ میرا سر چکر رہا ہے..... میرا سر۔ تو..... یہ۔۔۔۔۔ یہ کیا۔۔۔۔۔  
اس نے اٹھنا چاہا..... لیکن نہ اٹھ سکی۔ گردن کرسی کی پشت پر ڈھلک گئی تھی۔ آنکھیں بند  
تھیں اور وہ گہری گہری سانس لے رہی تھی۔

عمران نے میز کے پائے سے لگے ہوئے پش سوچ پر انگلی رکھ دی۔ کہیں سے بزر کی مدہم  
سی آواز آئی اور دوسرے ہی لمحے میں وہی ویٹر داخل ہوا۔

”لاؤ۔“ عمران نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

ویٹر نے جیب سے ایک نیل کٹر نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”اب جاؤ۔ جب میں یہاں سے چلا جاؤں تو اسے اس کے گھر پہنچا دینا۔ گھر جانتے ہونا۔“

”جی ہاں۔“ ویٹر نے بڑے ادب سے کہا اور باہر نکل گیا۔

عمران نے جولیا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے پلے پلائے لمبے ناخنوں پر نظر  
ڈالی اور سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑ کر مرمت شروع کر دی۔

جلد ہی وہ دونوں ہاتھوں کے ناخن تراش دینے میں کامیاب ہو گیا۔ جولیا نے اس دوران  
خفیف سی بھی حرکت نہیں کی تھی۔

ناخن تراش کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈالے کھڑا چند لمے ادھر ادھر دیکھتا  
رہا۔ پھر کیمین سے نکل کر پردہ برابر کر دیا۔

اب وہ بڑے اطمینان سے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

فٹ پاتھ پر بھیڑ کم ہو گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ ایک جانب چلنے لگا۔ اسے معلوم تھا کہ اس  
کے دونوں ماتحت اس وقت بھی خاصی چوکسی کے ساتھ اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔ دفعتاً کسی  
نے اس کے شانے پر زور سے ہاتھ مارا۔ عمران جھنجھلا کر پلٹا۔ اس بار اس کے کوٹ کا کالر سر  
سلطان کے بوڑھے اشیو کی گرفت میں تھا۔ عمران کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ  
پھیل گئی!



وہ عمران کا کالر تھامے اور سختی سے ہونٹ بھیجنے اسے کڑے تیوروں سے گھورتا رہا۔ عمران کی  
مسکراہٹ اور وسیع ہو گئی۔

”اب کیا ہے انکل ڈیر۔“ اس نے پوچھا۔ ”کب پیچھا چھوٹے گا تم سے۔“

”خیریت چاہتے ہو تو۔۔۔ میرے ساتھ ٹپ ٹاپ میں واپس چلو۔“

”چلو۔۔۔“ عمران نے لا پرواہی سے شانے سکڑے اور ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

بوڑھے نے کالر چھوڑ دیا تھا اور اب خاموشی سے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ عمران نے کئی  
بار آنکھوں سے اسے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ویسے اس کی آنکھوں میں کئی سوال چل رہے  
تھے۔

وہ پھر ٹپ ٹاپ ٹپٹ کلب کی عمارت میں داخل ہوئے اور بال روم کی طرف بڑھتے گئے۔  
یہاں اب بھی رقص ہو رہا تھا۔

”اب دکھاؤ۔“ بوڑھے نے رقصوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اب کسی کے ساتھ ناچ کر  
دکھاؤ۔“

”آپ بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں۔ انکل..... آئیے گیلری میں بیٹھ کر اطمینان سے  
باتیں کریں۔“

”تم سے بچنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ کے بچے سے بھی سمجھ لوں گا۔ جس نے کرٹل کے سامنے  
میری توہین کی تھی۔“

”آپ آئیے تو سہی۔“ عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر گیلری کی طرف کھینچتا ہوا بولا۔ بوڑھا اس  
طرح چل رہا تھا جیسے زبردستی لے جایا جا رہا ہو۔

ایک خالی میز پر وہ بیٹھ گیا۔ حالانکہ اس پر پڑے ہوئے کارڈ پر ”ریزروڈ“ لکھا ہوا تھا۔

بوڑھے نے اس پر نظر ڈالی اور اٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا اب جوتے بھی کھلاؤ گے۔“

”بیٹھے۔ بیٹھے۔ اس وقت کوئی میز خالی نہ ملے گی۔ جب کوئی آئے گا اٹھ جائیں گے۔“

”اگر کوئی ویٹر اعتراض کر بیٹھا تو۔۔۔“

”سب پہچانتے ہیں مجھے۔۔۔ بیٹھے اور بتائیے خفگی کی وجہ۔“

”ٹپ۔۔۔ نہ فون پر ابھی صاحب سے گفتگو کی تھی۔ وہ تمہیں جانتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے  
کہ اگر کسی دشواری میں پھنس گیا ہوں تو تم سے ضرور مدد لوں۔“

”بالکل ٹھیک کہا انہوں نے اب فرمائیے۔“

”لڑکی کیسے بیہوش ہوئی تھی۔“

”میرا خیال ہے کہ اس پر بیہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔“ عمران نے کہا۔

بوڑھا کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”دیکھو! میں بڑی الجھن میں ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہو  
رہا ہے جیسے میرا تعاقب کیا جا رہا ہے۔“

”کب سے یہ کیفیت ہوئی ہے“

”کیا بتاؤں۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر میز پر کہنیاں ٹکاتا ہوا بولا۔ ”جب سے ار لڑکی سے ملاقات ہوئی ہے۔“

”ملاقات کب ہوئی تھی۔“

”ذیڑھ ماہ پہلے کی بات ہے! خود ہی مل بیٹھی تھی۔! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میری عمر دیکھ ہی رہے ہو۔ تم خود ہی مضحکہ اڑا رہے تھے۔ لیکن خواہش تو اس عمر میں بھی فنا نہیں ہوتی۔ اگر کوئی لڑکی خود بخود تمہاری طرف کھینچ آئے تو کیا کرو گے۔“ وہ جھینپے ہوئے انداز میں ہنسا۔ پھر خاموش ہو کر کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد بولا ”اے وہ فرشتے ہی تو تھے۔ ہاروت ماروت جو یونان کی زہرہ کے چکر میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ ایک دن اللہ میاں سے ان فرشتوں نے کہا آخر یہ آدمی کیسی مخلوق ہے..... کتنی گندگی پھیلا رکھی ہے اس نے زمین پر۔۔۔ ایک ہم فرشتے ہیں! درگاہ خداوندی سے ارشاد ہوا۔ اگر تمہیں وہ چیز عطا کر دی جائے۔ جو آدمی کو دی گئی ہے تو تم بھی ویسے ہی جاؤ گے۔ فرشتوں نے کہا تو ہو جائے امتحان۔ لہذا وہ چیز فرشتوں کو عطا کر دی گئی اور وہ زمین پر آئے۔ یونان کی زہرہ پر نظر پڑی۔ دیوانے ہو گئے۔ ڈورے ڈالے اس پر اور وہ حرکت سرزد ہی ہو گئی۔ جس کے لئے آدمی ان کی نظروں میں خوار تھا۔ پھر سزا کے طور پر چاہ بابل میں انہیں قید کر دیا گیا۔“

”ہوں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اچھا تو پھر کل شام کو صدر میں وہ کوئی فرشتہ ہی تھا۔“

”فرشتہ۔! کیا مطلب؟“

”کل وکٹوریہ روڈ کے چوراہے پر کھڑا سنگٹل ملنے کا منتظر تھا۔۔۔ پاس ہی ایک بڑے میاں موجود تھے۔ سرخ داڑھی والے۔ اتنے میں قریب سے گداز بدن دالی ایک نیڈی گزری۔ بڑے میاں نے زبان ہو نونوں پر پھیری اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔! اور اس طرح منہ چلانے لگے جیسے..... جیسے..... ارے باپ ہے۔“ عمران خاموش ہو کر سوچنے لگا۔ پھر بڑے بھو! بنا سے پوچھا۔ ”فرشتہ ہی ہو گا کوئی..... کیوں؟“

”بہت سُر ہو تم۔“ بوڑھا انگلی نچا کر ہنسنے لگا۔

عمران سعادتمندانہ انداز میں سر جھکائے بیٹھا رہا۔

”اوہ۔۔۔ تم نے کہاں کی باتیں چھیڑ دیں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ خود ہی مجھ سے ملی تھی۔ اب کہتی ہے کہ مجھے نوجوانوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں کسی بوڑھے ہی سے شادی کروں گی۔“

”واقعی۔؟“ عمران چپک کر بولا۔ ”تب تو بڑی اچھی بات ہے۔“

”میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ سنجیدگی سے سنو۔!“

”سن رہا ہوں۔“

”وہ خود ہی مجھ پر بڑی بڑی رقومات خرچ کر دیتی ہے۔“

”اے اللہ میاں مجھے بھی جلدی سے بوڑھا کر دو۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”اب تھپڑ مار دوں گا ورنہ سنو خاموشی سے۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ کافی حد تک سنجیدگی طاری کر لی چہرے پر۔ اور بوڑھا کہتا رہا ایسی محبت بناتی ہے جیسے ہماری شادی ہو چکی ہو۔ کہتی ہے ابھی اپنی دانست میں شادی کے قابل نہیں ہوئی ہوں۔ دو سال بعد شاید تنہی سے شادی کر لوں۔!“

”اچھا اللہ میاں دو سال کے اندر ہی اندر مجھے بوڑھا کر دو۔“ عمران گڑ گڑایا۔

”میں کہتا تھا کہ تم میرا مذاق اڑاؤ گے۔“ بوڑھا میز پر ہاتھ مار کر غرایا۔

”اچھا اٹھو۔ چچا جان۔ سر سلطان کے پاس چلتے ہیں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”شاید نکاح کی جازت دے ہی دیں۔“

سر سلطان کے ہاں رات کے دو بج گئے تھے۔ عمران کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جارہی تھیں۔ سر سلطان نے اپنے اسٹینو کے سامنے عمران سے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ اس وقت اسے دوبارہ طلب کیا گیا تھا۔ جب عمران واپسی کے لئے اٹھ گیا تھا۔ بہر حال جو گفتگو ان دونوں کے درمیان ہوئی تھی اس کے مطابق سر سلطان کو کچھ ہدایات اپنے اسٹینو کو بھی دینی تھیں۔

فلپٹ میں پہنچ کر عمران سوٹ سمیت لحاف میں گھس گیا۔ جوتے تو خیر اتارنے ہی پڑے تھے۔ کیونکہ نئے جوڑے نے بچوں کا کچور نکال کر رکھ دیا تھا۔ لیٹ تو گیا تھا لیکن نیند کہاں۔ اتفاقات کے مختلف پہلوؤں سے ذہن الجھتا رہا۔ آخر گراموفون کی کوئی سوئی اس کے حصے نہ کیوں نہ آئی۔ یہ تو نہایت آسانی سے ہو سکتا تھا۔ ریوالور یا ملی والے طریقے سے کہیں زیادہ آسان کام تھا۔ کوئی زہر بلا بل میں بھیجی ہوئی سوئی نہایت آسانی سے خاتمہ ہی کر دیتی۔

تو پھر وہ ریوالور والا ہاتھ جو صفدر کی گولی سے زخمی ہو گیا تھا۔ زخمی ہو گیا تھا وہ سوچتا رہا۔ اور آہستہ آہستہ ذہن پر غنودگی کی یلغار بھی ہوتی رہی۔ پھر بیک بیک فون کی گھنٹی کی آواز اوجھکتی ہوئی ساعت پر ہم کی طرح گری اور وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔!

ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔

”دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز آئی۔“ کون ہے۔“

آواز گو کہ بھرائی ہوئی تھی لیکن پہچاننے میں دشواری نہ ہوئی۔ یہ جولیا تھی۔ عمران نے پٹ آنکھیں ماریں اور سنبھل کر بولا۔ ”ہائے تم کہاں سے بول رہی ہو میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہ گیا۔ یہ کبخت کو لتار کسی طرح چھوٹا ہی نہیں۔“

”کیا بک رہے ہو۔“

”تم کہاں ہو۔“

”گھر پر۔۔!“

”گھر پر تو خیر میں بھی ہوں۔“ عمران گردن کھجاتا ہوا بولا۔ لیکن کچھ دیر پہلے پرنس اسٹریٹ کے ڈسٹ بن میں تشریف رکھتا تھا اور چہرے پر اس قدر کو لتار تھا کہ آنکھیں کھولنا دشوار ہو رہا تھا۔ اب مٹی کے تیل سے منہ دھو رہا ہوں لیکن یہ کبخت چھوٹے کا نام ہی نہیں لیتا۔“

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔“

”بالکل۔ بالکل۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ ہم تو نبراسکا میں رس ملائی کھا رہے تھے۔“

”تو تم۔۔۔۔۔ ڈسٹ بن میں جا گئے تھے۔“ جولیا نے پوچھا۔

”ہاں بھئی اور یہ کو لتار۔ ہوش آنے پر اٹھا تو ایک بوڑھیا پاس سے گزر رہی تھی پہلے تو جھجکھی پھر بھوت کہہ کر مجھ سے لپٹ گئی۔“

”تم سے۔“

”ادہاں۔ مجھ سے بھلا کیوں کیا میں کچھ غلط کہہ گیا۔ حواس ٹھکانے نہیں ہیں۔ مس فٹزواٹر۔۔۔۔۔ یہ کو لتار۔۔۔۔۔ مگر تم۔۔۔۔۔“

”مم۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ مجھے شاید نیند آگئی تھی۔۔۔۔۔ جاگی تو تم غائب تھے۔“

عمران ہنسنے لگا۔ ہنسی اس بات پر آئی کہ جولیا کی آنکھ تو اس کے بستر پر کھلی ہوگی نبراسکا والے اینجنوں نے اسے بیہوشی ہی کی حالت میں گھر پہنچایا ہوگا۔

”تم ہنس کیوں رہے ہو۔“

”تم سمجھتی نہیں۔ کوئی ایکٹیوٹی کر گیا میرے ساتھ۔ دونوں کو خواب آور رس ملائیاں کھلائی گئیں اور پھر میرے بالکے جیلے چہرے پر کو لتار۔۔۔۔۔ اللہ تیرا شکر ہے۔“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

”آخر وہ کون ہو سکتا ہے۔۔۔؟“

”پتہ نہیں۔۔۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا۔“

”اچھا شب بخیر۔۔۔“ جولیا نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ ہونٹوں پر نمودار ہوئی اور وہ اچھل کر بستر سے فرش پر آ رہا۔۔۔۔۔ چوٹ آئی تھی شاید اس حرکت کی بناء پر۔۔۔۔۔ کیونکہ فرش سے اٹھتے وقت کراہا تھا۔ اب وہ اس کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں ایکس ٹوکافون رہتا تھا۔ جولیا فٹزواٹر کے نمبر ڈائل کئے۔ جواب ملنے میں دیر نہ لگی۔ وہ ماؤتھ پیس میں بحیثیت ایکس ٹوکافون۔ ”تمہارا فون عموماً انگیج رہتا ہے۔“

”جج۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔!“

”ابھی کون تھا فون پر۔“

”وہ۔۔۔۔۔ عم۔۔۔۔۔ عم۔۔۔۔۔ عمران۔۔۔۔۔ جناب۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ ہی تمہارا دماغ بھی چل گیا ہے۔ کیوں؟“

”میں۔۔۔۔۔ میں نہیں سمجھی جناب۔۔۔۔۔!“

”ٹپ ٹاپ جانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

”جی ہس۔ یونہی۔۔۔۔۔ کوئی کام نہیں تھا جناب۔۔۔۔۔!“

”تمہیں جب کوئی کام نہ ہو تو دوسروں کے کام میں دخل انداز ہوتے پھرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ فٹزواٹر۔۔۔۔۔“

”میں سمجھی نہیں جناب۔۔۔۔۔!“

”تم دونوں نے اصل کام کو نظر انداز کر کے ٹپ ٹاپ میں خاصی بیہودگیاں پھیلایا تھیں۔“

”جی وہ۔۔۔۔۔ عمران۔۔۔۔۔؟“

”بکو اس مت کرو۔ اگر آج والی سزا پر بھی کان نہ ہوئے تم دونوں کے تو۔۔۔۔۔!“

”مم۔۔۔۔۔ موافق چاہتی ہوں جناب۔۔۔۔۔!“

”اور ناخنوں کے بارے میں تو پہلے بھی تمہیں آگاہ کیا جاتا رہا ہے کہ انہیں بڑھنے نہ دیا کرو۔“

”نابہ کہ عمران ابھی تک مٹی کے تیل سے منہ دھو رہا ہے۔“

”آپ نے ایک بار لپ سنک۔۔۔۔۔!“

”نہیں! تم لپ اسنک استعمال کر سکتی ہو۔۔۔۔۔ تمہاری رنگت اس سے مطابقت رکھتی ہے۔ البتہ گندی رنگت کی دیسی لڑکیوں کو لپ اسنک استعمال کرتے دیکھ کر غصہ آتا ہے۔ وہ تو عمران کے قول کے مطابق۔۔۔۔۔ اچھا شب بخیر۔۔۔۔۔ آئندہ محتاط رہنا۔ میں عورتوں کی عزت کرتا ہوں۔“



”کیوں؟“ مصافحہ کرتے وقت مارتھا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ ”تم کچھ بجھے بجھے نظر آ رہے ہو۔“

”نظر تو آ رہا ہوں نا۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”ورنہ تین بجے۔“ ایک جمای بھی آئی..... اور وہ احقانہ انداز میں پلکیں جھپکانے لگا۔

”تمہیں میری صحت یابی پر خوشی نہیں ہوئی۔“

”ہونی چاہئے!“ عمران احقانہ انداز میں بولا۔

”خفا ہو جاؤں گی۔“ مارتھا نے بچکانہ انداز میں کہا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہ کر بولی۔ ”تم بیٹھتے کیوں نہیں؟“

”یہ بیٹھنے کا وقت ہے؟“ عمران نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

میرا خیال ہے کہ تم جاگ ہی رہے تھے۔“ مارتھا نے جھپنی ہوئی ہنسی کے ساتھ کہا ”نور اہی تم نے ریسیور اٹھایا تھا۔“

”مم۔ مگر وہ سوئی کیسی تھی۔..... مارتھا۔“

”میں خود نہیں جانتی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ برابر سے گزرنے والی دین ہی سے آئی تھی۔“

”لیکن کیوں؟“

”خدا جانے۔ اس کی چیخ کے ساتھ ہی سر چکرانے لگا تھا!“

”ڈاکٹر کو تم نے اس کے بارے میں بتایا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”مجھے ان کے پاس جانے ہی نہیں دیا گیا۔“

عمران کسی سوچ میں پڑا ہو یا نہ پڑا ہو لیکن معلوم یہی ہو رہا تھا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔ ویسے حقیقت یہ تھی کہ وہ آنکھیں کھول کر بھی اونگھ سکتا تھا۔

”آج سردی بہت ہے۔“ مارتھا نے کہا۔

”او۔“ عمران چونک کر اسے گھورنے لگا۔

”میں نے کہا آج سردی بہت ہے!“

”اور تم نے اسٹانگ بھی نہیں پہنے۔“ عمران نے بزرگانہ انداز میں کہا۔ ”میں اکثر سوچتا ہوں کہ سرد ممالک کی سفید فام عورتیں شاید انگارے چبایا کرتی ہیں۔ جیسی تو..... اتنے اونچے اسٹانگ میں رہ کر بھی اسٹانگ نہیں پہنتیں۔!“

”میں نے ایک لڑکی دیکھی تھی۔“ مارتھا بولی۔ ”اس کا پاجامہ مجھے بہت اچھا لگا تھا۔ پنڈلیوں

ورنہ تم بھی کسی ڈسٹ بن ہی میں پائی جاتیں!“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

لیکن خواب گاہ میں دوسرے فون کی ٹھنٹی بج رہی تھی۔ جھپٹ کر وہاں پہنچا۔ ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے کوئی عورت اس کا نام لے رہی تھی۔

”ہاں۔ ہاں۔ آپ کون ہیں؟“ عمران نے پوچھا

”مارتھا۔ ڈاکٹر کی سیکرٹری۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”میں سول ہسپتال سے بول رہی ہوں۔“

”اب کیسی طبیعت ہے!“

”اچھی ہوں۔ چل پھر سکتی ہوں۔“

”اور ڈاکٹر!“

”ہوش میں ہیں۔ لیکن ڈاکٹر کا خیال ہے کہ ابھی نقل و حرکت سے باز رہیں تو بہتر ہے۔“ دیکھو عمران تم نے صرف ایک بار مجھے اپنا فون نمبر بتایا تھا۔ میری یادداشت کی داد دو۔!“

”عورت یادداشت کے لئے ہی تو مشہور ہے۔“

”دل الجھ رہا ہے کیا کروں۔۔۔“

”لوڈو کیوں نہیں کھیتیں؟“

”کیا تم سو رہے تھے۔۔۔؟“

”نہیں۔ ارادہ کر رہا تھا۔“

”تو یہیں آ جاؤ نا۔ میں انتظار کروں گی۔ اب کیا کرو گے سو کر۔ تین تو بج رہے ہیں۔“

عمران نے طویل سانس لی اور ہونٹ سکڑ کر سر کھجانے لگا۔

”ہلو۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”تو پھر آرہے ہو نا۔ میں ڈاکٹر کے آفس میں ملوں گی۔ اس وقت یہاں صرف ایک ڈاکٹر اخلاق لیڈی ڈاکٹر کی ڈیوٹی ہے۔ اسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

”آ رہا ہوں۔“ عمران نے مردہ سی آواز میں کہا

میں منٹ بعد وہ ہسپتال میں تھا۔ وہ مطب ہی میں ملی۔ جس لیڈی ڈاکٹر کا تذکرہ فون پر کر چکی تھی۔ شاید کسی مریض کو دیکھنے چلی گئی تھی۔ بہر حال مارتھا تنہا ہی ملی۔

”ہلو۔!“ وہ بڑی گرجوٹی سے عمران کی طرف جھپٹی۔

عمران نے ہاتھ ڈھیلا چھوڑ کر مصافحے کے لئے بڑھادیا۔

نے آہستہ سے کہا۔  
 ”گولی۔“ مارتھا اچھل پڑی اور ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ ”ڈاکٹر۔ ڈاکٹر۔“  
 ڈیوٹی ڈاکٹر جو شاید برآمدے ہی میں موجود تھی۔ جھپٹی ہوئی ادھر آئی۔  
 ”گگ۔ گولی لگی ہے۔ ان کے گولی لگی ہے۔“ مارتھا بولی۔  
 ”گولی۔ کہاں لگی ہے۔ کیسے لگی۔؟“ لیڈی ڈاکٹر نے عمران سے کہا۔  
 ”یہیں۔ اندھیرے میں کسی نے فائر کیا تھا۔ مجھ پر۔“ عمران نے کہا  
 ”لیکن فائر کی آواز۔۔۔۔۔“

”وہ بے آواز فائر تھا۔ جلدی کیجئے محترمہ۔۔۔۔۔ خون مفت میں ضائع ہو رہا ہے۔“  
 ”اے آپریشن تھینر میں لایا گیا۔ ڈیوٹی سرجن آپریشن روم میں ہی خرائے لے رہا تھا۔ اس  
 طرح جگائے جانے پر اس کے چہرے پر پھنکار سی برسنے لگی تھی اور اس نے عمران کو اس طرح  
 گھورا تھا جیسے کہہ رہا ہو۔“ ”مرہی کیوں نہ گئے۔ اگر گولی لگی تھی۔“  
 جب واقعات معلوم ہوئے تو جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میں کہتا ہوں جب تک نرس  
 لڑکیاں ہسپتالوں میں کام کرتی رہیں گی یہی ہوگا۔ آخر وہ کون سا کام ہے جو میل نرس نہیں کر  
 سکتے۔“

”یہ کہاں کا قصہ چھیڑ دیا حضرت۔!“ عمران بولا۔  
 ”آپ یہاں کیوں تشریف لائے تھے اس وقت۔۔۔۔۔ کیا کسی نرس کا چکر نہیں تھا۔ کیا آپ  
 کے رقبوں نے آپ پر گولی نہیں چلائی۔“  
 چونکہ مارتھا بھی موجود تھی اس لئے وہ سرجن صاحب انگریزی میں گفتگو فرما رہے تھے۔ اس  
 لئے مارتھا پر بھی جھلاہٹ کا دورہ پڑنا ضروری ہو گیا۔  
 ”یہ کیسی باتیں چھیڑ دیں تم نے۔ دس عورتیں تو اس کے پیچھے لگی پھرتی ہوں گی۔ اسے کیا  
 شرم آئے۔۔۔۔۔ سڑی لمبی نرسوں کے پیچھے مارا مارا پھرے گا۔۔۔۔۔ ہوش کی دوا کرو۔“

بات بڑھ جاتی لیکن لیڈی ڈاکٹر نے سچ بچاؤ کرادیا۔  
 گولی نے ہڈی کو گزند نہیں پہنچایا تھا۔ شریانوں کو منتشر کرتی اور گوشت کو چھیدتی ہوئی  
 ”سڑی طرف نکل گئی تھی۔ کافی خون بہا تھا۔ عمران کو نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔  
 آپریشن کے بعد ایک ٹرالی جزل وارڈ کی طرف لے چلی۔  
 ”نہیں پرائیویٹ وارڈ میں لے چلو۔“ مارتھا نے کہا۔  
 ”کوئی کمرہ خالی نہیں ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

پر منڈھا ہوا۔۔۔۔۔ چست اور ٹخنوں پر بڑی حسین سلوٹیں تھیں۔۔۔۔۔ اسے کیا کہتے ہیں۔!“  
 ”چوڑی دار۔!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اکثر مرد بھی پہنتے ہیں۔۔۔ لیکن وہ میری  
 ہمدردیاں کبھی حاصل نہیں کر سکے۔!“  
 ”مردوں پر تو اچھا نہ لگتا ہوگا۔“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک برآمدے سے کچھ اس قسم کے شور کی آواز آئی جیسے  
 بہت سے کتے آپس میں لڑ پڑے ہوں اور ان کے حلق سے صرف غراہٹیں نکل رہی ہوں۔ پھر  
 ایک نسوانی چیخ بھی سنائی دی۔ عمران دروازے کی طرف جھپٹا۔!



برآمدے میں اندھیرا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل جب عمران آیا تھا بہت زیادہ برقی قوت کے کی  
 بلب روشن تھے۔

شور بدستور جاری رہا۔ عورت بھی مسلسل چیخے جا رہی تھی۔  
 ”کون ہے۔ کیا ہے؟“ عمران دھاڑا اور ٹھیک اسی وقت اسے ایسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی  
 دھکتا ہوا انگارہ بائیں بازو کے گوشت کو چھید کر دوسری طرف نکل گیا ہو۔ اس کے حلق سے ایک  
 کربناک غراہٹ سی نکلی اور ایسا معلوم ہوا جیسے اب وہ کھڑانہ رہ سکے گا۔ سر چکرایا اور وہ آگے  
 پیچھے جھولتا ہوا دیوار سے ٹک گیا۔ داہنا ہاتھ بازو پر تھا اور اس حصے کو وہ شدت سے بھیجنے رہا تھا  
 جہاں چنگاریاں سی بھر گئی تھیں۔

فائر بے آواز ہوا تھا۔ اور اب تو برآمدے میں گہرا سکوت تھا! وہ شور جس نے عمران کو  
 برآمدے تک آنے پر مجبور کیا تھا کبھی کافر ہو چکا تھا۔

”عمران تم کہاں ہو۔!“ مارتھا کی خوفزدہ سی آواز سنائے سے ابھری اور پھر ادھر ادھر سے  
 بھی بھاگ دوڑ کی آوازیں آنے لگیں۔

بلب پھر روشن ہو گئے۔ ہسپتال کا عملہ برآمدے میں اکٹھا ہو گیا تھا اور وہ سب ایک دوسرے  
 سے شور کی وجہ پوچھ رہے تھے۔ مارتھا جھپٹ کر عمران کے قریب پہنچی۔ وہ اب بھی اسی طرح  
 دیوار سے ٹکا کھڑا تھا اور جھولے ہوئے بائیں ہاتھ سے خون رس رس کر فرش پر جتا جا رہا تھا۔  
 ”عمران۔ عمران۔ یہ لک۔ کیا ہوا۔“ اس نے ردہائی آواز میں پوچھا۔  
 ”ڈیوٹی ڈاکٹر سے کبو میرے آپریشن کا انتظام کرے۔ گولی لگی ہے میرے بازو میں!“ عمران

”میرا کمرہ تو ہے۔“

”ہاں یہ ممکن ہے..... مگر وہاں ایک ہی بستر ہے۔“

”مگر نہ کرو۔ میں سب کچھ دیکھ لوں گی۔“

عمران اس کے بستر پر لیٹ گیا تھا اور وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

”اب تم کہاں لیٹو گی۔“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اس کی پلکیں نیند کے دباؤ سے جھکی پڑ رہی تھیں۔

”اب سو کر کیا کروں گی۔ صبح تو ہو رہی ہے۔“ تم سو جاؤ۔“

عمران نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ سر شدت سے چکرا رہا تھا..... اور پھر نیند نے پوری طرح اسے اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔

پھر جاگا تو دن چڑھ چکا تھا۔ مارتھا اب بھی وہیں بیٹھی نظر آئی جہاں اس کے سونے سے قبل بیٹھی تھی۔

”میرے نمبر رنگ کر کے جوزف کو یہاں بلاؤ۔“ اس نے مارتھا سے کہا۔

”اس حبشی کو!۔“

”ہاں!۔“

مارتھا کمرے سے چلی گئی۔ عمران نے کراہ کر داہنی کروٹ لی۔ پورا ہاتھ مواد سے بھرا ہوا پھوڑا معلوم ہو رہا تھا۔ عمران سوچ رہا تھا کہ اس نے ڈوہرنگ کی نشانہ بازی کے متعلق پہلے بھی کچھ سنا تھا۔ تھوڑی دیر بعد مارتھا نے واپس آکر بتایا کہ اس نے جوزف تک عمران کا پیغام پہنچا دیا ہے۔

عمران کچھ نہ بولا..... اب بھی ذہن پر نیند سوار تھی۔ ہو سکتا تھا کہ پچھلی رات اسے کوئی تیز قسم کی خواب آور دوا بھی دی گئی ہو۔!

ناشتہ اس نے لیٹے لیٹے ہی کیا۔ کیونکہ مارتھا اس پر مصر تھی۔ پھر چمچے سے اسی۔ نہ چائے بھی پلائی۔

عمران سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی تو جان کو آگئی ہے۔ اگر معاملات آگے بڑھ گئے تو کیا ہوگا۔

”ڈاکٹر نے تمہیں بولنے سے تو نہیں روکا۔“ مارتھا نے مسکرا کر کہا۔

”ہوں!۔“ عمران بھی مسکرایا۔

”یہ۔ آخر پچھلی رات کو ہوا کیا تھا۔!“

”پتہ نہیں!۔“

”کسی عورت کی چیخیں بھی تو سنی تھیں میں نے۔“

”میں نے بھی سنی تھیں۔ چیخا ہی کرتی ہیں عورتیں کوئی خاص بات نہیں۔“

”سہا مطلب؟“ مارتھا نے آنکھیں نکالیں۔

”کچھ بھی نہیں۔ مطلب صاف ہے۔ کہو تو تمہیں بھی پیچنے پر مجبور کر دوں..... ڈاکٹر کا کیا

مال ہے۔“

”پتہ نہیں!“ مارتھا کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”مجھے ان کے پاس جانے ہی نہیں دیا جاتا“

”تم کب سے ہو ڈاکٹر کے پاس۔“

”بہت دنوں سے۔ جب وہ انگلینڈ میں تھے۔ تب ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے

مجھے ملازمت کی پیشکش کی تھی اور کہا تھا کہ وہ ایشیا کے مختلف ملکوں میں کام کرنا چاہتے تھے۔ مجھے

بچپن ہی سے ملک ملک کی سیر کا شوق تھا۔ لہذا آمادہ ہو گئی۔“

”تمہارے والدین کہاں ہیں۔“

”اسکاٹ لینڈ میں۔“

”تو پھر اب تم کبھی نہ کبھی واپس ضرور جاؤ گی۔“

”ضروری نہیں!۔“

”والدین یاد نہیں آتے۔“

”باپ سوتیلا ہے۔ اور ماں..... ہاں ماں کی یاد اکثر ستاتی ہے لیکن کیا کیا جائے۔ تم لوگ اچھے

ہو کیونکہ تمہارے والدین تمہارے لئے کماتے ہی رہتے ہیں خواہ تم بوڑھے ہی کیوں نہ ہو جاؤ۔“

”والدین نہیں۔ صرف والد۔“

مارتھا نے لا پرواہی سے شانے سکڑے۔

”ڈاکٹر کے پاس اکثر غیر ملکی لوگ بھی آتے ہوں گے۔“

”اکثر۔“

”کبھی کوئی کرنل ڈوہرنگ بھی آیا ہے۔“

”ڈوہرنگ۔ ڈوہرنگ!“ مارتھا کچھ سوچتی ہوئی بڑبڑائی۔ ”رات یہاں کوئی کلارڈوہرنگ بھی

آئی ہے۔ کسی رقص گاہ میں بیہوش ہو گئی تھی۔“

”وہ میرے ساتھ ہی رقص کر رہی تھی۔“

”تمہارے ساتھ۔ کیوں؟“ مارتھا کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

”بس سر پر سوار ہو گئی تھی کہ ناچو میرے ساتھ۔! اور اس کا بھی وہی حشر ہوا جو تمہارا ہوا

تھا۔

”میں نہیں سمجھی۔!“

”گرا موفون کی سوئی۔!“

”نہیں؟“ مار تھا اچھل پڑی۔

”یقین کرو۔ یہی ہوا تھا۔ اس کے بازو سے بھی میں نے سوئی نکالی تھی۔“

”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہو رہا ہے۔“

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ کرنل ڈوہرنگ کے متعلق۔“

”نہیں۔ اس نام کا کوئی آدمی کبھی نہیں آیا۔ لیکن مجھے بتاؤ یہ کیا ہے۔“

”میں خود بھی نہیں جانتا۔؟“

اتنے میں دروازے پر کسی نے دستک دی۔ مار تھا نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ آتے والا جوزف تھا۔ خاکی لباس میں ملبوس! بلٹ ہولسٹروں میں دونوں جانب ریو اور لنک رہے تھے اور پٹی کار تو سوسوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے فوجیانہ انداز میں ایڑیاں بجا کر عمران کو سلیوٹ کیا اور بولا۔ ”باس یہاں کیوں لیٹے ہو۔“

”یہاں کیوں لیٹتا ہے کوئی آدمی!“ عمران نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”ملیریا!“ جوزف نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”نہیں۔ ریو اور کی گولی۔! میرا بایاں بازو زخمی ہے۔“

”کیا؟“ جوزف کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پھر اس نے بوکھلا کر پوچھا ”ہڈی تو محفوظ ہے نا۔!“

”تمہاری کھوپڑی ہی کی طرح۔ اس کی پرواہ نہ کرو۔!“

”وہ کون تھا باس مجھے بتاؤ۔ یہ بڑی خراب بات ہے کہ تم ایسی مہمات تنہا سر کرنے کی کوشش کرتے ہو۔“

”ابے اندھیرے میں کسی نے مار دی گولی۔“

”کہاں۔ اور کب۔“

”میں چھپلی رات کو۔“

”تمہیں پہچان کر گولی چلائی گئی تھی یا یونہی کسی اور کے حصے کی تمہاری طرف بھٹک گئی تھی۔“

میرا خیال ہے کہ میری آواز پر فائر کیا گیا تھا۔ کسی بے آواز ریو اور سے۔“

”اندھیرے میں۔!“ جوزف نے پوچھا۔

”ہاں۔ ہاں۔ اندھیرے میں۔“

”تب تو۔۔ تب تو مجھے سوچنے دو باس۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”کس کے علاوہ۔۔!“

”اس کا نام گونڈا ہے۔“

”گونڈا۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”نہیں گونڈا۔ میرا ہم وطن ہے اور ادھر چار ماہ سے یہاں دکھائی دے رہا ہے۔ ایک غیر ملکی سفارت خانے میں ملازم ہے۔“

”کس سفارت خانے میں!“ عمران نے اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن مار تھا سینے پر ہاتھ رکھ کر زور دیتی ہوئی بولی۔ ”باتیں لیٹے لیٹے بھی ہو سکتی ہیں۔“

جوزف اسے قہر آلود نظروں سے گھور کر رہ گیا۔ غالباً عمران کے سینے پر ہاتھ رکھنا اسے گراں گزرا تھا۔

”تم فکر نہ کرو باس!“ جوزف جلدی سے بولا۔ ”اب میں سمجھ بوجھ لوں گا۔۔ وہ اندھیرے میں محض آواز پر بڑا اچھا نشانہ لگا سکتا ہے۔ ویسے اس کا آقا بھی قادر انداز ہے۔“

”کون آقا۔۔!“

”ایک ہے کرنل ڈوہرنگ۔“

”میرے خدا بچر وہی کرنل ڈوہرنگ!“ مار تھا بڑبڑائی۔

”تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی۔ سمجھیں اچھی لڑکی۔“

”کیوں۔ آخر کیوں؟ ابھی پولیس آئے گی۔ اسے کیا بیان دو گے۔“

”یہی کہ اندھیرے میں کسی نے فائر کیا تھا۔“

”مگر یہ کرنل ڈوہرنگ۔!“

”اسے جہنم میں جھونکو!“

”پتہ نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے اور تم کیا کر رہے ہو۔! کیا میں تمہارے گھر پر فون کروں۔“

ڈاکٹر نے تمہارے متعلق سب کچھ بتایا تھا۔ تمہاری والدہ ان کی مریضہ ہیں۔ میں بھی ڈاکٹر کے ساتھ اکثر تمہارے گھر گئی ہوں۔“

”تم یہ سب کچھ ہر گز نہیں کرو گی۔“ عمران نے سخت لہجے میں کہا اور مار تھا رو ہانسی ہو گئی اور پھر کچھ نہ بولی۔

”تم کر قل ڈو ہرنگ کے بارے میں اور کیا جانتے ہو!“ عمران نے جوزف سے پوچھا۔  
 ”بہت کچھ۔ وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ میرے ملک پر وہ بڑی تباہی لایا تھا۔“ پتہ نہیں کہ  
 کالوں کا خون اس کی گردن پر ہے۔ قتل عام کر دیا تھا۔ یہ سرکاری ملازم بھی تھا اور غلاموں کی  
 تجارت بھی کرتا تھا۔ بھیڑ بکریوں کی طرح اس نے میرے ہموٹوں کو فروخت کیا تھا۔“  
 ”گوئڈ اکیسا آدمی ہے؟“  
 ”ولد الحرام!“ جوزف نے عربی میں کہا۔ ”اس کی ماں ایک حرافہ تھی۔ دس شوہروں میں  
 سے وہ پتہ نہیں کس کا نطفہ ہے۔“

”اور۔ جوزف!“ عمران اسے داہنے ہاتھ سے گھونسا دکھا کر بولا۔ ”میں نے اس کی شادی  
 نہیں ملے کی ہے جو تو اس کا شجرہ نسب کھول کر بیٹھ گیا ہے۔“  
 ”میں تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ایسے آدمی سے حرامی پن ہر حال میں سرزد  
 ہوتا ہے۔“ جوزف نے لا پرواہی سے کہا۔ ”اب تم دیکھنا باس کہ کیسی چٹنی بناتا ہوں اس کی۔“  
 ”خبردار۔۔۔۔۔ مجھ سے پوچھو بغیر ایک قدم بھی نہ اٹھانا۔“  
 ”میں کیا جنت میں تم سے پوچھنے جاؤں گا۔ تم اب گھر چلو۔ یہاں بہت آسانی سے مار لیے جاؤ  
 گے۔ جب اس کو معلوم ہو گا کہ اس کا نشانہ خطا ہو گیا تھا تو وہ غصے سے پاگل ہو جائے گا اور دوبارہ  
 کوشش کرے گا۔“  
 ”ہسپتال میں مرنے میں فائدہ ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”میرا بنک بیلنس کفن کا متحمل نہ  
 ہو سکے گا۔“

”یہ کیا فضول باتیں شروع کر دیں تم نے۔ اگر یہاں خطرہ ہے تو تمہیں گھر ہی چلا جانا  
 چاہئے۔“ مار تھا جھلا کر بولی۔  
 ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ یہ ڈیوٹی ڈاکٹر تھا۔ اس نے  
 اطلاع دی کہ پولیس عمران کا بیان لینا چاہتی ہے۔  
 ”آنے دو۔“ عمران نے کہا اور ڈاکٹر چلا گیا۔  
 ”ابھی گوئڈ اکا نام نہ لینا باس!“  
 ”بکو اس بند کرو۔“ عمران نے کہا۔

کچھ دیر بعد وہی سب انسپٹر کمرے میں داخل ہوا جس سے مار تھا ہی کے سلسلے میں کچھ دن  
 پہلے بھی سول ہسپتال ہی میں سابقہ پڑ چکا تھا! اس نے سب سے پہلے جوزف کو گھور کر دیکھا۔ ”تم  
 کون ہو؟“

”نوبل جوزف۔۔۔۔۔ بیوی ویٹ ایکس چیمپین۔“ جوزف غرایا۔  
 ”میرا باڈی گارڈ ہے۔“ عمران بولا۔ ”اور ان ریوالروں کو بھی نہ گھورئے لائنس ہے  
 میرے پاس۔“  
 ”آپ خود کو زیر حراست سمجھئے جناب!“  
 ”وارنٹ ہے آپ کے پاس۔“  
 ”جی نہیں! ایک عام سرکلر تھانوں کو بھیجا گیا ہے کہ آپ جہاں بھی ملیں گرفتار کر لیے  
 جائیں۔“  
 ”کس کا سرکلر ہے؟“  
 ”ڈی جی آف انٹیلی جنس بیورو کا۔“  
 عمران نے طویل سانس لی اور بولا۔ ”کیا مجھے فون تک جانے کی اجازت مل سکے گی۔“  
 ”ضرور۔ ضرور۔“ سب انسپٹر مسکرایا۔  
 ”نہیں تمہیں چلنا پھرنا نہ چاہئے۔“ مار تھا بول پڑی۔ گفتگو چونکہ انگریزی میں ہو رہی تھی  
 اس لئے وہ متحیر نظر آرہی تھی۔  
 ”ڈاکٹر نے ایسی کوئی بات نہیں کہی محترمہ!“ سب انسپٹر نہایت ادب سے بولا۔  
 ”میں چل رہا ہوں۔۔۔۔۔ فون تک۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔



مار تھا بھی فون والے کمرے تک ساتھ آئی تھی اور مسلسل کچھ بڑبڑائے جارہی تھی۔ لیکن  
 الفاظ غیر واضح ہونے کی بناء پر سمجھ نہیں جاسکے تھے۔  
 فون پر عمران نے اپنے والد رحمان صاحب کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے ”ہیلو“  
 لی شل میں مخصوص قسم کی غراہٹ سنائی دی۔  
 ”میں عمران ہوں ڈیڈی!“  
 ”کہاں ہو؟“  
 ”سول ہسپتال میں۔ پچھلی رات کو یہیں میرے بائیں بازو پر گولی لگی تھی۔“  
 ”ہوں۔ اب کیا حال ہے۔“  
 ”خدا کے فضل سے بچ گیا ہوں۔“

”اچھا وہیں ٹھہرو۔ میں کسی کو بھیج رہا ہوں۔“  
 ”لیکن یہاں ایک سب انسپکٹر صاحب میری گرفتاری پر مصر ہیں۔“  
 ”ریسیور دوا سے۔“

عمران نے سعادت مندانہ انداز میں ریسیور انسپکٹر کو تھما دیا۔

انسپکٹر برا سامنہ بنائے سنتا رہا اور جی اچھا..... بہت بہتر جناب کی گردان جاری رہی پھر ریسیور رکھ کر جھلائے ہوئے لہجے میں عمران سے بولا۔ ”میں غیب داں تو ہوں نہیں جناب کہ مجھے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کن حالات میں آپ کو گرفتار کرنا ہے اور کن میں نہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔“ عمران نے بڑے خلوص سے سر ہلا کر کہا۔

انسپکٹر کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ عمران پھر مارتھا کے کمرے میں آلیٹا اور کسی دوسری مصیبت کا انتظار کرنے لگا۔ جوزف خاموشی سے ایک طرف ”اٹین شن“ تھا۔ اور مارتھا عمران کے قریب کرسی پر بیٹھی تھی۔

”ہوں تو اب اپنے اس گھوڑے کے بارے میں بتاؤ۔“ عمران نے جوزف کو مخاطب کیا۔!

”گھوڑا باس۔!“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”کیا فون پر تمہارے فادر تھے۔“

”ہاں۔!“

”کیا کہہ رہے تھے۔“ جوزف کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

”میری گرفتاری کا حکم جاری ہو چکا ہے۔“

”کیوں؟“ جوزف نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”میں تم سے گھوڑا کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“

”اچھا آدمی نہیں ہے باس۔! وہ اپنے مالک سے بھی دغا کر سکتا ہے۔ کبھی کسی کا وفادار نہیں

رہا۔ اس کا بھی نہیں جس نے اسے پیدا کیا تھا اور کئی دن تک درد سے تڑپتی رہی تھی۔ اس کا بھی نہیں جو ہم سب کا باپ ہے۔!“

”کیا یہ یہاں دیر تک ٹھہرے گا۔“ مارتھا نے برا سامنہ بنا کر عمران سے پوچھا۔

”فی الحال میرے لئے ایک باڈی گارڈ ضروری ہے۔“ عمران نے جواب دیا اور جوزف نے

مارتھا کو عربی میں گالیاں دیں۔

”یہ کیا بک رہا ہے۔“ مارتھا نے عمران سے پوچھا۔

”تمہاری تعریف کر رہا ہے عربی میں۔ کہہ رہا ہے کہ یہ عورت ہے یا چاندی کی جھیل۔ اس کی زبان اس کے منہ میں اس طرح حرکت کرتی ہے جیسے سمندر میں بجرہ..... اور کیا کہا تھا تو

نے..... ذفر۔!“

جوزف نے دانت نکال دیئے کچھ بولا نہیں۔

”اس سے وحشت ہوتی ہے مجھے۔“ مارتھا بڑبڑائی۔

”جوزف تم باہر ٹھہرو۔ بغیر اجازت کسی کو اندر نہ آنے دینا۔“

”اوکے باس!“ جوزف نے ایڑیوں پر گھومتے ہوئے کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

”تم آخر کس طرح برداشت کرتے ہو اسے۔“ مارتھا نے پوچھا۔

”کئی بار پوچھ چکی ہو۔ یہ بھی ایسا ہی آدمی ہے کہ آواز پر نشانہ لگا سکتا ہے۔“

”تم آخر کرتے کیا ہو کہ تمہیں ایک نیگرو باڈی گارڈ بھی رکھنا پڑا ہے۔“

”دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑنا میری باہی ہے..... اس لئے.....!“

”آخر کیوں؟ کوئی ڈھنگ کا کام کیوں نہیں کرتے تم۔ میں تو سوچتی ہوں کہ پچھلی رات وہ

شورو غل صرف اسی لئے ہوا تھا کہ تم برآمدے میں نکل جاؤ اور تمہیں گولی ماری جائے۔“

”خدا جانے کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں یہ لوگ۔“

”نیگرو سے بھی کسی کرئل ڈوہرنگ کا تذکرہ آیا تھا..... وہ کون ہے اور تم اس کی لڑکی کے

ساتھ ناچ رہے تھے۔ وہ بھی گراموفون کی سوئی کا شکار ہوئی تھی۔! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

”نفسے سے دماغ کو تھکاؤ نہیں۔“

”نہیں بتاؤ۔“

”بہتری باتیں بچوں کو نہیں بتائی جاتیں۔“

”کیا؟“ مارتھا نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

”کک کچھ نہیں۔ پھر بھوک لگ رہی ہے۔“ عمران پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

دوسرے ہی لمحے میں جوزف کی غراہٹ بھی سنائی دی جو کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”نہیں تم اندر

نہیں جا سکتے۔ باس کی اجازت کے بغیر۔“

”ارے کون ہے؟“ عمران نے آواز دی۔

”کیپٹن فیاض۔“ جوزف نے جواب دیا

”آنے دے ولد الو حوش۔“ عمران نے عربی میں کہا

اور فیاض غصے میں بھرا ہوا اندر داخل ہوا۔

”یہ اس نے ریوالور کیسے نکار کھے ہیں۔“ اس نے چھوٹے ہی پوچھا۔

”اسی نانچار سے پوچھو۔ میں کچھ نہیں جانتا۔“ عمران کراہا۔

”مجھے رحمن صاحب نے بھیجا ہے۔ نیکرو کو اندر بلاؤ۔“ فیاض غریبا۔

عمران نے جوزف کو آواز دی۔ وہ اندر آیا اور ایڑیاں بجا کر اٹھن ٹن ہو گیا۔

اسے فوجیوں کے سے انداز اختیار کرنے کا خط تھا! خصوصاً خاکی یونیفارم اور ڈبل ہوٹلرول کی موجودگی میں تو وہ خود کو کسی جنرل سے کم نہیں سمجھتا تھا۔

”ریوالوروں کا لائننس دکھاؤ۔“ فیاض اسے گھورتا ہوا غریبا۔

جوزف نے ہپ پوٹ سے لائننس نکال کر پیش کر دیئے جو وزارت خارجہ کی طرف سے دیئے گئے تھے۔

”فوجی یونیفارم کس کی اجازت سے پہن رہے ہو۔“

”وزارت دفاع کی اجازت سے۔ اجازت نامہ ملاحظہ فرمائیے جناب۔“ جوزف نے بڑے ادب سے اجازت نامہ پیش کر دیا۔

”میں مزید تحقیقات کے لئے انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“ کمیشن غریبا

”یقیناً جناب عالی۔“ لیکن ان کی رسید عنایت فرما دیجئے۔

فیاض نے اپنی نوٹ بک سے ایک کاغذ پھاڑ کر اس پر رسید لکھ دی۔

”شکریہ جناب عالی۔“ جوزف رسید کو تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔

”اب تم باہر جاسکتے ہو صورت حرام۔“ عمران غصیلے انداز میں کراہا اور جوزف ایڑیوں پر گھوم کر باہر چلا گیا۔

”اب بتاؤ۔ تم رات یہاں کیوں آئے تھے۔“ فیاض نے مارتھا کو نظر انداز کر کے عمران سے پوچھا۔

”میں مارتھا کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔ تین بجے صبح۔ دفعتاً برآمدے کی روشنی غائب ہو گئی اور اندھیرے میں کتوں کی غراہٹ کی سی آوازیں گونجنے لگیں پھر کسی عورت کی چہنچہن سنا دیں۔ میں نے باہر نکل کر لٹکار اور گولی میرے بائیں بازو کو چھید گئی۔“

فیاض تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”آپ تشریف ہی کیوں لائے تھے اندھیرے میں۔ صبح نہیں ہو سکتی تھی۔“

”نہیں چچا جان۔ میں بے تاب تھا کسی ہجر زدہ قدیم شاعر کی طرح.....“ عمران مسکرا کر بولا۔

”آپ کو اس سے کوئی شکایت تو نہیں ہے۔“ فیاض نے مارتھا سے پوچھا۔

”شکایت! کیسی شکایت۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“ مارتھا نے کہا اور پھر عمران سے

پوچھا۔ ”آپ کی تعریف۔“

”یہ راجہ ہیں اس شہر کے! عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”شہر بھر کی طوائفوں کا دم

لٹکا ہے ان سے۔ پتہ نہیں کب چالان کر دیں۔“

”ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔“ مارتھا جھلا کر بولی۔

”سی۔ آئی۔ ڈی کے سپرنٹنڈنٹ ہیں۔“

مارتھا کچھ نہ بولی۔ لیکن فیاض نے فوراً ہی اس سے پوچھا۔ ”کیا آپ کا خیال ہے کہ آپ کی بیہوشی میں اس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”اس قسم کے لغو خیالات سے میرا ذہن پاک رہتا ہے۔“ مارتھا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”ہاں کیوں بھیجا ہے قبلہ والد صاحب نے۔“ عمران نے پوچھا۔

”ڈوہ رنگ والا معاملہ ہے! خود اس نے شکایت نہیں کی۔ بلکہ سفار تھانہ کے کسی دوسرے آفیسر نے رپورٹ کی ہے کہ تم سفار تھانہ کے بعض ملازمین کو پریشان کرتے ہو..... ڈوہ رنگ

نے تو فون پر ان سے کہا تھا کہ اسے کوئی شکایت نہیں۔ اس نے پچھلی رات والے واقعہ کو اسپورٹ مین اسپرٹ میں لیا ہے۔“

”پھر کیوں ضرورت پیش آئی کہ بور ہی کیا جائے اس خاکسار کو۔“

”رحمان صاحب بہر حال اس رپورٹ پر کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔“

”اور کچھ۔!“

فیاض کچھ نہ بولا اور عمران نے کہا۔ ”براہ کرم تشریف لے جائیے۔“

”تم نے باقاعدہ رپورٹ درج کرائی اس حادثہ کی؟“ فیاض نے غرا کر پوچھا۔

”میری مرضی پر منحصر ہے۔ کراؤں یا نہ کراؤں؟“

”کیا یہ جرم نہیں ہے؟“

”بشرطیکہ میں سمجھوں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”نہیں۔ تم کو.....“

بب۔ باس۔ تم جاؤ۔ کیوں جان ہاکن کرتے ہو۔ جم۔ اس نے چمکارتے ہوئے کہا۔

”لیکن رحمان صاحب نے بھیجا ہے۔“

”تو بتاؤ ناخنہ میاں کو کیوں بھیجا ہے۔“

”تمہارا تحریری بیان چاہئے۔“

”جو دل میں آئے لکھ کر میرے دستخط کرالو۔ تم بھی تو موجود تھے جب میں نے اسے گھونسا

”آہم۔ اچھا!“ فیاض اپنی ڈائری نکال کر لکھنے لگا۔

عمران نے جوزف کو آواز دی۔ وہ آیا اور عمران نے عربی میں کہا۔ ”دیکھو شب دیبور کے بچے جو لیا کو ہرگز اندر نہ آنے دینا سمجھے۔ باہر ہی سے واپس۔“

”اوکے باس!“ جوزف نے ایڑیاں بجا کیں اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ عمران اچھی طرح جانتا تھا کہ اب اس کے نگران ماتحتوں کو اس کا علم ہو گیا ہو گا۔ پچھلی رات جب وہ اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تھا تو وہ یہی سمجھے ہوں گے کہ اب یہ فتنہ اطمینان سے صبح تک سوتا رہے گا۔ اس لئے وہ بھی جاسوئے ہوں گے۔ ورنہ ان کی موجودگی میں وہ اس طرح زخمی نہ ہو سکتا۔ بہر حال وہ سوچ رہا تھا کہ جو لیا کو یقینی طور پر اطلاع مل گئی ہو گی اور وہ ادھر کا رخ ضرور کرے گی۔“

فیاض نے کچھ دیر بعد ڈائری عمران کی طرف بڑھا دی۔ عمران نے بیان پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی اور اپنے دستخط کر دیئے۔

”میرا خیال ہے کہ اب تمہیں آرام کرنا چاہئے۔“ مارتھا نے غصیلی آواز میں کہا۔

”یقیناً۔ یقیناً۔“

لیکن آرام کہاں۔ فیاض تو چلا گیا لیکن اس کے جانے کے پانچ ہی منٹ بعد جوزف بوکھلایا ہوا اندر آیا۔

”باس..... تمہاری ماں..... تمہاری بہنیں آئی ہیں!“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”م..... مار ڈالا.....“ عمران کہا۔

اور دوسرے ہی لمحے میں بیگم رحمان..... ثریا اور عمران کی دونوں عم زاد کمرے میں داخل ہوئیں..... مارتھا بھی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ عمران اٹھنے کی کوشش کر رہی رہا تھا کہ بیگم رحمان کمزور آواز میں بولیں۔ ”لیٹا رہ۔ لیٹا رہ۔“

”میری ماں اور بہنیں۔“ عمران نے انگریزی میں مارتھا سے کہا۔

”میں جانتی ہوں۔“ مارتھا نے بیگم رحمان کی طرف کرسی کھکاتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے گھر جا چکی ہوں ڈاکٹر کے ساتھ اور مس ثریا تو آتی ہی رہتی ہیں کبھی کبھی۔ ہیلو مس ثریا۔“

”اوکے۔“ ثریا نے کہا اور عمران کو گھورنے لگی۔

کمرے میں دو ہی کرسیاں تھیں صرف بیگم رحمان بیٹھ گئی تھیں اور وہ سب کھڑی رہیں۔

”کیا ہوا تھا۔“ بیگم رحمان نے عمران سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔ اماں بی۔ اندھیرے میں کسی نے گولی مار دی۔“

”وہ میرے لگی ہوتی تو اچھا تھا۔ اب نہیں برداشت ہوتیں تم باپ بیٹے کی حرکتیں۔“

”م۔ مگر۔ اماں بی۔“

”کچھ نہیں! تم اس موئے ڈوہرنگ سے کیوں بھڑے تھے۔ اسی نے توہین کا بدلہ لینے کے لئے حملہ کر لیا ہو گا۔ ادھر پولیس میں رپورٹ بھی درج کرادی۔“

”م۔ مگر میرا خیال ہے کہ گولی کسی اور پر چلائی گئی تھی اندھیرے میں میں ہی بیچ میں آ گیا۔“

”ہڈی تو نہیں ٹوٹی۔“

”بالکل نہیں۔“ عمران جلدی سے بولا۔ بالکل اس انداز میں جیسے اس نقصان پر پٹائی ہو جانے کا امکان ہو۔

”کب تک یہاں رہے گا۔“

”یہ تو ڈاکٹر کی مرضی پر منحصر ہے جب پیچھا چھوڑے۔“

”کیا یہ لڑکی تمہاری دیکھ بھال کر رہی ہے۔“

”جی ہاں۔“

”مگر تم اسے کیا جانو۔“

”آپ کی خیریت معلوم کرنے کے لئے کبھی کبھی ڈاکٹر دعاگو کے پاس جانا پڑتا ہے۔“

”ڈاکٹر کہتا ہے کہ جب تک تمہارا بیٹا تمہارے پاس نہ رہے تم اچھی نہیں ہو سکتیں۔“

”یہ تو قطعی غلط کہا تھا ڈاکٹر نے۔“ ثریا بول پڑی اور عمران ٹھنڈی سانس لے کر چھت کی طرف دیکھتا ہوا منہ چلانے لگا۔

”م۔۔۔“ دفعتاً مارتھا بولی۔ ”آخر بیٹا نے انہیں گھر سے کیوں نکال دیا ہے۔“

بیگم رحمان انگریزی نہیں سمجھتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے استفہامیہ انداز میں ثریا کی طرف دیکھ کر ثریا کے سمجھانے پر بولیں۔ ”اس سے کہو یہ خود ہی بیہودہ ہے۔ قاعدے سے رہے تو.....“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے.....“ ثریا نے اردو میں کہہ کر انگریزی میں مارتھا کو مخاطب کیا ”بات یہ ہے کہ جب یہ حضرت گھر میں رہتے ہیں تو بہت سی آوارہ لڑکیاں بھی آنے لگتی ہیں۔ ہمارے ڈیڑی کو ان کی یہ حرکت پسند نہیں ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ ایسا تو نہ ہو گا۔“ مارتھا ہنس کر عمران کی طرف دیکھنے لگی۔

عمران آنکھیں بند کئے ہوئے ہولے ہولے کراہ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ ثریا کی بچی ضرور



”ہلو عمران۔“ بالآخر جولیا سب کو نظر انداز کر کے بولی۔ ”اب تم کیسے ہو اور یہ کیسے ہوا۔“  
 ”کوئٹہ چھڑانے کے بعد یہاں چلا آیا تھا..... کیونکہ مٹی کے تیل کی بدبو نے ہارٹ ٹروبل میں مبتلا کر دیا تھا۔ سو چاہاں سے کورامین ڈراپس لے لوں گا۔ مم..... مگر کسی نے گولی مار دی۔“  
 ”مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں کرسی نہ پیش کر سکوں گی۔“ مارٹھانے جولیا سے کہا۔۔  
 ”کیونکہ دیکھ لو سب ہی کھڑے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ شکریہ۔“ جولیا مسکرائی اور عمران سے بولی۔ ”پھر آؤں گی۔“ وہ دروازے کی طرف مڑی ہی تھی کہ جوزف کی غراہٹ سنائی دی۔ ”خبردار پیچھے ہٹو ورنہ گولی بارودوں گا۔ شاید تم اندر جاسکو..... لیکن یہ کتیا کا بچہ۔ ہر گز نہیں۔!“



اس بار عمران کو اٹھنا ہی پڑا۔ پتہ نہیں وہ کس کو گولی مار دینے کی دھمکی دے رہا تھا اور دھمکی انگریزی میں دی گئی تھی۔ اس لئے جو لیا بھی دروازے کے قریب ٹھک گئی۔

”تم کدھراٹھ رہے ہو۔“ مار تھا بولی۔

”گولی ٹانگ میں نہیں لگی۔ تم مطمئن رہو۔“  
 ”یہ بڑی اچھی لڑکی ہے۔!“ بیگم رحمان نے ثریا سے کہا۔  
 ”کیا گڑبڑ ہے۔“ ثریا نے انہیں نظر انداز کر کے عمران سے پوچھا۔  
 ”کچھ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔“ عمران نے کہا اور جو لیا سے بولا۔ ”ادھر آؤ۔ ادھر سب کے قریب آجاؤ۔“

جولیا پیچھے ہٹی اور وہ دروازہ کھول کر باہر آیا۔ سب سے پہلے کرنل ڈوہرنگ پر نظر پڑی۔ اس کے پیچھے جنرل کی نسل کا ایک آدمی نظر آیا۔ جس نے فوجی وردی پہن رکھی تھی اور کمر کی ٹاسٹ سے دور یو لور بھی لٹکا رکھے تھے۔

”بلو مائی بوائے۔“ ڈوہرنگ آگے بڑھ کر عمران سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ ”سنا ہے تم  
خوش ہو گئے ہو۔ کس نے گولی مار دی۔ تمہارے باپ سے فون پر گفتگو ہوئی تھی۔ پتہ نہیں  
مغارتحانے کے کسی افسر نے تمہارے خلاف رپورٹ درج کرا دی تھی۔ بہر حال میں نے  
ڈپارٹ واپس لے لی ہے۔“  
”شکریہ۔ کرنل۔“

گھلا کر ائے گی۔ بتا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ اب کیا کیا جائے۔ اتنے میں باہر سے جو لیا نافرمانی کی آواز آئی جو شاید جوزف پر بگڑ رہی تھی۔

”ارے باپ رے۔“ عمران نے زیادہ زور سے کراہ کر دہائی کر وٹ لی۔  
 ”وہ دیکھو۔ کوئی آئی ہے مزاج پر سی کے لئے۔“ ثریا نے بند دروازے کی جانب انگلی اٹھا کر  
 اشارہ کیا۔

مارتھا دروازے کی طرف جھپٹی۔ دروازہ کھلا اور دونوں کے مکالمے عمران کی سماعت پر ہتھوڑے کی طرح پڑنے لگے۔

”کیا بات ہے۔ تم کون ہو؟“ مار تھانے جو لیا سے متحیرانہ لہجے میں سوال کیا۔

”کیا یہاں مسٹر علی عمران ہیں۔“

”ہاں ہیں تو۔۔۔ پھر۔۔۔؟“

”میں انہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”تمہارا نام۔“

”جولیانافٹز وائر۔“

”ٹھہرو۔ میں پوچھ لوں۔“

مارتھا دروازہ بند کر کے ان کی طرف مڑی اور مضحکہ آواز میں بولی ”کوئی جو لیا نافر وائر ہے۔“

”بلاؤ۔“ عمران ناک کے بل کر ابا اور اس کی عم زاد بہنیں ہنس پڑیں۔ ثریا کی تیوری بدستور چڑھی رہی جو لیا اندر آئی۔ لیکن ایک برقعہ پوش خاتون کو بھی دیکھ کر بوکھلا گئی۔ غالباً سمجھ گئی ہوگی کہ عمران کی ماں ہوں گی۔

پھر اس نے چندھائی ہوئی آنکھوں سے ہر ایک کا جائزہ لیا اور ایسے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگی جیسے نکل بھاگنے کے لئے راستہ تلاش کر رہی ہو۔ برقعہ پوش خواتین سے اسے بڑی وحشت ہوتی تھی۔

”یہ کون ہے؟“ بیگم رحمان نے پوچھا

”یہ سوئیس ہے۔ سوئیس۔“

”وہ پوچھ رہی ہیں تم سے کیا تعلق ہے۔“ ثریا جلے جلے لہجے میں بولی۔

”ممم..... میں..... نخ..... خالہ کہتا ہوں۔“

”چپ نامراد..... میری بہن بناتا ہے..... گلوڑ ماری کو۔“

”تمہارا یہ آدمی بڑا بد تمیز ہے۔“

”آدمی نہیں! باڈی گارڈ۔“ عمران مسکرایا۔ ”آدمیوں کے بس کاروگ نہیں باڈی گارڈ بنتا۔“

”خیر۔ ہاں۔ تم زخمی کیسے ہوئے۔“

”کسی نے اندھیرے میں گولی مار دی۔“

”پھر تم نے کیا کیا۔“

”آرام کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا!“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

”خیر۔ خیر۔“ وہ ہنس پڑا۔ بہت زندہ دل آدمی ہو! اچھا دوست..... بس اب چلا۔ محض

تمہاری خیریت دریافت کرنی تھی۔ پھر ملاقات ہوگی۔“

ڈوہرنگ سے مصافحہ کرتے وقت عمران نے دیکھا کہ دونوں حبشی ایک دوسرے کو اس طرح

گھور رہے تھے جیسے جھپٹ پڑنے کے لئے بالکل تیار ہوں۔“

ڈوہرنگ اور اس کا باڈی گارڈ چلے گئے۔

”یہی تھا گونڈا باس۔“ جوزف غرایا۔ ”میرے لئے اس کی آنکھوں میں چیلنج تھا۔ خیر میں

دیکھوں گا کہ وہ کتنا باخبر باڈی گارڈ ہے۔“

”کیا مطلب؟“ عمران نے اسے گھور کر دیکھا۔

”اس کی موجودگی ہی میں ڈوہرنگ کو گولی ماروں گا۔“

”خبردار!“ عمران نے آنکھیں دکھائیں اور جوزف برا سامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف

دیکھنے لگا۔“

عمران پھر اندر آیا۔ جولیا اور ثریا گفتگو کر رہی تھیں۔ موضوع بحث عمران تھا۔

جولیا کہہ رہی تھی۔ ”بچے یقینی طور پر اسی طرح بے ڈھنگے ہو جائیں گے۔ اگر ان پر زیادہ سختی

کی جائے گی۔“

”لیکن یہ بچہ تو اب فیڈر کے بھی قابل نہیں رہا۔“ ثریا نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

عمران ایک جانب کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ دفعتاً مار تھا کی نظر اس پر پڑی اور جلدی سے

بولی۔ ”ارے تم کھڑے ہو۔ چلو لیٹو..... لیٹو.....!“

”ہاں اور کیا۔“ ثریا اردو میں بولی۔ ”اب تم ہی تو رہ گئی ہو مامتا جتانے والی! پلی پلائی اولاد ہاتھ

آئی ہے۔“

اس کی عم زاد ہنس پڑیں اور بیگم رحمان غصیلے انداز میں بولیں ”کیا بکواس ہے! زبان چل

جائے گی بس۔“

”اپنی نسل میں اس کے علاوہ اور رکھا ہی کیا ہے اماں بی۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور بستر پر بیٹھ گیا۔

”چل اب گھر چل..... ورنہ یہیں اتارتی ہوں جوتی سب کے سامنے۔“

”ڈاکٹر سے پوچھ لیجئے۔ اگر اجازت دے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”ارے بازو میں ہی تو گولی لگی ہے“ ثریا تنک کر بولی۔ ”آپ خواہ مخواہ پریشان ہوئی جا رہی ہیں۔“

”اور کیا۔“ عمران سنجیدگی سے سر ہلا کر بولا۔ ”پریشانی کی بات تو تب تھی۔ جب ٹھیک

کھوپڑی پر بیٹھی ہوتی۔“

”بکواس بند بھی کرو کم بختو!“ بیگم رحمان جھنجھلا کر بولیں۔

کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ گئیں اور چلتے چلتے بولیں۔ ”میں تیرے باپ سے کہوں گی کہ ڈاکٹر

سے معلوم کریں۔“

”جی۔ بہت اچھا!“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور اٹھ کر انہیں دروازے تک چھوڑنے آیا۔

جولیا نے البتہ دوسری کرسی سنبھال لی تھی۔ مار تھا اسے گھورتی رہی لیکن کچھ بولی نہیں۔

”اب بتاؤ کہ میرے ناخن کیا ہوئے“ جولیا نے اوپری ہونٹ بھیج کر عمران سے پوچھا۔

”بھگوان اللہ میں ابھی گنجا نہیں ہوا۔“

”بکواس مت کرو۔ وہ تمہاری حرکت تھی۔“

”اور وہ کوئی تار جس نے مجھے ہسپتال آنے پر مجبور کر دیا تھا۔“

”میں نے تو دیکھا نہیں۔ اس لئے یقین کیوں کروں؟“

”دیکھ لینے کے بعد شاید میری میت پر بھی آنا پسند نہ کرتیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے تم

نے نہیں دیکھا۔“

”عمران تم باتیں بہت کر رہے ہو۔ اب لیٹ جاؤ۔“ مار تھا نے جھنجھلا کر کہا اور جولیا نے فوراً

ٹاپکٹ کر پوچھا۔ ”تم اسے کب سے جانتی ہو۔“

”تم سے مطلب؟“

”بڑی چڑچڑی معلوم ہوتی ہو۔“ جولیا مسکرائی۔

”میں اجنبیوں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی۔“

”بشرطیکہ وہ عورتیں ہوں۔“ جولیانے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔  
”آخر یہ ہے کون بدتمیز۔“ مارتھانے عمران سے پوچھا۔

”اور تم مجھے بتاؤ۔“ جولیانے بھی عمران کو مخاطب کیا۔ ”کہ یہ خوش جمال کتیا کس نسل سے تعلق رکھتی ہے۔“

”شٹ اپ۔“ مارتھارو ہانسی ہو کر چیخی۔

جولیا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے مارتھاپر جھپٹ ہی تو پڑے گی۔  
عمران نے یہ نقشہ دیکھا تو اٹھ کر دونوں کے درمیان حائل ہوتا ہوا بولا۔  
”اے دیکھو۔ خدا کے لئے.... تم لوگ کوئی بُری مثال قائم نہ کر بیٹھنا۔“

”ہٹو سامنے سے!“ جولیا جھلا کر بولی۔ ”میں دیکھوں گی کہ یہ کتنی مہذب اور باتیز ہے۔“

”او بابا کیا مصیبت ہے۔“ عمران اسے شانوں سے پکڑے ہوئے کرسی کی طرف دھکیل لے گیا اور بٹھا دینے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”کنفیو شس نے کہا ہے کہ جب دو عورتیں مرنے مارنے پر تیار نظر آئیں تو تم ڈھولک بجانا شروع کر دو۔“

مارتھا خاموش کھڑی غصے سے کانپ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھی تیر رہے تھے۔ جولیا دوبارہ نہیں بیٹھی تھی اور اس نے عمران سے اپنے شانے بھی چھڑا لیے تھے۔

”میں جارہی ہوں“ وہ دروازے کی طرف مڑتی ہوئی عمران سے بولی۔ ”کوشش کروں گی کہ تمہیں کسی پرائیویٹ ہسپتال میں رکھا جائے۔“

”کیوں کوشش کرو گی تم۔“ عمران نے تمہیرانہ لہجے میں پوچھا۔

”اپنی مرضی کی مختار ہوں! ضروری نہیں کہ تمہیں وجہ بھی بتائی جائے۔“ جولیانے کہا اور باہر نکل گئی۔ عمران نے سٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑے اور مارتھا کی طرف مڑا جو مسہری کی پٹی سر پر نگائے سسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

”ارے باپ رے!“ عمران پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بڑبڑایا۔

عورتوں کو روتا دیکھ کر اس کا نروس ہو جانا پرانی کمزوری تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح چپ کرائے۔ کیا کرے۔ لیکن خاموش رہ جانا بھی بد اخلاقی تھی۔

لہذا وہ ہٹلانے لگا۔ ”وہ۔ دیکھو۔ یعنی کہ واہ.....“ پھر اردو میں بولا۔ ”جی نہ ہلکان کرو۔“ اور جلدی سے انگریزی میں کہنے لگا۔ ”رونے سے معدہ خراب ہو جاتا ہے..... یعنی کہ..... جھلا جتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں..... اگر کسی مرد نے تمہاری شان میں گستاخی کی ہو تو گھونے مار مار کر جلیہ بگاڑ دیتا۔“

وہ منہ چھپائے بدستور روتی رہی۔

اب عمران بھی خاموش ہو گیا تھا! اور اس طرح منہ بنائے کھڑا تھا جیسے کوئی سر بازار چپت رسید کر کے بھاگ گیا ہو۔!

بڑی دیر بعد رونا تھما اور وہ دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ عمران سامنے آکھڑا ہوا..... لیکن وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔ رونے سے پلکیں کسی قدر متورم ہو گئی تھیں اور ہونٹوں کے ابھار پہلے سے نمایاں نظر آنے لگے تھے۔

عمران چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

”مردوں پر کبھی اعتماد نہ کرنا چاہئے۔“ وہ بڑبڑائی۔ ”خواہ وہ کتنے ہی معصوم کیوں نہ نظر آتے ہوں۔“

”مرد آج کل ملتے ہی کہاں ہیں کہ ان پر اعتماد کرنے یا نہ کرنے کا سوال پیدا ہو۔“

”مت بولو مجھ سے!“ وہ دوسری طرف مڑ گئی۔

”خفگی کی وجہ؟“

”تمہاری وجہ سے اس وقت میری توہین ہوئی ہے۔“

”میری وجہ سے کیوں؟“

”بس تمہارا خیال کر کے رہ گئی۔۔۔ ورنہ منہ نوچ لیتی اس کتیا کی بچی کا۔“

”جب تو غلطی ہوئی مجھ سے۔۔۔ خواہ خواہ تمہارے درمیان آگیا تھا۔ بتایا کیوں نہیں کہ اس کا منہ نوچ لینے کا ارادہ تھا۔“

”میں کہتی ہوں مت بولو مجھ سے۔“

”اچھا!“ عمران نے سعادتمندانہ انداز میں کہا اور مسہری پر لیٹ کر کراہنے لگا۔

مارتھا تھوڑی دیر تک پھولی بیٹھی رہی..... پھر عمران کی طرف مڑ کر بولی ”کیا تکلیف بڑھ گئی ہے۔“

”نیرا خیال ہے کہ شاید بڑھ ہی گئی ہے..... ورنہ کراہتا کیوں۔“

”ڈاکٹر کو بلا لاؤں؟“

”نن۔ نہیں ٹھیک ہو جائے گا۔“

پھر عمران اسے روتی رہا لیکن وہ چلی گئی۔ عمران آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔

کچھ دیر بعد جوزف نے آہستہ سے اسے آواز دی اور ایک دزیننگ کارڈ اس کی طرف بڑھا۔ جس پر سر سلطان کا نام تحریر تھا۔

”انہیں اندر بھیج دو۔“ عمران نے کہا۔ ”اور سنو ان کی موجودگی میں مارتھا کو بھی اندر آنے دینا۔ کسی بہانے سے باہر ہی روکے رکھنا۔“

جوزف باہر چلا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں سر سلطان دکھائی دیے۔ عمران نے اٹھنا چاہا۔

”لیٹے رہو۔ لیٹے رہو۔“ سر سلطان نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔

وہ مسہری کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

”یہ کیسے ہوا۔“ انہوں نے پوچھا اور عمران کو ایک بار پھر وہ قصہ دہرانا پڑا۔

”بہت بڑھ گئے ہیں یہ لوگ۔“ سر سلطان نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”کیا بتاؤں کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے ان لوگوں کے خلاف۔“

”فکر نہ کیجئے۔“

”جس کے ذریعے ثبوت فراہم کرنے کے مواقع ملنے کی امید تھی اس نے خود کشی کر لی۔“

عمران کچھ نہ بولا۔

اتنے میں باہر سے مارتھا کی آواز آئی۔ جو شاید جوزف کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سر سلطان بھی چونک کر استغہامیہ انداز میں عمران کی طرف دیکھنے لگے۔

”لہلہ لڑکی۔“ عمران آہستہ سے بولا۔

”وہ وہی۔ دعا گو کی نرس۔“ سر سلطان نے بھی رازدارانہ ہی لہجے میں پوچھا۔

”نرس نہیں سیکرٹری۔ بلواؤں؟“

”ہاں۔ آں۔ کیا حرج ہے۔“ سر سلطان نے کہا اور نچلے ہونٹ پر زبان پھیر کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

”جوزف۔“ عمران نے ہانک لگائی۔ ”کون ہے۔ آنے دو۔!“

”نہیں آنے دوں گا باس!“ جوزف نے باہر سے عربی میں جواب دیا۔ ”کیونکہ تم منع کر چکے ہو۔“

”اب کہتا ہوں آنے دو۔“ عمران کی آواز غصیلی تھی۔

”ہرگز نہ آنے دوں گا باس۔ کیونکہ اس نے مجھے آبنوس کا کندہ ناتراش کہا ہے۔“

”ارے تو بھی اسے نکھن کا پہاڑ کہہ کر معاف کر دے۔“

”کیا بات ہے۔“ سر سلطان نے پوچھا

”میرا باڈی گارڈ سنک گیا ہے۔ کہتا ہے کہ چونکہ وہاں اس وقت سر سلطان بیٹھے ہیں اس لئے میں کسی کم مرتبہ عورت کو اندر نہیں جانے دوں گا۔“

”ارے نہیں۔ کوئی بات نہیں۔!“ سر سلطان نے بڑے خلوص سے کہا اور پھر نچلے ہونٹ پر زبان پھیرنے لگے۔

”جوزف کیا مجھے اٹھنا پڑے گا۔“ عمران نے پھر ہانک لگائی۔

”اچ۔۔ چھا۔۔ باس آرہی ہے۔“ جوزف نے مردہ سی آواز میں کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور مارتھا اندر داخل ہوئی۔ سر سلطان کو اٹھنا ہی پڑا۔

”ملا نکہ وہ ایک کم رتبہ لڑکی تھی۔ لیکن اس نسل سے تعلق رکھتی تھی۔ جس میں عورت کا احترام بطور فیشن رائج ہے اس لئے وہ بیٹھے کیوں رہتے۔“

”آپ۔۔!“ عمران نے سر سلطان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”منسٹری آف فارن افریز کے سیکرٹری ہیں۔“

مارتھا ہکا بکا رہ گئی۔ پھر عمران نے مارتھا کی شان میں قصیدہ شروع کیا۔ ”مس مارتھا۔۔۔۔۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ڈومیسٹک افریز کی لکچرر تھیں۔۔۔۔۔ آج کل ڈاکٹر دعا گو سے نفسیات پڑھ رہی ہیں۔“

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ سر سلطان نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا اور وہ مارتھا کا کپکپاتا ہوا ہاتھ کچھ دیر تک سنبھالے رہے۔ وہ بہت زیادہ مرعوب ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس کے ملک میں وزارتوں کے سیکرٹری دزیروں سے بھی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔

”بیٹھے۔“ سر سلطان نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”جی۔۔۔۔۔ جی۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ شکریہ جناب!“ مارتھا کی سانس پھول رہی تھی۔

”کراؤں اس کا بھی تعارف آپ کے اسٹینو سے۔“ عمران نے اردو میں پوچھا۔

”مت بکواس کرو۔“ سر سلطان نے آہستہ سے کہا۔ اور مارتھا سے انگریزی میں پوچھا۔ ”آپ

لوگوں کو یہاں ہسپتال میں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔“

”نہیں جناب یہاں کے لوگ بڑے اچھے ہیں۔“

”شکریہ۔!“ سر سلطان مسکرائے اور عمران ٹھنڈی سانس لے کر ہولے ہولے کراہنے لگا۔

”سنائے ڈاکٹر دعا گو بڑے باکمال آدمی ہیں۔“ سر سلطان نے پوچھا۔

”جی ہاں۔ وہ ایک اچھے ماہر نفسیات ہیں۔“

”کبھی ملوں گا۔؟“

”میرا خیال ہے کہ اب آپ ان سے مل سکیں گے۔ ڈاکٹر نے اجازت دیدی ہے۔“

”یہاں نہیں۔“ سر سلطان نے کہا اور عمران کی طرف ہاتھ بڑھا کر اردو میں بولے ”اچھا

برخوردار اب میں چلا۔ بہت محتاط رہو۔“

”اس لڑکی سے۔!“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”گدھے پن کی باتیں ہر وقت نہ کیا کرو۔“ مصافحہ کر کے وہ رخصت ہو گئے۔ مارتھا باہر نکل  
انہیں چھوڑنے لگی۔ لیکن عمران بدستور لیٹا رہا۔

واپسی پر مارتھا نے ہانپتے ہوئے اس سے کہا۔ ”اتنے بڑے بڑے لوگ تم سے ملنے آتے ہیں  
مگر تم نے میرے متعلق ایک غلط بات کیوں کہہ دی تھی۔ ارے میں تو آکسفورڈ کی شکل بھی  
نہیں دیکھ سکی تھی۔“

”فائن ایفیرز کے ٹکڑے کی چیز ڈومیسٹک آفیرز ہو سکتے ہیں اس لئے کہہ دیا تھا۔ ان حضرات کے  
ڈومیسٹک آفیرز بہت موٹے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر خوش ہو گئے ہوں گے۔“

”تم ہر ایک کا مضحکہ اڑانے لگتے ہو۔“ مارتھا نے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک پڑیا  
نکالتے ہوئے کہا۔ ”ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے پانی کے ساتھ دے دو سوزش کم ہو جائے گی۔“

”میں ڈاکٹر دعاگو سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”میں مل چکی ہوں۔ اچھے ہیں۔۔۔۔۔ تمہارے متعلق بتایا تھا افسوس کر رہے تھے۔ تمہارے لئے  
خاص طور پر تاکید کی ہے کہ اچھی طرح دیکھ بھال کرو۔“

”تو پھر کرونا۔“ عمران کراہا

”تم مجھے بتاؤ کہ وہ کتنا کون تھی۔“

”سوئیس قسم کی فاکس ٹیریر۔! آئی ٹائمن ٹین فغنی ٹائمن۔۔۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔۔۔ یہ ساری  
لڑکیاں چند قسم کے آدمیوں میں بڑی دلچسپی لیتی ہیں بشرطیکہ وہ ان کے شوہر نہ ہوں۔“

”کتنی لڑکیوں سے دوستی ہے تمہاری۔“

”دوستی تو کسی سے نہیں ہے۔“

”پھر کیوں دوڑی آتی ہیں تمہیں دیکھنے۔“

”ہو سکتا ہے کہ انہیں کوئی دوسرا چند دستیاب کرنے میں دشواری پیش آتی ہو۔!“

”سنجیدگی سے گفتگو کرو۔ میں سنجیدہ ہوں۔ میری تو آج تک کسی سے ایسی دوستی نہیں ہوئی  
جیسی تم سے ہے۔“

”مجھ سے ہے۔“ عمران بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر بازو دباتے ہوئے ”سی سی“ کرتا ایک طرف  
جھٹکتا چلا گیا۔

”کیا ہوا۔ کیا ہوا۔“ وہ گھبرا کر دوڑ پڑی ”بڑے بے احتیاط ہو۔۔۔۔۔ خدا کی قسم بڑے لاپرواہ“

وہ اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

ٹھیک اسی وقت جوزف بھی اندر داخل ہو کر دہانے لگا۔ ”باس میں اسے برداشت نہیں کر  
سکتا۔!“

”جاؤ۔ جاؤ۔ باہر نکلو۔۔۔۔۔ شور مت مچاؤ۔“ مارتھا اس کی طرف مڑے بغیر بولی۔

”کیا بات ہے۔“ عمران کراہا۔

تمہارے باپ نے مجھے ٹیلیفون پر گالیاں دی ہیں۔



عمران نے اسے گھور کر دیکھا پھر چند لمحے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے رہنے کے بعد بولا۔  
”خواہ خواہ گالیاں دی ہیں۔“

”نہیں میں بھی اکڑ گیا تھا۔ کیوں دیوں ایسے آدمی سے جسے اپنی اولاد کی بھی پرواہ نہ ہو۔!“

”اوشب دیجور کے بچے۔ بات کیا تھی۔“

”کہنے لگے تو بد معاش ہے۔ اپنے باپ کو غنڈہ گردی سکھاتا ہے۔ تیرے ریوالوروں کے  
لائسنس ضبط کر لئے جائیں گے۔“

”بھاگ جاؤ۔“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

”لل۔۔۔۔۔ لیکن باس۔ ریوالوروں کے لائسنس۔ میں تو بے موت مر جاؤں گا۔ آج تک خالی  
ہاتھ نہیں رہا۔ میرے پاس ریوالور نہ ہو تو بالکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے میں بیوہ ہو گیا  
ہوں؟“

”بس جاؤ۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اللہ نے چاہا تو تمہارا سہاگ قائم رہے  
گا۔“

جوزف باہر چلا گیا اور مارتھا ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ ”لیٹو۔ لیٹو۔ تم اٹھے کیوں؟“

”میں اگر لیٹا ہی رہا تو اس کا سہاگ برقرار نہ رہ سکے گا!“ عمران کراہا۔

”جہنم میں جائے۔ میں کہتی ہوں تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔“

”ہے تو۔“ عمران مردہ سی آواز میں بولا۔ ”لیکن لوگ آرام کہاں کرنے دیتے ہیں۔ یہ  
تمہارے دعاگو صاحب کوئی ایسا بھی عمل جاننے ہیں جس سے درد میں کمی واقع ہو سکے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ چند ماہ گزرے ایک مریض آیا جو کئی دن سے شدید

”کیا سوچا۔“

”کوئی خاص بات نہیں سوچی۔ بس یہی سوچتی رہی ہوں کہ آخر سوئی پھینکنے والے کون تھے اور کیا چاہتے تھے۔“

”بڑی عجیب بات ہے! کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمنوں سے واقف نہ ہو۔“

”یقین کرو عمران میں نہیں جانتی۔۔۔ نہ یہاں کسی سے میری دوستی ہے اور نہ دشمنی۔ میں تو ہمیشہ سے الگ تھلگ زندگی گزارنے کی عادی رہی ہوں۔ یہاں نہ کوئی میری گرل فرینڈ ہے اور نہ بوائے فرینڈ۔ پھر جب کسی سے دوستی ہی نہیں تو دشمنی کا سوال ہی نہیں۔ کیوں کہ دوستیاں ہی دشمنی میں تبدیل ہو جایا کرتی ہیں۔“

”اچھا یہ بتاؤ میری دوست ہو یا دشمن۔“

”تم کس گنتی میں ہو۔“ مارتھا ہنس پڑی۔

”نہیں۔ سنجیدگی اختیار کرو۔!“ عمران بیحد سنجیدہ ہو کر بولا ”میں سوچ رہا ہوں کہ وہ سوئی مجی میرے ہی لئے تھی جو غلطی سے تمہارے بازو میں لگی۔“

”نہیں۔۔۔“ مارتھا اچھل پڑی۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا تھا۔

”کوئی ایسا ہے جو نہیں چاہتا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں۔“

”عمران یقین کرو ڈیر۔۔۔ میری کسی سے بھی دوستی نہیں۔“ اس نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور خاموش ہو گئی۔ چہرے پر تشویش کے گہرے سائے نظر آرہے تھے۔

کچھ دیر بعد بولی۔ ”ہاں حالات ایسے ہی ہیں۔۔۔ میں تمہیں کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکوں گی کہ آخر کوئی تم پر حملے کیوں کر رہا ہے۔ یہ گولی جو تمہارے بازو میں لگی ہے اتفاقاً تو نہیں ہو سکتی۔“

”مت سوچو۔۔۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ذہن کو مت تھکاؤ۔“

”لیکن میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“

”مجھے یقین دلانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

مارتھا اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی ہی رہی پھر آنکھیں دھندلا گئیں اور دد موٹے نمونے قطرے رخساروں پر ڈھلک آئے۔

عمران بظاہر تشویش کن انداز میں دوسری طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس سے لاعلم نہیں تھا کہ وہ اور یہاں ہے۔

دفعۃً اس کی طرف مڑا اور حلق سے ایک خیر آمیز آواز نکالی پھر بولا۔ ”ارے بابا تو میں

قسم کے درد میں مبتلا تھا۔ اس وقت وہ کراہ رہا تھا۔ جب ڈاکٹر نے اسے دیکھا تھا۔ پھر وہ اسے ایک مخصوص کمرے میں لے گئے اور آدھے گھنٹے بعد جب وہ مریض ان کے ساتھ واپس آیا تو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔ ہونٹوں پر مسرت آمیز چمک تھی۔ اس نے اپنے ساتھی سے ہچکانہ انداز میں چیخ کر کہا تھا کہ درد حیرت انگیز طور پر رفع ہو چکا ہے۔“

”کیا واقعی ڈاکٹر جادوگر ہے۔“ عمران حیرت سے بولا۔

”یہ نہیں۔!“

”آخر اس نے کیا کیا ہوگا۔“

”خدا جانے۔۔۔ وہ کمرہ ساؤنڈ پروف ہے۔ آوازیں باہر نہیں آسکتیں۔“

عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”مجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔ بڑی تکلیف محسوس کر رہا ہوں شاید وہ کچھ کر سکیں۔“

”اچھا!“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”میں پوچھ آؤں۔“

اس کے جانے کے بعد عمران بھی باہر آیا اور جوزف سے بولا۔ ”اپنا ایک ریوالور مجھے دے دو۔“

جوزف نے ریوالور ہولسٹر سے نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ ”سارے چیمبر بھرے ہوئے ہیں۔“

عمران پھر واپس آکر لیٹ گیا۔ ریوالور کوٹ کی جیب میں ڈال دیا تھا۔

مارتھا نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر دعا گو اس سے ایک گھنٹے کے بعد مل سکے گا۔

”کیوں ابھی کیوں نہیں؟“ عمران نے پوچھا۔

”اس کے کچھ معتقدین بیٹھے ہیں۔“

”اوہ تو یہ لوگ بیچارے ڈاکٹر کو ہسپتال میں بھی چین نہ لینے دیں گے۔“

”ڈاکٹر کو اس بات پر افسوس ہے کہ اس حادثہ کی خبر اخبارات میں بھی آگئی۔ اسانہ ہونا چاہئے تھا۔“

”اکثر ہو ہی جاتا ہے۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

”لیکن تمہارے ملک کے لوگ بھی حیرت انگیز ہیں۔“

”یقیناً۔۔۔ یقیناً۔ لیکن مارتھا تم نے کبھی اس سوئی کے متعلق بھی سوچا جو تمہارے بازو میں بیوست ہو گئی تھی۔“

”بہت سوچا ہے۔“

نے کیا کہہ دیا ہے جو اس طرح رو رہی ہو۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ لیکن اب سسکیاں بھی آنسوؤں کا ساتھ دینے لگی تھیں۔ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر وہ مسہری کی پٹی پر جھک گئی۔

”جب کوئی عورت رونے لگتی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے ہمدردی ظاہر کروں یا دو چار ہاتھ مار کر جدھر سینگ سائے دوڑتا چلا جاؤں۔“

مارتھا کی سسکیاں اور تیز ہو گئیں۔

”سچ کہتا ہوں روتی ہوئی عورت کو دیکھ کر تو میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کی عورتوں کو قتل کر دوں۔“

اتنے میں جوزف پھر اندر گھس آیا۔

”تم بالکل گدھے ہو۔“ عمران نے جھلا کر عربی میں کہا۔ ”جب کہیں احمقوں کا پورا جوتا موجود ہو تو آواز دے کر آیا کرتے ہیں۔“

جوزف نے دانت نکال دیئے اور بولا۔ ”میں جانتا ہوں باس کہ تم اس معاملے میں عدیم الثال ہو۔ اس لئے ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ لیکن یہ سفید بندریا رو کیوں رہی ہے۔“

”بکواس بند کرو اور نکل جاؤ۔“

”میں صرف یہ پوچھنے آیا تھا باس کہ کیا پھر کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہو۔“

”کیوں؟“

”ریوالور لیا تھا ابھی۔“

”اوہ۔۔۔ وہ کچھ نہیں بس احتیاطاً۔ جاؤ دفع ہو جاؤ۔۔۔“

جوزف مارتھا پر اچھٹی سی نظر ڈال کر باہر نکل گیا۔ مارتھا اب خاموش تھی آنسو خشک کر لیے تھے اور منہ پھلائے بیٹھی تھی۔ پلکیں بھی کسی قدر متورم نظر آنے لگی تھیں اور ناک کے ننھے سرخ ہو گئے تھے۔

عمران اس سے کچھ نہ بولا۔ فی الحال چھیڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چپ چاپ لیٹ کر ہو لے، لے کر اپنے لگا لیکن مارتھا اس کی طرف متوجہ نہ ہوئی۔

عمران کا ذہن اب پھر ڈاکٹر دعا گو اور اس کی پراسرار شخصیت میں الجھ کر رہ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد مارتھا نے دینی بیگ سے آمینہ نکالا اور پاؤڈر بف سے گالوں پر ہلکی ہلکی تھپکیاں دیتی رہی۔ آنسوؤں نے میک آپ تباہ کر دیا تھا۔

جب وہ باہر جانے لگی تو عمران صرف کھکھار کر رہ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ دعا گو کے ہی پاس

جاری ہے۔

واپسی میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی اور اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا ”اب تم چل سکتے ہو۔“

عمران نے اٹھ کر کوٹ پہنا! زخمی بازو والی آستین مارتھا نے بڑی احتیاط سے شانے تک چڑھائی تھی۔ لیکن اس دوران میں کچھ بولی نہیں تھی، انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ عمران سے خفا ہو گئی ہو۔!

عمران باہر نکل آیا۔ ڈاکٹر کے کمرے تک مارتھا ہی نے رہنمائی بھی کی۔ لیکن وہ اندر نہیں گئی۔

ڈاکٹر آرام کرسی پر نیم دراز اخبار دیکھ رہا تھا۔ عمران کو دیکھ کر اخبار ایک طرف ڈالتا ہوا سیدھا ہو بیٹھا۔ ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

”میں اٹھ کر تم سے مصافحہ نہیں کروں گا۔“ اس نے کہا۔ ”بس بیٹھ جاؤ۔ اور اپنی خیریت بتاؤ۔“

”سب خیریت ہی ہے ڈاکٹر۔“ عمران طویل سانس لے کر بولا اور سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”مجھے افسوس ہے میرے بچے۔ میری وجہ سے تمہیں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔“

”آپ کی وجہ سے؟“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”ہاں میری وجہ سے۔ اور تم بھی خواہ مخواہ بننے کی کوشش نہ کرو۔ بھلا تم پر اندھیرے میں ناز کئے جانے کا کیا مطلب تھا۔“

”لہلہ۔۔۔ لیکن۔۔۔“

”کچھ نہیں پوری بات سنو! مجھے دراصل سزا مل رہی ہے۔۔۔ کیونکہ میں نے ایک نامعلوم

انسان کو کہنے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔ کوئی نامعلوم آدمی مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے لئے جاسوسی کروں! اس نے مجھے ایک خط لکھا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ میں محکمہ خارجہ کی

راغفرسانی بڑی آسانی سے کر سکتا ہوں۔ کیونکہ اس محکمے کے بڑے بڑے آفیسر میرے معتقد تھے۔ میں ان سے اس کے مطلب کی بہت سی باتیں معلوم کر سکتا ہوں۔۔۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا

کہ اگر میں اس پر آمادہ ہو سکوں تو اسے خط لکھ کر ایک مخصوص جگہ پر رکھ دوں، جہاں سے وہ

اس تک پہنچ جائے گا۔ میں نے نہ صرف انکار لکھ دیا بلکہ دھمکی بھی دی کہ اگر اس نے آئندہ مجھے

وہی خط لکھا تو وہ پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ”آخر آپ یہ سب کچھ مجھے کیوں بتانا چاہتے ہیں۔“

”ڈاکٹر دعاگو کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ آئی اور پھر اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”برخوردار تمہیں اس لئے بتا رہا ہوں کہ تم ڈپٹی سیکرٹری کی موت کا ذمہ دار مجھے سمجھتے ہو۔۔۔“

”ارے توبہ توبہ!“ عمران منہ پیٹتا ہوا بولا۔ ”بھلا آپ کو کیوں۔“

”چونکہ تمہارا پیشہ یہی ہے۔ اس لئے تم ہر چیز کو اسی عینک سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہو۔“

”میں نہیں سمجھا۔۔۔“

”کیا تم پولیس کے لئے کام نہیں کرتے۔“

”کرنا تو ہوں۔۔۔“

”پھر۔۔۔؟“

”لیکن بھلا آپ کے معاملے میں اس کی گنجائش کہاں۔“ عمران نے کہا۔

”ہو یا نہ ہو۔ لیکن تم جیسے لوگ گنجائش پیدا ہی کر لیتے ہیں۔“ ڈاکٹر دعاگو بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”ہو گا۔۔۔“ عمران لاپرواہی سے شانے سکڑ کر ڈھیلے چھوڑتا ہوا بولا۔ ”میں تو آپ سے اپنی می کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا کہ ڈپٹی سیکرٹری کی خودکشی اچانک سامنے آگئی۔ ورنہ بھلا میں کیا جان سکتا کہ ڈپٹی سیکرٹری قسم کے لوگ بھی دعا تعویذ کے قائل ہوتے ہیں۔“

”کچھ بھی سہی۔ تم خطرے میں ہو۔۔۔ دوزہریلی سویوں سے بچ جانے کے بعد ریوالور کا شکار بالآخر ہو ہی گئے۔“

”ارے تو کیا وہ سوئیاں بھی میرے ہی لئے تھیں۔“

”قطعی تھیں۔“

”آپ کیسے کہہ سکتے ہیں جناب۔“

”میرا منطقی شعور۔۔۔“ ڈاکٹر داہنی کینٹھ پر انگلی رکھ کر بولا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ ڈاکٹر اسے داد طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد عمران نے کہا۔

”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر ان سویوں کا مقصد کیا تھا۔ جب کہ دو شکاروں میں سے ایک بھی نہ مر سکا۔ لیکن کیا اندھیرے میں چلائی جانے والی گولی بھی مجھے بخش دی۔۔۔ یہ تو محض اتفاق تھا کہ وہ بازو وہی میں لگی ورنہ تھوڑی سی اور ہٹ جاتی تو براہ راست دل ہی میں سوراخ

ہوتا۔۔۔“

”ہاں یہ بات قابل غور ہے۔“ ڈاکٹر دعاگو کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

”مگر میرا معاملہ ہوتا تو میں سوچتا کہ شاید وہ لوگ اس طرح مجھے اپنی خدمت پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ خوفزدہ کر کے مجھے مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا کام کرنے پر تیار ہو جاؤں اور میرے ساتھ تو شاید یہی ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بلی کے بچے زہریلے تھے۔ لیکن زہر مہلک نہیں تھا۔ صرف کچھ دنوں کے لئے جسمانی نظام معطل کر دینے کے لئے کوئی ہلکے قسم کا زہر تھا تاکہ زندہ ذور ہوں لیکن ان لوگوں سے مرعوب ہو جاؤں اور وہ مجھ سے جو کام چاہیں لے سکیں۔“

”لیکن وہ سوئیاں۔۔۔“ عمران نے پھر اپنا سوال دہرایا۔

”خدا جانے۔۔۔“ ڈاکٹر اکتائے ہوئے لہجے میں بولا اور اپنی پیشانی پر رگڑنے لگا۔

”خیر ماریے گولی!“ عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہنے کے بعد بولا۔ ”اب اگر آپ ان کام کرنے پر آمادگی ظاہر کرنا چاہیں تو کس طرح کریں گے۔“

”تھری سیون ایٹ ناٹ پر فون کر کے۔“ ڈاکٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”تو پھر آپ نے ٹیلی فون ڈائرکٹری کی سطریں تک گن ڈالی ہوں گی۔“

”قدرتی بات ہے۔“

”وہ کس کا نمبر ہے۔“

”اپنے یہاں کے محکمہ سرانفرسانی کے ایک انسپکٹر کا۔“ ڈاکٹر نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

”پھر آپ نے کیا کیا۔“

”یہی کہ کبھی اس نمبر کو آزمانے کی کوشش نہیں کی۔۔۔“

”ہوں۔۔۔“ عمران متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”اب کیا ارادہ ہے“

”سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔۔۔“

”اوم نگ سے آپ کے کیسے تعلقات ہیں۔۔۔“

”کبھی اس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔۔۔ نام اکثر سننے میں آتا ہے۔ پھر جب اسکی لڑکی

تمہارے ساتھ ناچتے وقت زہریلی سوئی کا شکار ہوئی تو بہت زیادہ سننے میں آیا۔۔۔ یہ سنا ہے کہ اس وقت یہ کہانی شہر کے بچے بچے کی زبان پر ہے۔“

”اچھا ایک بات اور۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”وہ بلی کیسی تھی جس کے بچے خونخوار بلا اندر آیا تھا۔“

”ایک ہی جھک دیکھ سکا تھا۔۔۔ غالباً سیامی تھی۔۔۔ رنگ سیاہ تھا۔“



وہ اسے آپریشن تھیٹر میں لے گئیں۔۔۔ عمران اور ڈاکٹر دعاگو باہر ہی رک گئے تھے۔

”یہ کیا مصیبت ہے۔۔۔“ عمران بڑبڑایا۔

”مصیبت ہے میری۔“ ڈاکٹر دعاگو پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”وہ مردود یہی جتنا چاہتا ہے کہ جس وقت چاہے مجھے یا میرے متعلقین کو ختم کر سکتا ہے اور اسکا بال بھی بیکانہ ہوگا۔!“  
عمران کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں گہرے تفکر کے آثار تھے۔  
تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد لیڈی ڈاکٹر واپس آئی۔۔۔ اس کی آنکھوں سے مایوسی بھلک رہی تھی۔۔۔

”کک کیوں۔۔۔ کیا بات ہے۔“ ڈاکٹر دعاگو نے ہلکا کر پوچھا۔

”اس بار قطعی امید نہیں ہے۔“

”نہیں۔۔۔“ دعاگو تقریباً چیخ پڑا۔ پھر اگر عمران آگے بڑھ کر دائیں بازو کا سہارا نہ دیتا تو شاید پکرا کر گر ہی گیا ہوتا۔  
”لیکن۔۔۔“ لیڈی ڈاکٹر آہستہ سے بولی۔ ”اگر ایک منٹ کیلئے بھی ہوش آگیا تو شاید اسے بچایا جاسکے۔!“

”کیا زہر ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”بہت ہی مہلک۔“ لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ ”لیکن اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔“  
وہ پھر اندر چلی گئی۔

”عمران۔۔۔“ ڈاکٹر دعاگو بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مار تھا بڑی اچھی لڑکی ہے۔ میری کوئی اولاد نہیں۔۔۔ میں نے اسے ہمیشہ اپنی بیٹی کی طرح چاہا ہے۔ اگر وہ مر گئی تو کیا ہوگا۔۔۔ میری زندگی کا وہ خلاء کس طرح پر ہوگا۔“

”حوصلہ رکھو ڈاکٹر۔۔۔ وہ واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔۔۔“

”دیکھو۔۔۔ اس کے خلوص ہی کا اثر ہے کہ یہاں کا عملہ کتنی جلدی اس سے مانوس ہو گیا۔“  
ڈاکٹر نے کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد لیڈی ڈاکٹر پھر دکھائی دی۔ اب اس کے چہرے پر راسخگی کے آثار تھے۔

”ہوش آگیا ہے۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔“

”لیکن کیا۔“ ڈاکٹر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ ”جلدی کہو۔“

”خون کی قے ہوئی ہے۔ جس میں خون کے لختے بھی شامل ہیں۔ وہ آپ دونوں کو دیکھنا

نہ جانے کیوں عمران کو ایسا محسوس ہوا جیسے قریب ہی کہیں کوئی تیسرا آدمی بھی موجود ہو۔۔۔ وہ اٹھ کر تیزی سے کھڑکی کے قریب پہنچا اور سر باہر نکال کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔۔۔ اس کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں اور یہ عقبی لان کی طرف کھلتی تھی۔۔۔

دور تک کوئی نظر نہ آیا۔ وہ پھر اپنی جگہ پر واپس آگیا۔ ڈاکٹر دعاگو اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظر ملتے ہی عمران تھوڑا سا مسکرایا اور پھر بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔  
”کیوں کیا بات ہے۔“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔ اب اپنے سائے سے بھی بھڑکنے لگا ہوں۔“

”تم جیسے لوگوں کے لئے اچھی ہی بات ہے۔“ ڈاکٹر دعاگو نے بائیں آنکھ دبا کر کہا۔ پھر وہ دونوں ہی کچھ سوچنے لگے۔

”اب تم کیا کرو گے۔۔۔“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”آپ کو مشورہ دوں گا کہ ان لوگوں سے ضرور رابطہ قائم کیجئے۔“  
”لیکن اگر میں کسی مصیبت میں پھنس گیا تو۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ۔۔۔!“ وہ جملہ پورا کرنے سے قبل ہی خاموش ہو گیا۔

عمران اسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولا۔  
دفعتاً کسی نے دروازے پر بہت زوردار قسم کی دستک دی ڈاکٹر جھجھلا کر چیخا۔ ”کون ہے؟“  
”باس!“ باہر سے جوزف کی غراہٹ سنائی دی۔ ”وہ سفید بندریا بیہوش ہو گئی ہے اور اس کے منہ سے بکثرت رال بہہ رہی ہے۔۔۔“



عمران کے ساتھ ہی ڈاکٹر دعاگو بھی دوڑ پڑا تھا! حالانکہ ڈاکٹر نے اسے کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

وہ اس وقت کمرے کے قریب پہنچے جب بیہوش مار تھا کو اسٹریچر پر ڈال کر آپریشن تھیٹر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔۔۔

عمران نے بھی اس کے منہ سے رطوبت بہتی دیکھی۔ اسٹریچر کے ساتھ ایک لیڈی ڈاکٹر اور دو نرسیں بھی تھیں۔ عمران کے استفسار پر لیڈی ڈاکٹر نے کہا۔ ”یہ علامات بھی زہر ہی کی ہیں۔۔۔“

چاہتی ہے۔“

”چلو۔ چلو۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر کانپتی ہوئی سی آواز میں بولا۔ ”عمران مجھے سہارا دو۔۔۔ میری آنکھوں میں اندھیرا چھا رہا ہے۔“

وہ دونوں آپریشن تھیر میں آئے۔ مارتھامیز پر چت پڑی تھی۔۔۔۔۔ ویران ویران سی آنکھیں چھت کی طرف نگراں تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی بینائی ہی کھو بیٹھی ہو۔  
”مارتھا۔“ ڈاکٹر مضطربانہ انداز میں میز کی طرف جھپٹا۔

”ڈاکٹر۔“ وہ چھت سے نظر ہٹائے بغیر آہستہ سے بولی۔ ”عمران کہاں ہے۔“  
”وہ بھی ہے۔ تم کیسی ہو۔“

”عمران۔۔۔ تم ادھر آؤ بائیں جانب۔۔۔“ مارتھا نے کہا اور عمران چپ چاپ قریب چلا گیا۔  
”تم چپ کیوں ہو عمران۔۔۔“ اس نے اپنا بائیں ہاتھ اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میرا ہاتھ پکڑ لو۔۔۔ تم بھی ڈاکٹر۔۔۔“

داهنا ہاتھ ڈاکٹر کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن آنکھیں اب بھی چھت ہی پر لگی تھیں۔  
”تم دونوں میرے ہاتھ پکڑ لو۔۔۔ مجھے روک لو۔۔۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔۔۔ ڈاکٹر اپنا فن آزماؤ۔۔۔ مجھے بچالو۔۔۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔۔۔“

”تم زندہ رہو گئی بے بی۔۔۔ یہ مت سوچو!“ ڈاکٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے قطرے ڈھلک کر داڑھی میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔  
”عمران بولو۔ تم چپ کیوں ہو۔۔۔۔۔ مجھے ہنساؤ ڈیر۔۔۔“

عمران صرف تھوک نگل کر رہ گیا اس کا حلق خشک ہو گیا تھا! سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہئے۔ اس کے لئے قطعی نئی سچویشن تھی۔۔۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ مارتھا شاید ہی ٹا سکے۔ چہرے پر مردنی چھا گئی تھی اور آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بہت نمایاں ہو گئے تھے۔  
”م۔ میں نے اکثر بڑی سخت باتیں تمہیں کہہ دی تھیں۔ مجھے معاف کر دو عمران!“  
”تم اچھی ہو جاؤ گی۔۔۔ بے بی۔۔۔ مطمئن رہو۔“

”مجھے یقین نہیں۔۔۔“ مارتھا نے گہری سانس لی۔ ”کلیجہ کٹا جا رہا ہے۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے سینہ جہنم بن گیا ہو۔۔۔ کیسی جلن ہے۔۔۔ خدا رحم کر۔ اے خدا رحم کر۔ تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ۔۔۔ جتنی جلدی ممکن ہو۔۔۔ میں نے صراحی سے پانی پیا تھا۔“

عمران اس کا ہاتھ چھوڑ کر دروازے کی طرف جھپٹا۔

مارتھا کے کمرے کے سامنے جوزف اب بھی موجود تھا۔

”اس کے بعد سے کوئی اندر تو نہیں گیا۔“ عمران نے اس سے پوچھا۔

”نہیں باس!“ جوزف بولا۔ ”وہ اب کیسی ہے۔“

عمران جواب دیئے بغیر اندر گھس گیا۔۔۔ سب سے پہلے صراحی پر نظر پڑی۔۔۔ صراحی میں پانی بھی موجود تھا۔ عمران نے جوزف کو آواز دی۔ اور اس سے کہا۔ ”تم یہاں ٹھہرو کمرہ اندر سے بند کر لینا۔۔۔ میں ابھی آیا۔“

پھر پشت پر کھلنے والی کھڑکی پر نظر ڈالی جو بند تھی اور چٹخنی بھی چڑھی ہوئی تھی۔

”کیا بات ہے باس۔“ جوزف نے تشویش کن لہجے میں پوچھا۔

”وہ مر رہی ہے جوزف۔ اس بار اسے پانی میں زہر دیا گیا ہے۔“

”پانی میں۔۔۔“ جوزف نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”اس صراحی کا پانی زہریلا ہے۔“ عمران نے صراحی کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا۔۔۔!“ جوزف حلق پھاڑ کر چیخا۔

”شور مت مچاؤ۔ یہ ہسپتال ہے۔“ عمران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”ارے اب میں بھی مر جاؤں گا۔“ جوزف خوفزدہ آواز میں بولا۔ ”تم کہتے ہو شور نہ مچاؤ۔۔۔“

”کیوں تو کیوں مر جائے گا۔۔۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”ابھی ابھی تو پیا ہے میں نے اس میں سے پانی۔۔۔“ وہ پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”اب کیا ہو گا۔ ارے میں مر جاؤں گا؟ میں۔ میں۔ نہیں باس۔۔۔۔۔ مجھے بچالو۔۔۔“

پھر وہ کمرے میں کوئی چیز تلاش کرنے لگا۔ چاروں طرف ناچتا پھر رہا تھا۔

عمران اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ دفعتاً جوزف رک کر دہڑا۔ ”لعت تمہاری تہذیب اور تمدن پر۔۔۔ جان بچانے کے لئے مجھے ایک مکھی بھی نہیں مل رہی ہے۔“

”مکھی۔۔۔؟ مکھی کیا کرے گا۔“

”کھاؤں گا۔۔۔!“

عمران کو ہنسی آگئی۔ ویسے وہ سمجھ گیا تھا کہ جوزف تے کرنا چاہتا ہے۔

پھر وہ اسے ساتھ لے کر کمرے سے نکل ہی رہا تھا کہ پولیس انسپکٹر سے ٹڈ بھیڑ ہو گئی۔ جو اسی طرف آ رہا تھا۔

”آپ لوگ براہ کرم کمرہ ہمارے حوالہ کر دیجئے۔“ اس نے عمران سے کہا۔

”صراحی کا خیال رکھئے گا۔۔۔“ عمران بولا۔ ”یہ بھی اس میں سے پانی پی چکا ہے۔“

اب وہ جوزف کا ہاتھ پکڑے کسلنگ روم کی طرف گھسیٹے لئے جا رہا تھا۔  
 کئی ڈاکٹروں نے جوزف کا معائنہ کر کے استغرافی دوائیں دیں۔ تیسرے دوز کے بعد  
 جوزف کو تے ہوئی جسے کیماوی تجزیہ کے لئے محفوظ کر لیا گیا۔  
 کچھ انجکشن بھی دیئے گئے اور عمران کو پہلی بار معلوم ہوا کہ جوزف جو نہ جانے کتنے نیزوں  
 کے گھاؤسہ چکا ہوگا۔ انجکشن سے بچد ڈرتا ہے۔ انجکشن لگنے سے قبل اس کے منہ پر ہوائیاں  
 اڑنے لگتی تھیں۔ جب سوئی بازو پر رکھی جاتی تو وہ دوسری طرف منہ پھیر کر آنکھیں بند کر لیتا  
 تھا اور نچلا ہونٹ بھی دانتوں میں دبالیٹا تھا۔  
 بہر حال وہ کافی دیر تک نہ مر سکا! دوسری طرف عمران کو مار تھا کی موت کی اطلاع ملی اور وہ  
 بچد مغموم نظر آنے لگا۔ ڈاکٹر دعاگو تو بچھاڑیں کھا رہا تھا۔۔۔ بلکہ کسی ننھے سے بچے کی طرح  
 پھوٹ پھوٹ کر رہا تھا۔  
 کئی گھنٹے گزر جانے کے بعد بھی جوزف نہ مرا۔۔۔ ادھر اس کی تے اور صراحی کے پانی کا  
 تجزیہ بھی ہو چکا تھا۔۔۔ دونوں میں زہر کا شائبہ بھی نہ ملا۔  
 اسی شام کیپٹن فیاض پھر عمران کا داغ چاٹ رہا تھا۔  
 ”پھر وہ کیسے مری۔“ اس نے کہا۔  
 ”زہر ہے۔۔۔ لیکن وہ صراحی کے پانی میں ہرگز نہیں تھا۔“  
 ”پانی بدلا بھی جاسکتا ہے۔۔۔“  
 ”ناممکن۔۔۔ جوزف دروازے سے ہلا بھی نہیں تھا۔“  
 ”جوزف۔“ کیپٹن فیاض غرایا۔ ”کیا وجہ ہے کہ میں اسی پر شبہ نہ کروں۔“  
 ”شبہ نہ کرنے کی کوئی معقول وجہ سوچو۔“  
 ”وہ تمہیں بچد چاہتا ہے۔“ فیاض کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس لئے مار تھا کا وجود برداشت نہ  
 کر سکا کیونکہ وہ شاید تمہیں چاہنے لگی تھی۔“  
 ”اس فارمولے کے تحت تو تمہیں بہت پہلے ہی اپنی بیوی کے ہاتھوں قتل ہو جانا چاہئے  
 تھا۔۔۔ کیونکہ تم بھی مجھے بہت چاہتے ہو۔۔۔ چاہتے ہوتا۔۔۔“  
 ”عمران سنجیدہ ہو جاؤ۔۔۔ دلدل میں پھنس گئے ہو تم۔“  
 ”اور تم بھنور میں چکرار ہے ہو۔۔۔“  
 ”مجھے جوزف کو حراست میں لینا پڑے گا۔“  
 ”ضرور کوشش کرو۔۔۔ میں خود ہی یہی چاہتا ہوں کہ کچھ دنوں کے لئے اس سے چھپا

پھوٹ جائے۔۔۔“  
 فیاض کچھ نہ بولا۔  
 وہ ہسپتال کے اسی کمرے میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے جہاں مار تھا مقیم تھی۔  
 ”بوی اچھی لڑکی تھی۔۔۔“ فیاض نے تھوڑی دیر بعد کہا۔  
 ”جی! عمران چونک پڑا۔ تھوڑی دیر تک فیاض کو گھور تارہا پھر بولا۔ ”جی ہاں“  
 ”اور شاید اس کی موت کا باعث بھی تم ہی بنے ہو۔“  
 ”جی میری وجہ سے تو سوہنی مہینوال، ہیرا رانجھا، الیسی مجنوں، حاتم طائی وغیرہ سب ہی مر گئے  
 تھے۔“  
 ”تم سے زیادہ شقی القلب آدمی میری نظر سے ابھی تک نہیں گذرا۔“  
 ”ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ بچے ہوا!“  
 ”کام کی بات کرو۔۔۔“ فیاض جھنجھلا گیا۔ ”مجھے جوزف کو گرفتار کرنا ہی پڑے گا۔“  
 ”میں نے کب منع کیا ہے۔ ضرور کرو۔“  
 ”اور تمہاری پوزیشن بھی صاف نہ ہوگی۔“  
 ”پہلے ہی کب رہی ہے۔“  
 اتنے میں جوزف نے اندر آکر کسی کا ملاقاتی کارڈ دیا۔  
 ”آنے دو۔۔۔“ عمران نے طویل سانس لی اور فیاض سے بولا۔ ”کر تل ڈوہرنگ۔“  
 دوسرے ہی لمحے میں دروازہ کھلا اور کر تل ڈوہرنگ اندر داخل ہوا۔  
 ”اوہو۔۔۔“ اس نے فیاض کو مخاطب کر کے کہا۔ ”آپ بھی تشریف فرما ہیں جناب!“  
 ”ہاؤڈوڈوڈو کر تل۔۔۔“ فیاض نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔  
 ”شکریہ۔ ٹھیک ہوں!“ کر تل نے کہا اور عمران کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”تم کیسے ہو!“  
 ”شکریہ! اغنیت ہوں۔“  
 ”میں نے سنا ہے کہ وہ لڑکی جو تمہارے ساتھ تھی زہر خورانی کا شکار ہو گئی۔“  
 ”ہاں۔۔۔“ عمران نے طویل سانس لی اور احقانہ انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔  
 ”مجھے افسوس ہے!“ ڈوہرنگ نے کہا! ”کیا تم دونوں گہرے دوست تھے۔“  
 ”نہیں ایسے گہرے بھی نہیں! بس جان پہچان تھی۔ میرے گولی لگی تو یہاں پرائیویٹ وارڈ  
 میں کوئی کمرہ خالی نہیں تھا۔ اس نے اپنا کمرہ پیش کر دیا۔“  
 ”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ وہ یقیناً کوئی نیک نفس لڑکی تھی۔۔۔“

اس وقت فیاض کی موجودگی بید گراں گذر رہی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو وہ بلا تامل جوزف کو حکم دیتا کہ اسے اٹھا کر سڑک پر پھینک آئے۔  
فیاض نے بھی گویا طے کر لیا تھا کہ بیٹھا ہی رہے گا۔ خواہ خاموش ہی کیوں نہ بیٹھنا پڑے۔  
”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کب ملے گی۔“ عمران نے پوچھا۔  
”مل ہی جائے گی کبھی نہ کبھی۔۔۔ لیکن بر خوردار یہ بتاؤ کہ آج یہاں اس کمرے میں کون کون آیا تھا۔“

”فہرست اس وقت بھی تمہاری جیب ہی میں موجود ہوگی۔“ عمران نے تلخ لہجے میں کہا۔  
”کیا مطلب۔۔۔“  
”میں اندھا نہیں ہوں فیاض صاحب۔۔۔ اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ کے بعض ماتحت میری عمرانی فرما رہے ہیں۔۔۔“  
”میں مجبور ہوں!“ فیاض نے طویل سانس لی۔ ”سب کچھ رحمان صاحب کے حکم سے ہو رہا ہے۔“

”بہر حال فہرست آپ کی جیب میں موجود ہے۔“  
”ہے تو۔۔۔“ فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔  
”میرے پاس معقول وجوہ موجود ہیں کہ اس سلسلے میں اس لڑکی کو چیک کیا جائے جو آج یہاں آئی تھی اور پچھلی رات جو تمہارے ساتھ ٹپ ٹاپ میں تھی۔“  
”وجوہات معلوم کرنا پسند کروں گا۔“  
”وہ رقابت کی بناء پر مارا تھا کوڑہر دے سکتی تھی۔“  
عمران ہنس پڑا۔ دیر تک ہنستا رہا۔ پھر بولا۔ ”جی خوش کر دیا تم نے۔ ارے ہم جیسوں کے لئے بھی اب شہر میں قتل ہوا کریں گے۔ زندہ باد۔“  
”ہوں!“ فیاض غرایا۔ ”تم ہو کس خیال میں۔ وہ اب تک حراست میں لی جا چکی ہوگی۔۔۔“



عمران ہونٹ بھیجنے کیپٹن فیاض کو گھورے جا رہا تھا۔۔۔ کچھ دیر بعد آہستہ سے بولا ”اگر وہ حراست میں لے لی گئی تو آج سے خود کو دنیا کا ناکارہ ترین آدمی تصور کروں گا۔ مائی ڈیر فیئین فیاض۔۔۔“

”کھاراکا کیا حال ہے!“ عمران نے پوچھا۔  
”ٹھیک ہے۔۔۔ کیا تم اس سے نہیں ملے۔۔۔ یہیں تو ہے۔۔۔“  
”موقع ہی نہیں مل سکا۔۔۔ اب ملوں گا۔۔۔“  
”میں نے بتایا تھا تمہارے متعلق۔۔۔ اسے افسوس ہے۔“  
”شکریہ۔۔۔!“  
دفعۃً باہر سے شور کی آواز آئی۔ جوزف کسی سے جھگڑا کر رہا تھا! دوسری آواز پہچانی نہ جاسکی۔  
”کیا مصیبت ہے۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

باہر ڈوہرنگ کے باڈی گارڈ گونڈا اور جوزف کے درمیان گالیوں کا تبادلہ ہو رہا تھا! دونوں ایک دوسرے کو مار ڈالنے پر آمادہ نظر آرہے تھے۔ جوزف تو خصوصیت سے کسی بگڑے ہوئے ہاتھی کی مثال پیش کر رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے خون خوابہ ہوئے بغیر ان میں سے کوئی خاموش نہ ہو سکے گا۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ عمران نے جوزف کو للکارا۔  
”تم دخل مت دو باس اور اگر یہ مرد ہے تو اپنے باس کو بھی دخل اندازی سے باز رکھے گا۔“  
”کیا قصہ ہے گونڈا“ ڈوہرنگ غرایا۔  
”کچھ نہیں باس“ گونڈا ہنس کر بولا۔ ”یہ میرا موطن ہے اور پرانا شناسا ہے۔ اسے اس وقت کچھ پرانی باتیں یاد دلا دی تھیں۔ بس آپ سے باہر ہو گیا۔“  
”کیوں یاد دلا دی تھیں پرانی باتیں۔“  
”بس یاد آگئی تھیں باس۔“ گونڈا ڈھٹائی سے ہنستا رہا۔  
”اچھا بس خاموش۔۔۔ ورنہ ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دوں گا۔“ ڈوہرنگ نے کہا۔  
”جوزف۔۔۔ بکواس بند!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔  
بدقت تمام وہ دونوں خاموش ہوئے۔

فیاض نے عمران سے پوچھا۔ ”اسے کتنی تنخواہ دے رہے ہو۔“  
”تنخواہ۔۔۔“ عمران نے تمہیرانہ لہجے میں دہرایا۔ ”ارے یہ تو اپنا راج پاٹھ اسے ہی تو سونپنا ہے۔“

ڈوہرنگ عمران کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولا۔ ”اچھا لڑکے۔“ میں اب جاؤں گا۔“  
عمران نے مصافحہ کر کے اسے رخصت کر دیا۔ وہ حقیقتاً بہت مضطرب تھا۔ مارا تھا کی موت نے اسے گہرا صدمہ پہنچایا تھا۔ وہ بیچارہ خواہ مخواہ ماری گئی۔ وہ سوچتا اور ٹھنڈی سانس لے کر رہ جاتا۔

”کیا مطلب۔“

”تم اسے حراست میں نہ لے سکو گے۔“

”ہو نہہ!“ فیاض کلائی کی گھڑی پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔ ”اس وقت وہ کو توالی کی حوالات میں ہوگی۔“

”وہم ہے تمہارا۔“ عمران مسکرایا۔ ”ویسے اگر میری بات پر یقین نہ ہو تو۔۔۔ فون کر کے معلوم کر لو، اپنے اسی ماتحت سے جسے اس کام پر لگایا تھا۔“

فیاض کی آنکھوں میں اضطراب کے آثار نظر آئے اور وہ سچ مچ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

اگر اس کے آدمی عمران کی نگرانی کرتے رہے تھے تو پھر بھلا ایکس ٹو کے آدمیوں نے خود اس کے آدمیوں کی نگرانی کیوں نہ کی ہوگی۔ عمران نے اسی وقت سے فیاض اور اس کے ماتحتوں کی نگرانی شروع کرادی تھی جب ایک غیر ملکی سفارتخانے کے بعض افراد مشتبہ نظر آئے تھے اور فیاض کے محکمے کو ان کی طرف خصوصی توجہ دینی پڑی تھی۔

عمران نے جوزف کو آواز دی۔

”لیں باس۔“

”تم جانتے ہو ڈوہرنگ کی لڑکی کس کمرے میں ہے۔“

”نہیں باس۔“

”معلوم کر کے مجھے بتاؤ۔“

”تمہیں بتاؤں؟“ جوزف نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

”ہاں کیوں؟“ عمران نے بھی آنکھیں نکالیں۔

”ابھی ایک لڑکی کا حشر دیکھ چکے ہو باس۔۔۔ اب دوسری بھی!“

”کیا بکتا ہے۔۔۔!“

”جو عورت تم سے قریب ہونے کی کوشش کرے گی اسی طرح مر جائے گی۔“

”ہائیں۔۔۔ ہائیں۔۔۔ ابے کیوں؟“

”تم پر نزولی میا کا سایہ ہے۔“

”نزولی میا۔۔۔“ عمران بوکھلا کر بولا۔ ”یہ کیا ہوتا ہے۔“

”ہوتی ہے۔۔۔ ہوس کی دیوی۔۔۔ بہت بڑی ملعونہ ہے۔۔۔ جس مرد پر اس کا سایہ ہو جائے

اس سے تعلق رکھنے والی کوئی بھی عورت زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتی۔“

”تو مارتھا۔۔۔ کو اسی نے ختم کیا۔۔۔“

”یقیناً باس۔۔۔“

”اچھا۔۔۔“ عمران مردہ سی آواز میں بولا۔ ”اپنی جگہ پر واپس جاؤ۔“

وہ باہر جا ہی رہا تھا کہ فیاض آندھی اور طوفان کی طرح دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ جوزف باہر نکل گیا تھا۔ لیکن فیاض کو اس طرح گھورتا گیا تھا۔ جیسے عمران کے کسی اشارے کا منتظر ہو۔

”تم نے اچھا نہیں کیا۔“ فیاض دانت پیتا ہوا بولا۔

”کیا بات ہے!“ عمران نے بھولپن سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔ میں تمہیں دیکھ لوں گا۔“ فیاض پھر دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔

”یہ تو سنتے ہی جاؤ کہ مارتھا نزولی میا کا شکار ہوئی تھی۔“

”کیا مطلب۔۔۔“

”جوزف سے پوچھنا۔۔۔ ابھی مجھ سے کہہ رہا تھا۔۔۔“

فیاض باہر نکل گیا۔۔۔ عمران کی آنکھوں میں تشویش کے آثار تھے۔

پھر وہ جوزف اور فیاض کی آوازیں سنتا رہا۔ جو شاید کسی اختلافی مسئلے پر بہت ہی زوردار قسم کی بحث کر رہے تھے۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور فیاض اندر گھستا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ بد معاش کیا بک رہا ہے۔“

”نزولی میا!“ عمران نے جلدی جلدی پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

”عمران میں کہتا ہوں کہ بڑے خسارے میں رہو گے۔“ فیاض اسے گھونہ دکھاتے ہوئے بولا۔

”گٹ آؤٹ!“ عمران آنکھیں بند کر کے دہاڑا۔

فیاض کی روانگی کا اعلان دروازے بند ہونے کی گونجی آواز نے کیا۔

عمران کو اطلاع مل چکی تھی کہ ڈاکٹر دعا گو بھی ہسپتال سے فارغ العلاج کر دیا گیا ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے جا بھی چکا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ برآمدے میں نکل آیا۔ بازو کی تکلیف کم ہو گئی تھی۔

دفعتاً ایک کارڈور کے سرے پر سر سلطان کا بوڑھا اشیو نظر آیا۔ شاید کلارا کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا۔

عمران کو دیکھ کر اسی کی طرف چلا آیا۔

”بہتر ہے تم اپنے ڈائرکٹر جنرل صاحب ہی سے پوچھ لو کہ میں کتنی سیدھی طرح گفتگو کرتا ہوں۔“

”مجھ سے نہیں چلے گی۔“ ڈی ایس پی تلخی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔  
 ”غالباً میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے!“ عمران نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”مسٹر عمران آپ ہیں کس خیال میں۔ آپ کو اس لڑکی کا پتہ بتانا ہی پڑے گا۔“

”جوزف۔۔“ عمران نے بلند آواز سے پکارا اور دوسرے ہی لمحے میں جوزف اندر تھا۔ عمران نے اسے عربی میں سمجھانے کی کوشش کی کہ سامنے بیٹھا ہوا آدمی ناخواندہ مہمان کی طرح سر پر مسلط ہو گیا ہے لہذا وہ کسی تدبیر سے اسے چلتا کرے۔

”مسٹر۔۔“ جوزف نے ڈی ایس پی کو مخاطب کر کے دانت نکالے چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ”آج موسم بڑا اچھا ہے۔ ہماری طرف ایک مثل کبھی جاتی ہے کہ ایسے وقت میں دوسروں کو پور کرنے والے یا تو یحید خدا سیدہ ہوتے ہیں یا بالکل احمق۔۔۔۔۔“  
 ”کیا بکواس ہے۔“ ڈی ایس پی عمران کو گھورتا ہوا غریبا۔

”اسے علم نہیں ہے کہ آپ ڈی ایس پی، سی آئی ڈی ہیں اور کہنے تو میں بھی بھول جاؤں۔“  
 ”اب میں تمہیں سچ سچ دیکھ لوں گا۔“

”پھر کسی وقت۔۔۔ اس وقت تو چلے ہی جاؤ۔۔۔ ورنہ۔۔۔“ عمران نے جملہ پورا نہیں کیا۔  
 ”اچھی بات ہے۔۔۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”تھوڑی دیر بعد ایک ایس بیو لنس تمہیں پولیس ہسپتال لے جائے گی۔۔۔ خود کو زیر حراست تصور کرو۔“

”جاتے ہو یا میں کسی خوبصورت سی نرس کو بلواؤں۔۔۔“  
 ”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ دیکھوں گا!“ ڈی ایس پی پیر پٹنٹا ہوا باہر نکل گیا۔ جوزف نے اس کی پشت پر بگائے قسم کے اشارے کئے اور طرح طرح کے منہ بنایا کر ہنستا رہا۔  
 ”نکل جاؤ۔۔۔“ عمران نے اسے بھی لٹکارا۔

معاملات الجھ گئے تھے۔ اسے سنجیدگی سے سوچنا تھا۔ کوئی راہ نکالنی تھی۔ جولیا کی پوزیشن خراب ہو گئی تھی۔ بہر حال ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا جو اصل کام میں رکاوٹ بھی پیدا کر سکتا تھا۔  
 ہو سکتا تھا کہ ڈی ایس پی اپنی دھمکی کو عملی جامہ بھی پہنا دیتا۔ اس لئے جلد ہی کچھ کرنا چاہئے تھا۔

وہ پھر فون والے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا! بلیک زیرو سے رابطہ قائم کر کے کچھ ہدایات

”کہئے حضرت!“ اس نے قریب پہنچ کر چپچپے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”کیسے مزاج ہیں۔“  
 ”شکریہ! آپ اپنی فرمائیے! محبوبہ دلنواز کے مزاج اقدس۔۔۔۔۔!“

”اب جا رہا ہوں۔“ وہ ڈھٹائی سے ہنسا پھر بائیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”اب تو دوسرے ہی معاملات ہیں۔“

”خدا حافظ۔۔۔“ عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔  
 وہ چلا گیا۔ عمران پھر ٹھپکنے لگا۔ وہ دراصل اس کمرے کی نگرانی کر رہا تھا جہاں فون تھا۔  
 موقع کا منتظر تھا کہ کب فون خالی ہو اور کمرے میں بھی کوئی نہ ہو۔۔۔

کچھ دیر بعد موقع مل ہی گیا۔ اس نے ساری احتیاطوں کو بالائے طاق رکھ کر بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کئے اور جولیا کے متعلق رپورٹ طلب کی۔ بلیک زیرو نے بتایا کہ محکمہ سراغ رسانی کے منصوبوں سے بروقت آگاہی ہو جانے پر جولیا نے روپوشی اختیار کر لی ہے۔  
 عمران نے اطمینان کی سانس لی اور ریسپورر رکھ کر اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔

وہ رات تو سکون سے ہی گزری تھی لیکن دوسرے دن صبح ہی صبح محکمہ سراغ رسانی کا ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آدھکا۔ غالباً فیاض نے یہی سوچا تھا کہ پرانے تعلقات کی بناء پر وہ عمران پر سختی نہ کر سکے گا لہذا کسی دوسرے ہی کو یہ کام سونپا جائے۔

”آپ ہی مسٹر علی عمران ہیں۔“ اس نے رنگروٹوں کے سے انداز میں پوچھا۔ لہجہ کا اکڑ پن بہت نمایاں تھا۔

”جناب۔۔۔“  
 ”مجھے مس جولیا نافز واٹر کا پتہ چاہئے۔“

عمران نے اسے پتہ بتایا۔  
 ”اس پتہ پر تو وہ موجود نہیں ہے۔۔۔ مکان بالکل خالی ملا ہے۔ فرنچیز کے علاوہ وہاں اور کوئی سامان نہیں۔۔۔“

”یہ کوئی ایسی تشویشناک بات نہیں! دوسرا سامان بھی مہیا کیا جاسکتا ہے۔“  
 ”ہوں۔“ ڈی۔ ایس۔ پی اسے گھورتا ہوا غریبا۔ ”میں ابھی حال ہی میں کسی دوسرے شہر سے تبادلہ پر آیا ہوں۔ مجھے علم نہیں کہ آپ رحمان صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ کیا سمجھے۔۔۔“  
 ”جناب!“

”لاجواب آئیڈیا ہے۔“ عمران نے اسے متحیرانہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”پھر کیا خیال ہے۔ آپ سیدھی طرح گفتگو کریں گے یا نہیں۔۔۔“

دیں اور جوزف کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ ”ایک ٹیکسی لاؤ اور عقیبی پارک میں اسے روک رکھنا۔“

جوزف چلا گیا! ہسپتال سے نکل بھاگنا آسان کام نہیں تھا۔ لیکن وہ تہیہ کر چکا تھا کہ اب یہاں نہیں رہے گا۔

کچھ دیر بعد اندازہ کے مطابق اس نے فرض کر لیا کہ جوزف کی لائی ہوئی ٹیکسی عقیبی پارک میں پہنچ گئی ہوگی۔

وہ ٹہلنے کے سے انداز میں باہر نکلا اور ٹہلتا ہی چلا گیا۔ اندازہ درست تھا جوزف ٹیکسی سمیت وہاں موجود تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔۔۔ عمران نے اگلی نشست کی طرف اشارہ کیا اور جوزف نے چپ چاپ تعمیل کی۔ عمران نے پچھلی نشست پر بیٹھتے ہوئے..... ڈرائیور کو رحمان صاحب کی کوٹھی کا پتہ بتایا۔

کچھ دیر بعد جب ٹیکسی کو ٹھہری کی کپاونڈ میں داخل ہوئی تو ہلچل مچ گیا! کیونکہ خواتین صبح کی دھوپ کے لئے لان ہی پر موجود تھیں۔۔۔ عمران کی عم زاد بہنوں نے تو ٹیکسی ہی کی بلائیں لینی شروع کر دی تھیں..... پھر ایک نے دروازہ کھول کر عمران کو اپنے بازو کا سہارا پیش کیا۔ ثریا البتہ دور کھڑی اسے اس طرح گھور رہی تھی۔ جیسے کچا ہی چبا جائے گی۔ اور جوزف قریب ہی ”اینٹن شین“ نظر آ رہا تھا۔

عمران نے بعد آداب اماں بی کو یہ خوشخبری سنائی کہ اب وہ وہیں رہے گا! ”کیوں؟ کیسا ہے بازو۔۔۔“ انہوں نے پوچھا۔ پھر جلدی سے بولیں۔ ”چلو اندر چلو۔“ اور اس کی ایک چچا زاد بہن سے بولیں۔ ”جاؤ۔۔۔ جلدی سے بستر درست کر دو۔“

”اب بستر کی ضرورت نہیں!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”کیونکہ شاید تھوڑی دیر بعد گرفتار کر لیا جاؤں۔۔۔ ڈیڑی ابھی یہیں ہیں یا دفتر گئے؟“

”ہیں۔۔۔ لیکن تو گرفتار کیوں کر لیا جائے گا۔“

”وہ لڑکی مار تھا مر گئی نا! کسی نے زہر دے دیا تھا۔ ڈیڑی کے ڈیپارٹمنٹ کو شبہ ہے نہ یہ حرکت جو لیا کی ہے..... ادھر وہ کم بخت جو لیا اپنی خالہ جان سے ملنے سوئٹزر لینڈ چلی گئی ہے۔ اب وہ سب مجھ سے پتہ پوچھ رہے ہیں اس کا۔۔۔ بھلا میں کیا جانوں کہ اس کی خالہ جان کہاں رہتی ہیں۔۔۔“

”ارے آپ کو اپنی خلیا ساس کا پتہ نہیں معلوم۔۔۔“ ثریا بولی۔

”خ خلیا ساس۔۔۔ میں نے کبھی نہیں سچھی..... اوہ تم شاید ٹو میو ساس کہنا چاہتی تھیں۔۔۔“

”بکواس بند کرو۔۔۔ اندر جاؤ۔۔۔ تمہارے ڈیڑی لا بریری میں ہونگے۔“ بیگم رحمان نے کہا۔ اور عمران نے جوزف کو شاگرد پیشہ کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔

رحمان صاحب لا بریری ہی میں ملے۔ حیرت سے عمران کو دیکھا اور کھار کر بولے ”تم ہسپتال سے کیوں چلے آئے۔۔۔“

”یہاں اس کو ٹھہری سے گرفتاری میرے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔ اخبارات بڑی شاندار مرخیاں جمائیں گے۔“

”اوہ سمجھا۔۔۔ رحمان صاحب غرائے“ بیٹھ جاؤ۔۔۔ بتاؤ وہ لڑکی فٹرواٹر کہاں ہے۔“

”میں نہیں جانتا۔ قسم لے لیجئے۔۔۔“

”ہوں لیکن تم بھی تو شجے سے بالاتر نہیں ہو۔“

”میں تو کتے کے پلے سے بھی بالاتر نہیں ہوں۔۔۔ لیکن۔۔۔!“

”بکواس مت کرو۔۔۔ تم میرے لئے بدنامی کا باعث بن رہے ہو۔ کیا کسی دوسرے شہر میں جا کر نہیں مر سکتے۔“

”مجبوری ہے۔۔۔ یہاں تو آپ ہی رحم کھا کر کفن و دفن کا انتظام کر دیں گے۔ دیار غیر میں میت کی بھی خرابی ہو جائے گی۔۔۔“

”جاؤ۔۔۔ ننگو یہاں سے۔“ وہ جھلا کر کھڑے ہو گئے۔

”کوٹھی سے؟“ عمران نے بڑے بھولپن سے پوچھا۔

”نہیں! اس کمرے سے۔“

”ویسے بڑی ضروری باتیں کرنی تھیں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”آخر ڈپٹی سیکرٹری نے اس وقت خود کشی کیوں کی جب آپ کا محکمہ اس میں دلچسپی لینے لگا تھا۔“

”میں کیا بانوں!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خشک لہجے میں بولے۔

”کیا ممکن نہیں کہ اسے اس نگرانی کا علم ہو گیا ہو۔“

”ممکن ہے۔۔۔ پھر۔۔۔؟“

”اور یہ کہ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ وہ معاملہ براہ راست وزارت خارجہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ نے یہ بھی اکثر سنا ہوگا کہ میں محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس کے لئے اکثر کام کرتا ہوتا ہوں۔“

”ہوں۔“ رحمان صاحب اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے۔

”اور اگر اس کام میں خلل پڑا تو.....“

”جی ہاں..... میں جانتا ہوں آپ خاموش رہیں!“ رحمان صاحب نے زہریلے لہجے میں کہا

”لیکن یہ تو فرمائیے آخر آپ نے ڈاکٹر دعاگو کو کیوں تاک لیا ہے۔“

”نہ تاکتا تو اتنے کام کی بات ہر گز معلوم نہ ہوتی۔“

”کیا مطلب۔!“

”کوئی نامعلوم آدمی اسے محکمہ خارجہ کے خلاف سراغ رسانی پر مجبور کر رہا ہے اس کا کہنا ہے چونکہ محکمہ خارجہ کے اکثر آفیسر تمہارے زیر علاج ہیں اس لئے تم ان سے بہت کچھ معلوم کر سکو گے۔“

”یہ کب کی اطلاع ہے۔“

”مارتھا پر زہر کے اثرات ظاہر ہونے سے کچھ دیر قبل اس نے مجھے یہ بات بتائی تھی۔“

رحمان صاحب نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ عمران بول پڑا۔ ”ٹھہریے!“

”کیوں؟“ رحمان صاحب ہاتھ روک کر غرائے۔

”کیا آپ اسے موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔“

”کیوں؟“ وہ میز پر ہاتھ مار کر بولے۔ ”جلدی بناؤ تا میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

عمران نے وہ گفتگو من و عن دہرادی جو ان دونوں کے درمیان ہوئی تھی۔

رحمان صاحب کسی فکر میں پڑ گئے! عمران بیٹھا احمقانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا اور ہاتھ جھلاتا ہوا باہر چلا آیا۔

اس کی دونوں عم زاد برآمدے میں شاید اسی کی منتظر تھیں۔

”ہائے بھائی جان!“ ان میں سے ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ”یہ رنگت کیسی نکھر آئی ہے تمہاری۔“

”کایا پلٹ ایٹن استعمال کر رہا ہوں آجکل۔“

”یہ کون سا ایٹن ہے!“ دوسری نے پوچھا۔

”ارے تم نے اشتہار نہیں دیکھا اخباروں میں! ہر روز نئی سرخی کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔“

آج کے اخباروں نے سرخی بجائی تھی۔ شادی کیوں نہ ہوئی؟ کالی تھی۔ لیکن صرف چند دن کا پلٹ ایٹن استعمال کرنے کے بعد دس شادیاں ہو گئیں۔ اور پھر یہ نکوڑ ماریاں منوں ایٹن کہ گئیں۔ لیکن وہی کالی۔ کالی۔ ناس جائے۔۔ ہاں نہیں تو۔۔“

عمران نے خاموش ہو کر کسی جلتے تن شوہر خور کی طرح گردن جھٹکی۔

”اوہ..... بھائی جان آپ نے تو کافی ترقی کر لی ہے! کسی عمر رسیدہ بیوہ سے ٹریننگ لی ہے

”نہ!“

”میں خود کسی بیوہ سے کم ہوں۔!“

”ہائے! آپ تو رنڈوے بھی نہ ہوئے!“ دوسری نے غمناک لہجے میں کہا۔ ”بھائی جان رنڈو کیا ہوتا ہے؟“ پہلی نے پوچھا۔

”یہ بیچارہ یتیم سے بھی بدتر ہوتا ہے۔۔ کیونکہ یتیم کے سر پر ہاتھ دھرنے والے تو بہترے پیدا ہو جاتے ہیں لیکن اس بیچارے کو کوئی نہیں پوچھتا۔“

”کیوں دماغ خراب کر رہی ہو تم لوگ اپنا۔“ پشت سے ثریا کھڑکھرائی۔

”ہاں۔ ہاں۔ جاؤ۔ جاکر لگائی بھائی کرو۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”جنت میں محل تعمیر ہو جائے گا تمہارے لیے۔“

اتنے میں پھانک سے ہارن کی آواز آئی۔ ایک بہت بڑا ملٹری ٹرک آکر رکا تھا۔ جس پر مسلح سپاہی تھے۔۔ عمران نے ایک لیفٹیننٹ کو نیچے اترتے دیکھا جو چوکیدار کے قریب پہنچ کر اس سے کچھ کہنے لگا تھا۔

عمران نے طویل سانس لی۔۔ اور خوفزدہ انداز میں لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا!



لڑکیاں بھی متحیرانہ انداز میں ایک دوسری کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

”اب خدا ہی ڈیڈی کی عزت آبرو بچائے۔“ ثریا بڑبڑائی۔

چوکیدار برآمدے کی طرف آ رہا تھا لیکن لیفٹیننٹ پھانک ہی پر رک گیا تھا۔

”چھ صاحب..... وہ آپ کو پوچھتا۔“ چوکیدار نے قریب پہنچ کر عمران سے کہا۔

”کیا پوچھتا۔“

”ملاقات چاہتا..... جناب۔“

”بلا لاؤ۔۔“

”نہیں۔“ ثریا جھلا کر بولی۔ ”آپ خود تشریف لے جائیے۔“

”اچھا۔“ عمران نے طویل سانس لی اور چوکیدار کے ساتھ چل پڑا۔

جیسے ہی پھانک کے قریب پہنچا لیفٹیننٹ نے ایڑیاں بجا کر اسے سیلوٹ کیا۔



”یہ خط ہے جناب!“ لیفٹینٹ نے ایک لفافہ عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

عمران نے لفافہ لے کر چاک کیا! خط اسی کے نام تھا۔ بغور دیکھتا رہا پھر اسے تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”کیا آپ کچھ دیر ڈرائنگ روم میں انتظار کر سکیں گے۔“ میں دراصل زخم کی ڈریسنگ کرانے جا رہا تھا۔“

”کیا ہسپتال جائیں گے۔۔“

”نہیں۔۔ یہیں گھر پر۔۔ آئیے!“ عمران نے کہا اور اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لایا۔ اسے بٹھا کر پھر لائبریری میں آیا اور رحمان صاحب کی موجودگی ہی میں بلیک زیرو کے نمبر ڈائیل کر کے ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”ہوں۔۔ میں عمران ہوں۔ کیا تمہارے علاوہ کسی اور کو بھی علم ہے کہ میں ہسپتال سے کوٹھی پہنچ گیا ہوں۔۔ نہیں۔۔ ٹھیک۔۔ کیا ملٹری کی سیکرٹ سروس والوں کو بھی اس کا علم نہیں ہو سکتا؟ ہوں۔۔ اچھا۔۔ دیکھو تھری ایٹ سکس پر رنگ کر کے وائی سی سے پوچھو کہ عمران کی طلبی کے لئے کوئی دستی خط تو نہیں بھیجا گیا؟۔۔ اور معلوم کر کے فوراً ہی مجھے فائیو نائن ڈیل تھری سکس پر مطلع کرو۔ جلدی۔“ عمران نے ریسپورر رکھ کر نکلیوں سے رحمان صاحب کی طرف دیکھا جو اسے مسلسل گھورے جا رہے تھے!

”کیا قصہ ہے۔۔“ انہوں نے پوچھا۔

”مجھے اسٹیشن کمانڈر کے آفس میں طلب کیا گیا ہے۔“

”کیوں طلب کیا گیا ہے۔“

”خدا جانے۔۔ ایک سیکنڈ لیفٹینٹ ڈرائنگ روم میں میرا منتظر ہے اور ٹرک پھانک پر کھڑا ہے۔“

”کیا کرتے پھر رہے ہو تم۔“ رحمان صاحب اٹھتے ہوئے غرائے۔

”بیٹھے۔۔ بیٹھے۔۔ جواب مل جانے پر ہی اس کا جواب دے سکوں گا۔“ عمران نے فون کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔

”فون پر کون تھا؟“

”میرا ایک شناسا!“ عمران نے جواب دیا لیکن رحمان صاحب کی آنکھوں میں بے اعتباری صاف پڑھی جاسکتی تھی۔

پھر وہ دونوں ہی فون کی طرف گھورتے رہے۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسپور اٹھایا۔ دوسری طرف سے بولنے والے کی باتوں پر ہوں ہوں کرتا رہا۔ پھر بولا۔ ”وائی سی کو پھر فون کرو۔۔ بتاؤ کہ ایک ٹرک مسٹر رحمان

کے پھانک پر موجود ہے اور خط لانے والا سیکنڈ لیفٹینٹ ڈرائنگ روم میں عمران کا انتظار کر رہا ہے۔۔“

عمران نے پھر سلسلہ منقطع کر دیا اور رحمان صاحب بولے۔ ”اگر تم نے مجھے دیر تک الجھائے رکھا تو میں۔۔۔۔!“

”ٹھہریے۔۔ بتاتا ہوں“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وہ لوگ دراصل مجھے قتل کر دینا چاہتے

ہیں۔“

”کون لوگ۔۔“

”دہی جن کی نگرانی آپ کا محکمہ کرتا رہا ہے۔“

”کرنل ڈوبرنگ وغیرہ۔۔“

”جی ہاں۔۔“

”لیکن ابھی تک ہمیں ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت نہیں مل سکا ہے۔“

”جی ہاں۔ جس کے ذریعہ واضح ثبوت مل جانے کی توقع تھی وہ تو خود کشی کر بیٹھا۔“

”تمہارا خیال درست ہے۔“

”تو پھر اب آپ کا محکمہ اس معاملے کو اسی جگہ ختم کر دے گا۔“

”مجبوری ہے۔“

”میں دوسرا ذریعہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوں۔“

”یعنی۔۔!“

”آپ کو اطلاع مل ہی چکی ہو گی کہ سر سلطان کانیا اسٹینو بھی ان لوگوں سے ملتا ہے“

”ابھی حال ہی میں یہ بات بھی سامنے آئی ہے۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ اب وہ محتاط ہو جائیں گے۔ شاید ہی اسٹینو والی چال کامیاب ہو سکے! لہذا وہ زبے بھی نہایت مخلص قسم کا گدھا ہے۔“

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے پھر بولے۔ ”آپ یہ فرمائیے کہ جنرل شاہد کے محکمے سے آپ کو کیا سر وکار! میں جانتا ہوں کہ وائی سی اس کے ایک مخصوص سیکشن کا نام ہے۔۔!“

”اور آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وائی سی محکمہ خارجہ سے بھی کسی حد تک تعلق رکھتا ہے۔۔۔۔۔ اور اب یہ بتانا بیکار ہو گا کہ محکمہ خارجہ کی سیکرٹ سروس کا ایک انفارمر ہوں۔“

”میں جانتا ہوں!“ رحمان صاحب تلخ لہجے میں بولے۔ ”اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ایک

نہرو کی حیثیت سے تم صرف سیکرٹ سروس سے ہی رابطہ قائم کر سکتے ہو! براہ راست وائی سی

سے نہیں! اس کا مجاز صرف سیکرٹ سروس کا چیف ہی ہو سکتا ہے۔“  
 ”پتہ نہیں کیوں یہ لوگ مجھ پر اتنے مہربان ہو گئے ہیں کہ میں بعض حالات میں براہ راست وزیر خارجہ سے بھی رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔“

رحمان صاحب اسے خاموشی سے گھورتے رہے۔

کچھ دیر بعد پھر فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف سے بلیک زیرو نے اطلاع دی کہ وہ اس کے احکامات کی تعمیل کر چکا ہے۔ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

”اب۔۔“ وہ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”شاید ایک شاندار کھیل شروع ہو جائے۔۔ یہ لوگ جو ابھی پکڑے جائیں گے شاید ان کے خلاف کوئی واضح ثبوت فراہم کر سکیں۔“

رحمان صاحب کچھ نہ بولے، بدستور اسے گھورتے رہے۔۔!

تھوڑی دیر بعد کسی گوشے سے ایک نسوانی چیخ ابھری۔ عمران اور رحمان صاحب اٹھ کر آواز کی جانب دوڑے۔ ڈرائنگ روم میں چاروں خواتین کھڑی کانپ رہی تھیں اور لیفٹیننٹ نے ان کی جانب ریوالور تان رکھا تھا۔

”خبردار۔۔“ اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہی للکارا۔ ”چپ چاپ کھڑے رہو، ورنہ۔۔۔۔۔“

ارے۔ ارے! عمران بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ”یہ کیا کر رہے ہو بھائی صاحب۔“

”مجھے باہر نکلنے کا راستہ بتاؤ۔۔ ورنہ ایک آدھ کو ضرور قتل کر دوں گا۔“

”باہر نکلنے کا راستہ!“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”آپ پھانک ہی سے تو گذر کر تشریف

لائے تھے۔ بھائی صاحب۔ اب راستہ پوچھ رہے ہیں!“

”ملٹری والوں نے کوٹھی گھیر لی ہے!“

”ارے تو نکلنا باہر دیکھیں گے کہ وہ تمہیں کیسے سیلوٹ کرتے ہیں!“

”میں کچھ فائر کر دوں گا۔ ورنہ مجھے کسی ایسے راستے سے باہر نکال دو جدھر ملٹری نہ ہو!“

”کیا پتہ تم کیا کہہ رہے ہو۔۔ بھلا تمہیں ملٹری سے کیا خوف جب کہ خود بھی ایک ملٹری

آفیسر ہو!“

”میں کچھ کہتا ہوں۔۔۔“

”اوہ۔۔ آگے۔۔“ عمران جلدی سے بول پڑا۔

اور جیسے ہی لیفٹیننٹ نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ عمران نے اس پر چمٹا لگا دی۔  
 سو تیس چپختے لگیں۔ رحمان صاحب نے انہیں ڈانٹا عمران اور لیفٹیننٹ فرش پر ڈھیر ہو گئے تھے!

عمران نے دابنہ ہاتھ سے ریوالور والا ہاتھ پکڑ رکھا تھا اور زخمی بائیں بازو سے اس کے دوسرے ہاتھ کو ناقابل استعمال بنائے رکھنے کی کوشش بھی جاری تھی۔

رحمان صاحب اس کی مدد کو جھپٹے اور دوسرے ہی لمحے میں ریوالور ان کے قبضے میں تھا۔  
 اتنے میں ایک ملٹری آفیسر بھی آوازیں دیتا ہوا اندر گھس آیا۔

تھوڑی دیر بعد پہلے آنے والا لیفٹیننٹ ہتھکڑیوں سمیت نظر آیا۔

عمران نووارد آفیسر کو الگ لے جا کر آہستہ سے بولا۔ ”اسے وائی سی کے سپرد کرنا ہے۔“

”بہت بہتر جناب۔۔ ویسے میں وائی سی ہی کی طرف سے آیا ہوں۔“

جعلی لیفٹیننٹ کے دوسرے دس ساتھی بھی گرفتار کر لئے گئے جو باہر ٹرک میں موجود تھے۔

عمران کے بازو کے زخم سے خون بہہ رہا تھا! اور بیگم رحمان بوکھلائے ہوئے انداز میں چیخ

رہی تھیں۔ ”ارے ڈاکٹر کو فون کرو۔۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“

”ان کی لیاقت سے ماں باپ کا کلیجہ ٹھنڈا ہو رہا ہے!“ ثریانے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”کیا ریفریجریٹر کو اردو میں لیاقت کہتے ہیں۔“ عمران نے بڑے بھولپن سے کہا۔

”بکواس بند کرو تم لوگ۔۔ عمران۔ تم میرے ساتھ چلو۔“ رحمان صاحب غرائے۔ وہ اسے

اپنے ساتھ غسل خانے میں لائے اور بازو کی پٹی کھولنے لگے پھر ایک ملازم کو آواز دے کر

فرسٹ ایڈ کا بکس لانے کو کہا۔ پھر عمران سے بولے۔ ”میرا محکمہ خواہ مخواہ اس معاملے میں کود پڑا

جب کہ خود محکمہ خارجہ بھی پہلے ہی سے محتاط تھا۔“

”بالکل۔۔ بالکل۔۔“ اپنے محکمہ کو اس سے الگ ہی رکھیں۔ میں یہی عرض کرنے والا

تھا۔۔“

”لیکن تم۔۔؟“

”ارے میں بیچارہ کیا۔۔؟“

”مطاب یہ کہ تم بدستور دشواریوں میں مبتلا رہو گے۔“

”آخر کیوں۔۔“

”مارتھا کی زہر خورانی۔۔“

”ارے صاحب تو کیا میں نے۔“

”وہ لڑکی جو لیانا فز وائر کہاں غائب ہو گئی۔“

”یقین کیجئے۔۔ ڈیڈی۔۔“

”مجھے یقین دلانے کی کوشش نہ کرو۔۔ اس کا پتہ تم ہی سے پوچھا جائے گا! کیونکہ وہ تمہیں

دیکھنے وہاں گئی تھی۔“

”بھلا بتائیے۔۔ میں اس کا پتہ کیسے بتا سکوں گا۔“

”اگر وہ خود ہی مجرم نہیں تھی تو روپوش کیوں ہو گئی۔“

”لوگ غلط سمجھتے ہیں ڈیڈی! میرے کبھی کسی عورت سے ایسے تعلقات نہیں رہے کہ وہ کسی دوسری ملنے والی کو قتل کر سکے۔“

”بکو مت۔۔ مجھے اس کا پتہ چاہئے۔“

”اب آج میں بعد نماز عشاء و خیفہ پڑھ کر سوؤں گا۔ شاید کوئی موکل خواب میں اس کا پتہ بتا جائے۔“

”میں کہتا ہوں خاموش رہو۔“

فرسٹ ایڈ بکس آگیا تھا! اور اب رحمان صاحب بازو کا زخم دیکھ رہے تھے۔

”تمہاری حماقتوں سے میں تنگ آگیا ہوں۔“ وہ بڑبڑائے۔ ”دوبارہ آپریشن کرانا پڑے شاید

زخم پھٹ گیا ہے اور اس میں کچھ مواد بھی معلوم ہوتا ہے۔“

عمران کچھ نہ بولا۔

ڈریسنگ تو ہو گئی لیکن رحمان صاحب نے لائبریری میں آکر سول سرجن کو فون کیا! پھر

فون رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بجی۔۔ انہوں نے ریسپور اٹھا لیا اور ماؤتھ پیس میں بولے۔ ”یس رحمان

اسپیڈنگ۔۔ اوہ۔۔“ پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں وہ سنتے رہے اور ہوں ہوں کرتے رہے۔ پھر بولے۔

”ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔“

ریسپور رکھ کر وہ عمران کی طرف مڑے اور بولے۔ ”محکمہ خارجہ سے ہدایت ملی ہے کہ میرا

محکمہ ان معاملات سے دستکش ہو جائے۔“

”نہایت معقول مشورہ ہے۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”لیکن میرے وارنٹ کا کیا ہو گا۔“

”میری دانست میں اس کا کیس سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک عورت زہر سے ہلاک ہوئی

دوسری نے روپوشی اختیار کی۔ ہم اس پر شبہ کر رہے ہیں اور ایک ایسے آدمی کو جانتے ہیں جو اس

کا پتہ یقینی طور پر جانتا ہو گا۔“

”اور اس آدمی کا ڈائریکٹر جنرل صاحب سے کیا رشتہ ہے۔“

”کچھ بھی نہیں!“ رحمان صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے۔ ”مجھے ذرہ برابر بھی پروا نہ

ہو گی۔ اگر تم یہیں سے گرفتار کئے جاؤ۔“

”تب تو پھر مرنے کو بہت جگہیں ہیں۔“

”تمہاری مرضی۔۔“ رحمان صاحب نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ ”لیکن سول

سرجن کے معائنے کے بعد۔“

”اس کی بھی کیا ضرورت ہے؟“

”بکو اس نہیں۔“

”سول سرجن کے علم میں لانے کی کیا ضرورت ہے کہ میں یہاں آیا تھا۔ کیا رحمان صاحب

کی بدنامی نہ ہو گی کہ انہوں نے ایک ہاتھ آئے ہوئے ملزم کو قتل جانے دیا۔“

”فکر نہ کرو۔۔“ وہ ہاتھ جھٹک کر بولے۔ ”اور اب خاموش بیٹھو۔“

کچھ دیر بعد سول سرجن بھی آ پہنچا، لیکن اس نے تیس نکھار نہیں کی! صرف یہ پوچھا تھا کہ

گولی کب لگی تھی اور پہلا آپریشن کب ہوا تھا۔

”بہتر ہے کہ آپ انہیں ہسپتال میں داخل کرادیں۔“ سول سرجن نے رحمان صاحب سے

کہا۔

”بعض دشواریوں کی بناء پر ممکن نہیں۔“ رحمان صاحب نے جواب دیا۔

”تو پھر یہیں دیکھا جائے گا۔“

رحمان صاحب نے عمران کے فلیٹ کا پتہ بتا کر کہا۔ ”میری دانست میں تو وہیں مناسب

ہو گا۔“

”جہاں آپ فرمائیں۔۔ وہاں پہنچانے کے بعد مجھے مطلع کر دیجئے گا۔“

”شکریہ!“ رحمان صاحب نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ اور اس کے

رخصت ہو جانے کے بعد عمران سے بولے۔ ”تم میرے لئے ہمیشہ دشواریاں پیدا کرتے رہو

گے۔ میں مجبور ہوں فی الحال تمہیں یہاں نہیں رکھ سکتا۔“

عمران کچھ نہ بولا۔

پھر جب نیگم رحمان کو یہ معلوم ہوا کہ عمران واپس بھی جا رہا ہے تو انہوں نے کوٹھی سر پر

اٹھائی اور رحمان صاحب انہیں اونچ نیچ سمجھانے کے سلسلے میں خاصے احمق نظر آنے لگے۔

بیشکل تمام حالات قابو میں آئے اور عمران کو وہاں سے رخصت کر دیا گیا۔

فلیٹ میں پہنچ کر عمران نے بلیک زیرو کو پھر فون کیا اور اسے ہدایت کی کہ سارے ماتحت اس

کے فلیٹ کی نگرانی کریں۔

جوزف اور سلیمان میں جھڑپ ہو گئی! سلیمان کہہ رہا تھا کہ آخر اس نے اسے اس حادثہ کی

اطلاع کیوں نہیں دی تھی! جوزف کہہ رہا تھا کہ وہ صرف ایک باورچی ہے لہذا اسے ان معاملات



سول سرجن نے برا سامنہ بنا کر سر کو جھکا دیا اور تنفر آمیز لہجے میں بولا۔ ”جنگل“  
 ”مم۔۔ مگر جناب۔۔ پبلک تو فیض یاب ہو رہی ہے۔“  
 ”تو ہم پرستوں کے جنگل میں اور کیا ہوگا۔“

”مجھے خود بھی حیرت ہے۔۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”الو ہمارا ہے لوگوں کو۔۔۔ میں اس میں یقین نہیں رکھتا کہ زیادہ تر جسمانی امراض کی وجہ ذہنی ہوتی ہے۔ اور انہیں محض اپنی قوت ارادی کی مدد سے یا خود کو دوسروں کی قوت ارادی کے حوالے کر کے دور کیا جاسکتا ہے۔“

”وہ تو ثابت کر دیتا ہے جناب۔۔“

”زبانی یا عملی طور پر۔۔“

”زبانی ہی سہی۔۔ لیکن یہ بھی مشکل کام ہے۔۔“

”کیا آپ نے اس کا کوئی کیس کامیاب ہوتے دیکھا ہے۔“ سول سرجن نے پوچھا۔

”مجھے ہی دیکھ لیجئے بندوق کی آواز سن کر چارپائی کے نیچے دبک جاتا تھا۔ اب دیکھئے کہ بازو پر ریو اور کی گولی کا زخم لئے بیٹھا ہوں۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔۔ آپ کے ہاتھ میں بھی ریو اور ہوتا تو بات بھی تھی!“ سول سرجن ہنس کر بولا۔ ”اچھا جناب میں پھر عرض کروں گا کہ براہ کرم احتیاط برتنے ورنہ زحمت میں پڑ جائیے گا۔ کم از کم ایک ہفتہ اور آرام کیجئے!“

”یقیناً۔۔ یقیناً۔۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”آپ کی دیکھ بھال کون کرے گا!“ سول سرجن نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہ تو میں خود ہی کر لیتا ہوں۔ جی ہاں!“ عمران کے چہرے پر حماقت بکھر گئی

”نیگم صاحبہ کہاں ہیں۔۔“

”انہوں نے تو نہ آنے کی قسم کھا رکھی ہے۔۔“

”مانیکے میں ہیں۔۔“

”جی ابھی تو مانیکے میں بھی نہیں ہیں۔۔“

”ابھی شادی نہیں ہوئی سر!“ نرس نے ہنس کر کہا۔

”خیر۔۔ خیر۔۔ تم ان کی دیکھ بھال کرو گی!“ سول سرجن اٹھتا ہوا بولا۔

”اوکے سر!“ نرس نے کہا۔

سول سرجن کے جانے کے بعد عمران بڑی دیر تک خیالات میں کھویا رہا۔ ڈاکٹر دعا گو کیوں

بھاگ تھا اس طرح؟ اس پر کیا گذری ہوگی؟ کیا اس کے ماتحت اس کا اشارہ سمجھ کر دعا گو کا تعاقب کر سکے ہوں گے؟

دفنٹا فون کی گھنٹی بجی اور نرس کرسی سے اٹھ کر فون کی طرف چھٹی۔

”یہ فون ادھر اٹھا دو۔۔“ عمران نے اس سے کہا۔

فون پر بلیک زید تھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت اس نے ایکس وٹو والے مخصوص فون پر رابطہ نہیں قائم کیا تھا۔

”ہلو۔۔“ عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”کیوں؟ اس نمبر پر کیوں؟“

”میں نے کہا۔۔۔ ممکن ہے۔۔۔!“

”کچھ نہیں۔۔ محتاط رہو۔۔ اگر کوئی ضروری بات ہو تو۔۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا اور عمران دوسرے کمرے میں جانے کے لئے پلنگ سے اترنے لگا۔

”دیکھئے۔۔ جناب!“ نرس اشعتی ہوئی بولی۔ ”یہ زیادتی ہے۔“

”ایک منٹ!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں ابھی آیا۔ تم یہیں ٹھہرو۔“

”وہ ایکس ٹو کے فون والے کمرے میں آیا۔ زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ گھنٹی بجی۔“

دوسری طرف سے بلیک زید بول رہا تھا۔ ”صفدر نے اطلاع دی ہے کہ کچھ دیر پہلے ڈاکٹر دعا گو آپ کے فلیٹ سے چنچا ہوا برآمد ہوا تھا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا تھا۔ صفدر اور چوہان اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔“

”تمہیں کس سے اطلاع ملی ہے!“ عمران نے پوچھا۔

”سارجنٹ نعمانی سے۔“

”کیا اس کی کاراب بھی فلیٹ کے سامنے موجود ہے۔“

”جی ہاں!“ دوسری طرف سے جواب ملا۔ ”تنویر اور خاور اس کی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔“

”تھوڑے تھوڑے وقفے سے مجھ سے رابطہ قائم کرو۔۔“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر

دیا۔

کمرے میں واپس آیا تو نرس بولی۔ ”دیکھئے جناب! آپ کتنی جلدی ڈاکٹر کی ہدایات بھول گئے۔“

”سب یاد ہیں۔“ عمران احمقانہ انداز میں بولا۔

”پھر آپ ان پر عمل کیوں نہیں کرتے۔۔“

”آپ کب تک رہیں گی یہاں!“ عمران نے منموم لہجے میں پوچھا۔

”جب تک سول سرجن صاحب چاہیں گے۔“ نرس نے جواب دیا۔

یہ ایک نو عمر اور شوخ قسم کی لڑکی تھی۔ آنکھوں سے پچپنا نکلتا تھا۔ جب بات کرتی آنکھوں میں کچھ اسی قسم کی چمک پیدا ہو جاتی جیسے مخاطب کا مضحکہ اڑا رہی ہو۔

عمران مسہری پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے نرس سے کہا ”ریڈیو پر کمرشل سروس سنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ حالانکہ اشتہارات سننے کے شوق میں مجھے خواہ خواہ لاتا منگیشکر اور نور جہاں وغیرہ کو بھی ہضم کرنا پڑتا ہے۔“

”ہضم کرنا پڑتا ہے۔“ نرس نے حیرت سے کہا۔

”اور کیا! گانا سنو تو وہ اشتہارات بھی نہیں سناتے۔“

”کیا لاتا اور نور جہاں آپ کو پسند نہیں۔“

”وہ تو بہت پسند ہیں لیکن گاتی کیوں ہیں!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”ارے واہ۔۔۔ بھلا آپ کو کیوں برا لگتا ہے۔“

”خوبصورت عورتوں کو گاتے دیکھ کر عین غصہ آتا ہے مجھے۔“

”آخر کیوں؟“

”پتہ نہیں! خود میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔“

نرس نے ہنس کر ریڈیو کھول دیا۔ زردیر بعد آواز آئی۔ ”گرم مسالہ ہانڈیوں کی زینت ہے۔۔۔ مولوی داؤد علی اینڈ کمپنی کا گرم مسالہ سر بند بوتلوں میں خریدیے۔“ اور اس کے بعد ”نہ چھڑا سکو گے دامن۔۔۔؟“

”لاحول ولا قوۃ۔۔۔“ عمران کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر چیخا۔ ”تقریباً چھ مہینے سے یہ عورت دامن پکڑے ہوئے ہے۔۔۔ پیچھا ہی نہیں چھوڑتی کسی طرح۔۔۔ اے اللہ اب تو موت ہی دے دے۔۔۔ ہو ٹلوں میں۔۔۔ شادی بیاہ کے موقعوں پر۔۔۔ ریڈیو پر جہاں دیکھو دامن پکڑے کھڑی ہے۔۔۔ کہاں جاؤں میرے معبود۔۔۔!“

عمران دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگا۔

”ارے ارے۔۔۔“ نرس بوکھلا کر اس کی طرف جھپٹی۔ ”یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ ارے میں ریڈیو بند کئے دیتی ہوں۔۔۔“

”نہیں۔۔۔“ عمران گلوگیر آواز میں بولا۔ ”اشتہارات بھی تو ہو رہے ہیں۔ ابھی میرا پسندیدہ اشتہار تو ہوا ہی نہیں۔۔۔“

”کون سا۔۔۔“

”انبالہ سویٹ میٹ والا۔۔۔ رستم حلوہ والا۔۔۔ نیلو قلاقند والا۔۔۔ اور شمیم رس ملائی والا۔۔۔“

سنشوش حبشی حلوہ والا۔۔۔ اور۔۔۔ اور جلیبی۔۔۔ جلیبی۔۔۔ جلیبی والا بھی تو کچھ تھا!“

نرس ہنستی رہی۔۔۔ اور جب عمران چپ ہوا تو وہ بولی۔ ”آپ تو بہت دلچسپ آدمی ہیں۔۔۔!“

”ہوں نہیں بلکہ کبھی تھا۔۔۔ جب سے یہ حبشی باڈی گارڈ بنا ہے دن کو کبھی ہنسی نہیں آتی۔۔۔“

”کیوں دن کو کیوں؟“

”رات کو انتہائی درجہ روشنی میں بھی وہ مجھے نظر نہیں آتا۔“

”آپ کرتے کیا ہیں۔۔۔“

”گولیاں کھا کر آرام کرتا ہوں۔۔۔؟“

”میں گالیاں سمجھی تھی۔۔۔“

”سمجھنے کو تو آپ سالاں بھی سمجھ سکتی ہیں۔۔۔“

”شادی کیوں نہیں ہوئی۔“

”میٹرک پاس کئے بغیر ہو جاتی!“ عمران رو دینے کے سے انداز میں بولا۔

”تو وہ ایم ایسی سی ڈی ایس سی صاحب کون ہیں جن کی نیم پلیٹ دروازے پر لگی ہوئی ہے۔۔۔“

عمران نے سلیمان کو آواز دی۔

”یہ ہے وہ آدمی۔۔۔“ عمران نے سلیمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا جو دروازے میں ہکا بکا کھڑا تھا۔

نرس نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”یہ میرا باورچی ہے۔ ایم ایس سی ڈی ایس سی آکسن۔۔۔ لیکن اسے اپنے فن سے پیار ہے۔ فن کی خدمت کے لئے یہ اتنی لمبی لمبی ڈگریوں پر لات مار کر چولہا ہانڈی کر رہا ہے۔ کیا نورمہ پکاتا ہے ظالم۔۔۔ ایک بار تو مونگ کی دال کے کوٹھے کھلا دیئے تھے مجھے۔۔۔ اب تک کئی گم کے سالن ایجاد کر چکا ہے۔ اب وہ کون سی ہانڈی ہوتی ہے جس میں ساری ترکاریاں بیٹگن اور گولگی سمیت پڑتی ہیں۔“

”جی دیوانی ہانڈیا۔۔۔“ سلیمان نے بڑی شائستگی سے جواب دیا۔

”یہ تو کوئی نئی چیز نہیں!“ نرس بولی۔

”اور کونوں میں مسور کی دال۔۔“

”پتہ نہیں۔۔“

”مگر یہ چاول میں شور بہ لگا دیتا ہے۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”اور کہتا ہے کہ جرمنی میں یہ ڈش چھاپک ڈوشا کہلاتی ہے۔“

”کیا واقعی۔۔ یہ سائنس کے ڈاکٹر ہیں۔“

”بالکل بالکل۔۔ شوقیہ کھانا پکاتا ہے۔۔۔۔۔ یہاں کھانا پکانے کے بعد یونیورسٹی میں کلاسز بھی لیتا ہے۔۔ وہاں پارٹ ٹائم لکچرار لگا ہوا ہے۔“

”نہیں۔۔۔“ وہ ہنس پڑی۔ ”آپ مذاق کر رہے ہیں!“

”کیوں بے۔۔“ عمران نے سلیمان کو لالکارا۔

”ان کا کھانا بھی کچے گا۔۔“ سلیمان نے دانت نکال دیے۔

”ان کا۔۔۔۔۔ نہیں ان کے لئے بھی۔۔“ عمران نے متاسفانہ لہجے میں کہا ”انگریزی میں

سائنس پڑھنے کی وجہ سے تیری اردو کمزور رہ گئی۔۔۔۔۔ خیر مولوی تفضل علی سے مدد لیں گے۔“

”پکاؤں کیا؟“

”یہ علت بری ہے۔۔“ عمران نے نرس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”بتانا مجھے ہی پڑتا ہے کہ یہ پکائے کیا۔۔۔ یہاں اس کی ساری سائنس دھری رہ جاتی ہے! اسی خوف سے اب تک شادی نہیں کی تھی کہ بیوی صبح ہی صبح چھاتی پر سوار ہو کر ”کیا پکاؤں“ کا نعرہ لگایا کرے گی۔۔۔۔۔ لیکن یہ کم بخت تو بیوی سے بھی بدتر نکلا۔“

ایک بیک وہ بکواس کرتے کرتے چونک پڑا۔۔۔۔۔ سلیمان کو اشارہ کیا کہ فون والی میز مسہری کے قریب کھسکا لائے۔

فون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے۔۔۔۔۔ اور ماؤتھ پیس میں بولا ”پٹ می آن ٹو والی سی ایس۔۔۔۔۔“

تھینکس۔۔۔۔۔ ”تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔۔۔۔۔ ”ہلو کرئل ہاؤ ڈیو ڈو“ لیکن وہ بیٹھی ہوئی سی آواز میں بولا تھا۔۔۔۔۔ ویسی ہی جیسی ایکس ٹو کارول ادا کرتے وقت حلق سے نکالتا تھا۔۔۔۔۔

”ہوں۔“ وہ کہتا رہا۔ ”اس آدمی نے کیا بتایا۔۔۔۔۔ میں اس جعلی لیفینٹ کے متعلق پوچھ رہا ہوں جو کچھ دیر پہلے تمہاری تحویل میں دیا گیا ہے۔“

”ابھی اس نے کچھ بھی نہیں بتایا۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”نرک میں کتنے آدمی تھے۔“

”دس! لیکن وہ کچھ نہیں جانتے! مزدور ہیں۔ دس روپیہ فی کس دے کر وردی پہنا دی گئی۔ جس جگہ کی نشاندہی انہوں نے کی تھی وہاں چھاپہ مارا گیا لیکن عمارت خالی ملی۔ مالک مکان نے بتایا کہ عرصہ سے خالی پڑی ہے اور متنازعہ ہے۔ کسی دوسرے دعویدار سے اسی عمارت کے لئے میں مقدمہ بازی بھی ہو رہی ہے۔ لیکن وہ اس مزدوری پر انہیں آمادہ کرنے والوں کی ناندی نہیں کر سکے! بیان کے مطابق وہ تین تھے!“

”وہ تینوں انہیں کہاں ملے تھے!“ عمران نے پوچھا۔

”ارے وہ دراصل عمارتی کام کرنے والے مزدور ہیں! ان کے ایک اڈے سے انہیں پکڑا گیا تھا۔“

”کیا وہ ان تینوں کے حلیے بھی نہیں بتا سکے!“

”اس سے زیادہ نہیں کہ وہ تینوں پٹھان تھے اور ان کی گھنٹی اور چڑھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ تینوں نے یکساں قسم کے لباس پہن رکھے تھے۔“

”لیفینٹ کے بارے میں کیا کہتے ہیں!“

”وہ انہیں اسی عمارت میں پہلے سے موجود ملا تھا!“

”اچھا! اسے تم دانش منزل بھجوا دو۔۔۔!“

”بہت بہتر۔۔۔ اور کچھ؟“

”نہیں شکریہ۔۔۔ عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ نرس آواز بدل کر گفتگو کرنے کی وجہ ضرور پوچھے گی! لہذا وہ سلیمان سے بھی اسی بیٹھی ہوئی آواز میں گفتگو کرنے لگا۔

”یہ آپ کی آواز کو یک بیک کیا ہو گیا۔“ نرس نے پوچھا۔

”تھک گئی ہے۔۔۔“ عمران بڑبڑایا۔

”ایک۔۔۔۔۔ اس طرح گلا بیٹھتے نہیں دیکھا۔“

”یہاں تمہیں ہر چیز عجیب ملے گی۔“

پھر دوسرے کمرے سے ایکس ٹو والے فون کی گھنٹی کی آواز آئی اور عمران اٹھنے لگا۔

”ظہریے میں دیکھے لیتی ہوں! پچیس تو فون رکھ چھوڑے ہیں آپ نے۔“ نرس بولی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ شکریہ۔۔۔!“ عمران نے مسہری سے چھلانگ لگائی اور نرس بے اختیار چیخ اٹھی۔

”ارے اس طرح نہیں۔ پھر کیس بگاڑیں گے آپ۔“

عمران جھپٹتا ہوا کمرے میں آیا! فون پر دوسری طرف بلیک زیر تھا۔!

”کیا خبر ہے۔“

”ڈاکٹر دعا گو دوبارہ ہسپتال پہنچا دیا گیا! وہ اسی طرح دوڑتا ہوا لگن روڈ کے چوراہے تک آیا تھا اور وہاں جانوروں کے پانی پینے کے حوض میں چھلانگ لگادی تھی۔ نکالا گیا تو بیہوش تھا۔“

”ہوں۔ خیال رکھنا کہ ہوش آنے پر وہ کیا بیان دیتا ہے۔“

”بہت بہتر جناب۔“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

کمرے میں واپس آیا تو سلیمان نے اطلاع دی کہ ڈرائنگ روم میں کوئی لڑکی اس کی منتظر ہے۔

”یورپین معلوم ہوتی ہے!“ نرس نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

”ارے باپ رے۔“ عمران پیٹ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

”کیوں کیا بات ہے۔“

”کچھ نہیں۔“

”آپ وہاں نہیں جاسکتے۔۔۔ یہیں لیٹے مسہری پر اور اسے یا تو یہیں بلوایئے۔ یا میں کہے دیتی ہوں کہ مریض کے لئے نقل و حرکت منع ہے۔“

عمران سوچ میں پڑ گیا۔ کون ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ مردہ سی آواز میں بولا۔ ”اچھا یہیں لاؤ۔“

اور پھر اس یورپین لڑکی کو دیکھ کر عمران کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ کیونکہ وہ جولیا نافر واز تھی۔ بہت ہی معمولی قسم کے میک اپ میں۔۔۔ ایسا معمولی میک اپ تھا کہ قریب سے جانے والے یقینی طور پر پہچان لیتے۔

”تم کیوں آئی ہو؟“ اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تمہیں دیکھنے۔۔۔ تمہاری خیریت معلوم کرنے۔“ جولیا نے مغموں لہجے میں کہا۔

”ہوں۔۔۔ اور اگر فیاض کو تمہاری خیریت معلوم ہوئی تو۔۔۔“

”کیا یہ ممکن ہے کہ وہ مجھے گرفتار کر سکیں؟“

”قطعاً۔۔۔ محکمہ کوئی مدد نہ کر سکے گا۔۔۔“

”کچھ بھی ہو! مجھ سے اپنا پن تو نہیں چھین سکتا۔!“

”اے محترمہ دفع ہو جاؤ یہاں سے جلدی۔۔۔ ورنہ اگر اس ایکس ٹو کے بچے کو اطلاع ہوگئی

تو۔۔۔“

”کچھ بھی ہو میں تو نہیں جاؤں گی۔۔۔ یہیں قیام کروں گی۔۔۔ اسی فلیٹ میں۔۔۔ سمجھے تم۔۔۔ میں اسے پسند نہیں کرتی کہ تم لڑکیوں کے چکر میں گولیاں کھاتے پھرد۔۔۔ تم کیوں گئے تھے اس رات ہسپتال۔۔۔ میں سب کچھ معلوم کر چکی ہوں۔ مار تھانے یہ کہہ کر تمہیں بلایا تھا کہ اسے نیند نہیں آری۔“

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی۔ سلیمان باہر چلا گیا اور واپسی اطلاع دی کہ کیپٹن فیاض ڈرائنگ روم میں اس کا منتظر ہے۔

”اب بتاؤ۔۔۔؟“ عمران نے جولیا سے پوچھا۔



جولیا شرارت آمیز انداز میں مسکرائی اور بولی۔ ”تم فکر نہ کرو۔۔۔ مجھے اس سلسلے میں ایکس ٹو سے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔ صندر سے اطلاع ملی تھی کہ کیپٹن فیاض مجھ سے پوچھ گچھ کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس وقت روپوشی ہی مناسب سمجھی تھی۔۔۔ لیکن اب۔۔۔!“

”لیکن اب کیا۔۔۔“

”تم کیوں بور ہو رہے ہو۔۔۔ یہیں بلاؤ اسے۔۔۔“

”اچھی بات ہے!“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا اور سلیمان کو اشارہ کیا کہ وہ فیاض کو بلا لائے۔ جولیا چند لمحوں کے بعد سوچتی رہی اور پھر فیاض کے آنے سے قبل ہی کچن کی طرف چلی گئی! فیاض آیا اور نرس کو گھورتا ہوا ایک کرسی کے ہتھے سے نک گیا۔ وہ اب بھی نرس ہی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”میں نے کہا۔“ عمران کھار کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم میری عیادت کو آئے ہو!“

”آں۔۔۔“ فیاض چونک پڑا تھوڑا سا مسکرایا پھر بولا۔ ”ابھی کچھ دیر قبل یہاں ایک یورپین لڑکی آئی تھی۔“

”دیکھ لو۔۔۔“ عمران نے نرس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”یہ بھی ہیں تو لڑکی ہی، لیکن شاید یورپین نہیں ہیں۔۔۔“

”عمران میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں کہ جولیا کا پتہ بتا دو۔ ورنہ بڑے خسارے میں رہو گے۔!“

”آپ کے لئے شائے لاؤ۔۔۔“ عمران نے سلیمان سے کہا۔



سلیمان کچن کی طرف چلا گیا۔ فیاض قہر آلود نظروں سے عمران کو گھور رہا تھا۔  
 ”بہتر ہوتا کہ آپ لیٹ کر گفتگو کرتے۔۔۔“ نرس نے عمران کو ٹوکا۔ وہ فیاض کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔  
 ”اوہ۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ شکریہ!“ عمران تکتے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔  
 فیاض نے سگریٹ سلگائی اور عمران کو پھر گھورنے لگا! لیکن عمران نے اسکی طرف دیکھا تک نہیں!

”تم ہسپتال سے کوٹھی کیوں چلے گئے تھے!“ فیاض نے کچھ دیر بعد پوچھا۔  
 عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ”قبرستان کا راستہ ادھر ہی سے گذرتا ہے۔“  
 ”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔“ فیاض سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن وہاں وہ کیسا ہنگامہ تھا۔“  
 ”شاباش!“ عمران اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ پوری طرح باخبر ہوا لیکن کیا کل تمہارے پاس نے تم تک وزارت خارجہ کے احکامات نہیں پہنچائے۔“  
 ”مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔۔۔ میں تو مار تھا۔۔۔“

”بب۔۔۔ باس۔۔۔“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”وہ معاملہ بھی عنقریب۔۔۔!“  
 عمران کا منہ حیرت سے کھل گیا اور وہ جملہ بھی پورا نہ کر سکا۔ کیونکہ جولیا نافذ وائر اپنی اصلی شکل میں کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔  
 فیاض تو بولکھلا کر اٹھ ہی گیا۔  
 ”ہلو۔۔۔! جولیا پر مسرت لہجے میں بولی۔ ”ہم شاید پچھلے دنوں ٹپ ٹاپ میں ملے تھے۔ اس نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بھی بڑھادیا۔

فیاض جس کے چہرے پر سراپیمگی کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے اس سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ”جی ہاں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ اس دن آپ بڑے غصے میں تھیں۔۔۔“  
 ”وہ تو اس وقت ہی تھی۔“ جولیا اٹھلائی۔ ”لیکن۔۔۔!“  
 ”تشریف رکھئے!“ فیاض خالی کرسی کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر قدرے جھکتا ہوا بولا۔  
 ”شکریہ۔۔۔“ جولیا بڑے دلاویز انداز میں مسکرا رہی تھی۔!

عمران احمقانہ انداز میں پلکیں جپکاتا رہا۔ پھر دفعتاً انہیں ان کے حال پر جھوڑ کر نرس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا۔۔۔“ اس نے نرس سے کہا۔ ”ہمارے ملک میں گھبیاردوں کو پکڑ کر ماہر تعلیم بنادیا جاتا ہے۔۔۔ اور وہ کم عمر گمراہوں پر مختلف قسم کے مضامین کی گھڑیاں لادتے چلے

جاتے ہیں۔۔۔ ابھی حال ہی میں دوسری جماعت کے ایک بچے سے اس کے نصاب کے متعلق پوچھ بیٹھا تھا۔۔۔ اس نے بتایا کہ وہ اردو، انگریزی، سوشل اسٹڈی، انجمن، نیچر اسٹڈی، اسلامیات، آرٹ اینڈ کرافٹ اور ہائی جین وغیرہ پڑھتا ہے۔۔۔ ذرا سوچو تو کیا حشر ہوگا، اس کا۔۔۔ کیا وہ بچپن ہی سے ذہنی بد بعضی میں نہیں مبتلا ہو جائے گا۔ کیا اکتاہٹ اور مایوسی اس کی زندگی کے اجزاء لازم نہیں بن جائیں گی۔ کیا اس کی تخلیقی صلاحیتیں کندہ ہو جائیں گی۔۔۔ اور پھر کیا مستقبل اسے محض ایک کلرک بنا کر نہ رکھ دے گا۔۔۔“

”آپ شاید کمرشل سروس کا تذکرہ کر رہے تھے۔“ نرس نے اسے ٹوکا۔  
 ”وہی ہے۔ وہی ہے!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ابھی تک آپ لوگ گناہ سن رہے تھے اب اشتہارات سنئے۔۔۔ قوم کی تعلیم پر زور کثیر صرف کیا جا رہا ہے۔۔۔ ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں ایک بھی ان پڑھ نظر نہ آئے۔۔۔ سب کے سب منشی فاضل ہو جائیں۔ اس لئے ماہرین تعلیم کی خدمات حاصل کی ہیں جو قوم کے لئے بہت اچھی گاف کھیلتے ہیں اور اپنے بچوں کو حصول علم کے لئے عموماً سمندر پار بھیج دیتے ہیں۔“

ادھر جولیا فیاض سے کہہ رہی تھی۔ ”آخر یہاں اس نرس کی کیا ضرورت تھی۔“  
 ”واقعی فضول بات ہے!“ فیاض سر ہلا کر بڑے خلوص سے بولا تھا۔  
 ”مگر یہ حضرت تو کہہ رہے تھے کہ آپ نے زبردستی ان کے سر منڈھ دی ہے!“  
 ”میں نے۔۔۔!“ فیاض نے حیرت سے کہا اور پھر غصیلے انداز میں عمران کی طرف مڑا۔ عمران نے ان کی گفتگو سن لی تھی اس لئے خود بھی سنجیدہ نظر آنے لگا تھا۔۔۔  
 ”کیوں؟ کیا بکواس کر ڈالی تم نے۔۔۔“ فیاض غرایا۔

”یار پھر کیا کہتا۔۔۔“ عمران اردو میں گھگھکیا نے لگا۔ ”ہو گئی تھی سر پر سوار اور بور کرنے لگی تھی کہ یہاں نرس کی کیا ضرورت۔ میں نے مرعوب کرنے کے لئے تمہارا نام لے دیا تھا!“  
 ”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ کوئی بات نہیں!“ فیاض گردن اکڑا کر بولا۔  
 اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ نرس نے ریسیور اٹھا کر کچھ سنا۔۔۔ اور عمران سے بولی۔ ”کسی نیشنل فیاض کے لئے ہے۔“

”ادھر لائیے۔۔۔“ فیاض نے ریسیور کی طرف ہاتھ بڑھایا۔  
 تھوڑی دیر تک کچھ سنتا اور ہاں ہاں کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر عمران کی طرف دیکھنے لگا تھا۔  
 عمران سمجھ گیا تھا کہ اسے کوئی اہم اطلاع ملی ہے۔ لیکن جب فیاض نے یہاں سے ڈاکٹر دعا گو کے فرار کا تذکرہ چھیڑ دیا تو اسے بڑی مایوسی ہوئی۔



”میں بڑی دیر سے برداشت کر رہا ہوں۔“ فیاض بولا۔ ”تم مستقل طور پر مس فز وائر کی توہین کئے جا رہے ہو!“

عمران کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ پتہ نہیں جولیا اب کیا کر گزری ہے! کہاں تو فیاض اسے پھانسی پر چڑھا دینا چاہتا تھا اور کہاں اب یہ خوش فعلیاں! وہ تو سمجھتا تھا کہ جولیا پر اس کی نظر پڑے ہی مہابھارت شروع ہو جائے گی۔

کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط تھی۔ اتنے میں چائے آگئی لیکن نرس نہیں آئی تھی۔ سلیمان ٹرائی دھکیلتا ہوا قریب آیا۔

عمران بڑی الجھن میں تھا۔ سوچ رہا تھا کہ کہیں جولیا یہیں رہ پڑنے پر نہ تل جائے۔ ایسی صورت میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔

چائے کے دوران میں اس نے فیاض سے کہا۔ ”ان محترمہ کا وارنٹ کہاں ہے۔“

”وارنٹ۔۔ کیا بک ہے ہو!“ فیاض نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”مارتھا کی زہر خورانی کے سلسلے میں۔۔“

”کمال ہے بھی۔۔ ارے میں صرف پوچھ گچھ کرنا چاہتا تھا!“

”اوہ۔۔۔“ عمران سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑ کر رہ گیا۔

”کیا قصہ تھا۔۔!“ جولیا نے پیالی میں چمچہ چلاتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں!“ فیاض جلدی سے بولا۔ ”میں نے ان سے آپ کے بارے میں پوچھا یہ

حضرت پتہ نہیں کیا سمجھ بیٹھے۔۔ وارنٹ۔۔۔ لا حول ولا قوۃ۔۔۔“

بوکھلاہٹ میں وہ انگریزی جملے کے اختتام پر عربی ہی بول گیا تھا۔

عمران نے طویل سانس لی اور سلیمان سے نرس کے متعلق پوچھا۔۔ اس نے بتایا کہ وہ

بادرچی خانے ہی میں چائے پئے گی۔

چائے پی کر فیاض رخصت ہو گیا۔۔ اور جولیا نے بے تحاشہ قہقہے لگانے شروع کر

دیئے۔۔ کچھ کہے بغیر ہنسی ہی چلی گئی۔۔ پھر بولی۔ ”سمجھ میں نہیں آتا اس گدھے کو سپرنٹنڈنٹ

کس نے بنادیا ہے!“

”اے تم میرے سامنے میرے کسی دوست کی توہین نہیں کر سکتیں۔“

”تمہارے سلسلے دوست تم سے زیادہ گدھے ہیں۔۔“

”تم بھی دشمن تو نہیں۔۔“

”مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ میں نے مارتھا کے کمرے میں کوئی غیر معمولی بات تو نہیں دیکھی

تھی۔۔ بالکل اس انداز سے گفتگو کرتا رہا تھا جیسے اسے تمہارے خاندان کی عورتوں پر شبہ ہو! خصوصیت سے ثریا کے متعلق۔۔ کہ وہ صراحی کی طرف تو نہیں گئی تھی۔۔“

”اسے پوچھنا ہی چاہئے۔۔ فرض ٹھہرا۔۔“

”اور تم اسے اپنا دوست کہہ رہے ہو؟“

”تو پھر رحمان صاحب کو باپ بھی نہ کہوں جنہوں نے میری گرفتاری کی تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں۔۔“

”اچھا؟“ جولیا نے حیرت سے کہا۔۔ ”پھر۔۔!“

”دفتر خارجہ سے پھٹکار پڑی۔۔ سیدھے ہو گئے۔۔“

”دعا گو کا کیا قصہ تھا۔۔“

”وہی جو تم سن چکی ہو۔۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا!“

فون کی ٹھنٹی بجی۔

عمران نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے رحمان صاحب بول رہے تھے۔

”آپریشن کیسارہا۔“

”ٹھیک ہے جناب!“ عمران نے جواب دیا۔

”اگر تم فلیٹ سے باہر نکلے تو اچھا نہ ہوگا۔۔“

”جی۔۔ نہیں نکلوں گا۔۔“

”تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکو گے!“

”میں جانتا ہوں کہ آپ کا محکمہ اس وقت میرے فلیٹ میں بہت دلچسپی لے رہا ہے۔“

”ہوں بس!“ دوسری طرف سے رحمان صاحب غرائے اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور جولیا کی طرف دیکھ کر پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”کون تھا؟“ جولیا نے پوچھا۔

”ساری دنیا کا باپ۔۔“

”یعنی تمہارا باپ۔۔“ جولیا مضحکہ انداز میں ہنس پڑی۔

عمران مایوسی سے سر ہلاتا ہوا لیٹ گیا۔

”یہ زخم کب ٹھیک ہوگا۔“ جولیا نے پوچھا۔

”مت بور کرو۔۔“

”نہیں باس تم دخل نہ دو۔۔۔“ جوزف غرایا۔ ”یہ نطفہ حرام مجھے عورت کے سامنے چھیڑتا ہے۔۔۔ مارڈالوں گا۔۔۔“

”نہیں سنا۔۔۔ دیکھ جوزف میں اس کی پروا نہیں کروں گا کہ زخمی ہوں۔۔۔“  
 ”جوزف اچھل کر الگ ہٹ گیا اور سلیمان نے ہڈی کاٹنے والا چھرا ایک سے نکال لیا۔  
 ”خبردار۔۔۔ او سلیمان۔۔۔ ناہنجار۔۔۔!“  
 ”مارڈالوں گا سالے کو۔۔۔ آپ نہ بولے۔“

عمران نے آگے بڑھ کر دانہ ہاتھ سے اسے دھکا دیا اور وہ میز سے جاٹکا۔  
 ”کھال کھینچ لوں گا۔“ عمران آنکھیں نکال کر بولا۔

سلیمان چھرا مٹھی میں دبائے کھڑا ہنپتا رہا۔

عمران نے نرس کو اشارہ کیا کہ وہ بھی کمرے میں جائے۔

جب وہ چلی گئی تو عمران نے سلیمان کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے کہا ”موقع محل بھی دیکھا کر۔۔۔!“

”بس صاحب جائے۔۔۔ مجھے زیادہ بور نہ کیجئے۔۔۔ سالے کو اگر کھانے میں جمال گوشت نہ دیا تو کچھ بھی نہ کیا۔“

”ہاں۔۔۔ اب قاعدے کی بات کی تو نے۔۔۔ اگر یہ دیکھو کہ مقابل تم سے ٹکڑا ہے تو ہمیشہ پلٹ چھپٹ سے گریز کرو۔۔۔ جمال گوشت۔۔۔ اب تو نے ظاہر کی ہے اپنی ذہانت۔۔۔ بس اب چل چلے ہانڈی میں۔۔۔“

اسے سمجھا کر پھر خواب گاہ میں آیا۔ یہاں نرس اور جولیا ایک دوسرے سے کچھ سمجھنے کی کوشش میں مشغول نظر آئیں۔

جوزف پشت کے کمرے میں بیٹھا ہانپ رہا تھا! عمران کو دیکھ کر اس نے سر اٹھایا اسے گھورتا رہا لیکن کچھ بولا نہیں۔۔۔!

”اپنی سزا سنو!“ عمران غرایا۔ ”ایک ہفتہ تک تم پر اس گھر کا کھانا پانی حرام ہے۔“  
 ”کیوں؟“

”بس میری مرضی۔۔۔ اس کے خلاف ہوا تو کھال اتار دوں گا! سمجھے۔ یہاں کاپانی بھی نہ پینا ایک ہفتے تک۔۔۔!“

”اچھا۔۔۔!“ اس نے غصیلی آواز میں کہا اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس قسم کی جہڑپیں آئے دن ہوتی رہتی تھیں۔۔۔ عمران پھر خواب گاہ

”وہ لڑکی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی!“ جولیا نے چھپتے ہوئے زہریلے لہجے میں کہا۔ جس کے لئے تم تین بجے رات گولی کھانے گئے تھے۔!“

”تم اتنی بے درد کیوں ہو جولیا۔۔۔ میں اس معصوم لڑکی کے لئے سچ مچ مغموم ہوں۔“  
 ”مغموم ہو۔۔۔ مغموم۔۔۔!“ جولیا ایک دم بھڑک اٹھی۔ ”تم۔۔۔ جھوٹے ہو۔ سو فیصدی جھوٹے۔۔۔ تم اسے اپنا آلہ کار بنانا چاہتے تھے۔۔۔ اور بس۔۔۔!“

”چلو یہی سہی! کیا میں اپنی اسکیمیں فیل ہوتے دیکھ کر مغموم نہیں ہو سکتا!  
 جولیا برا سامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ پھر یک بیک بولی۔ ”اچھا اس نرس کو رخصت کر دو۔۔۔ اس کی موجودگی قطعی ضروری نہیں ہے۔“

”یہ سول سرجن کی طرف سے مجھ پر مسلط کی گئی ہے۔۔۔ سول سرجن نہیں بلکہ رحمن صاحب کی طرف سے!“

”میں کچھ نہیں جانتی۔۔۔“

”پھر میری دیکھ بھال کون کرے گا۔“

”دیکھ بھال۔۔۔ دیکھ بھال۔۔۔ سلیمان اور جوزف کافی ہیں۔“

”اوہ تو مرتے وقت بھی اسی ناہنجار حبشی کی شکل سامنے رہے گی۔۔۔ کیوں۔۔۔؟“ عمران نے بے بسی سے کہا۔

جولیا کچھ کہنے ہی والی تھی کہ باورچی خانے سے مختلف قسم کی آوازوں کا طوفان سامنڈ پڑا۔  
 سلیمان اور جوزف کی آوازیں۔۔۔ اور سریلی سی نسوانی چیخیں بھی انکا ساتھ دے رہی تھیں۔۔۔  
 عمران بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔۔۔!



پھر وہ باورچی خانے کی طرف جھپٹا۔ جولیا پیچھے تھی۔

باورچی خانے میں خاصی ابتری نظر آئی۔ جوزف سلیمان پر چڑھا بیٹھا گھونسوں سے اس کی تواضع کر رہا تھا! سلیمان کے حلق سے ادھوری گالیاں پھسل رہی تھیں اور نرس دور کھڑی چیخے جارہی تھی۔۔۔!

”آبے او۔۔۔ مردود۔۔۔“ عمران دباڑا۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے۔ چھوڑ اسے ورنہ ٹھو کریں ماروں گا۔۔۔“

میں واپس آیا۔

”یہ تم نے کیوں اپنی مٹی پلید کر رکھی ہے!“ جولیا نے اس سے کہا۔

”ہزاروں بار یہی جملہ سن چکا ہوں۔۔۔ اب کوئی نئی بات کہو۔۔۔“

”یہ فلیٹ قصاب کی دکان معلوم ہوتا ہے۔“

”بہر حال کچھ معلوم تو ہوتا ہے۔ جو بالکل کچھ نہ معلوم ہونے سے بہتر ہے۔“

”میں اب یہیں رہوں گی۔“

”بس پھر دیکھنا کہ یہ فلیٹ آئندہ کیا معلوم ہوگا۔“

”میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔۔۔“

”میں کب غیر سنجیدہ ہوں۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ براہ کرم آپ لیٹ جائیے جناب!“ نرس نے کہا۔

”شکریہ!“ عمران مسہری پر دروازہ ہوتا ہوا بولا۔۔۔ لیکن وہ پرائیویٹ فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر پر بلیک زیرو کا پیغام سننے کے لئے بے چین تھا! سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح یہ خواہش پوری کرے۔

اتنے میں سلیمان نے آکر کہا۔ ”صاحب آدھے گھنٹے کی چھٹی دیجئے۔“

”کیوں؟“

”جمال گوٹہ لینے جا رہا ہوں۔“

”اے کیوں شامت آئی ہے۔۔۔“

”نہیں صاحب میں تو نہیں مانوں گا۔“

”انجھی بات ہے۔۔۔ دفع ہو جاؤ۔۔۔“

”سلیمان کے جانے کے بعد عمران نے جولیا سے پوچھا۔ ”تم کب جاؤ گی؟“

”لیکن میرے جانے کے بعد جوزف تو موجود ہی رہے گا۔۔۔“ جولیا نے زہریلے لہجے میں کہا

اور معنی خیز نظروں سے نرس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ اس کا مطلب سمجھ گئی تھی اور اس کے کان کی لوئیں تک سرخ ہو گئی تھیں۔

عمران کھاکر بولا۔ ”اس کم بخت کو بھی نکال باہر کروں گا۔۔۔“

”میں یہیں رہوں گی۔“

”گرد گھنٹال کے مزاج کے خلاف ہوا تو۔۔۔“

”میری نجی زندگی میں کوئی بھی دخل نہیں ہو سکتا!“ جولیا جھلا کر بولی۔

”تمہاری مرضی!“ عمران نے بے بسی سے کہا۔۔۔ اگر اسے ذرہ برابر بھی موقع مل جاتا تو وہ اپنے نجی ہی فون پر بلیک زیرو سے رابطہ قائم کر کے اسے چوہیشن سے آگاہ کرتے ہوئے کہتا کہ وہ ایس ٹو کی آواز میں جولیا کو مخاطب کرے اور اس سے کہے کہ وہ عمران کے فلیٹ سے چلی جائے۔

”کیا سوچنے لگے۔۔۔“ جولیا نے چھیڑا۔

”یہ سوچ رہا ہوں کہ شادی ہی کر لینے میں عافیت ہے۔“

”صرف سوچ ہی سوچ کر کیوں رہ جاتے ہو۔۔۔“

”کوئی معقول لڑکی نہیں مل سکی۔“

”کیسی لڑکی چاہئے؟“

”میری پسند کی فہرست طویل ہے۔۔۔ مجھلا ایسی لڑکی ہونی چاہئے۔۔۔!“

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی جوزف اجازت طلب کر کے کمرے میں گھس آیا۔

”اب میں کیا کروں باس۔“ اس نے جمائی لے کر کہا۔ ”بقیہ تین بوتلیں بھی گھر ہی میں رکھی ہیں۔۔۔ پیو یا نہ پیو۔۔۔“

”کیا بکواس کر رہا ہے!“ جولیا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

”میرے علاوہ یہاں اور سب پاگل ہیں!“ عمران بڑبڑایا اور پھر جوزف سے بولا۔ ”پیو۔۔۔“

شراب پر کوئی پابندی نہیں ہے!“

”تھینکس باس!“ اس نے ایزیاں بجائیں اور ڈرائنگ روم کی طرف مڑ گیا۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے ریسیور اٹھایا! دوسری طرف سے کوئی غیر ملکی ”مسٹر عمران، مسٹر عمران“ کی ہانک لگائے جا رہا تھا!

”عمران اسپیکنگ!“ عمران نے ناک بھوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ شاید وہ آواز پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ڈوہرگ۔۔۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہلو ہاؤ ڈو یو ڈو۔۔۔“

”او کے۔۔۔ بوائے۔۔۔! ابھی تمہارے باپ سے تمہارا نمبر معلوم کیا تھا! کیسے ہو؟ تمہارے

باپ نے بتایا کہ دوبارہ آپریشن ہوا ہے۔“ ”بہت لا پرواہو تم۔۔۔ آرام کرو۔۔۔“

”شکریہ! میں آرام ہی کر رہا ہوں۔۔۔“

”کھارا تم سے ملنا چاہتی ہے۔۔۔“

”ارے باپ رے! عمران نے نرس اور جولیا کی طرف دیکھتے ہوئے اردو میں کہا۔  
”کیا کہا۔۔۔ دہراؤ۔۔۔“

”کچھ نہیں چھینک آنے والی تھی۔۔۔“

”تم اپنی رہائش گاہ کا محل وقوع بتاؤ۔ کلارا وہیں آئے گی۔ وہ تمہیں بہت پسند کرنے لگی ہے۔“

عمران اسے اپنے فلیٹ کا محل وقوع سمجھانے لگا!

پھر وہ ریسور رکھ کر ایسے انداز میں کراہا جیسے دم ہی تو نکل رہا ہو۔۔۔“

”کیوں کیا بات۔۔۔ نرس نے بوکھلا کر پوچھا۔

”کچھ نہیں۔۔۔“

”زخم میں تکلیف تو نہیں۔۔۔“

”نہیں۔۔۔“

”کوئی آ رہا ہے کیا۔۔۔“ جولیا نے پوچھا۔ ”تم کسی کو گھر کا پتہ بتا رہے تھے۔“

”کلارا ڈوہنگ مزاج پر سی کے لئے آرہی ہے۔۔۔“

”کیوں آرہی ہے۔۔۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری اس سے ملاقات محض اتفاقیہ تھی!“

”تھی تو اتفاقیہ ہی۔۔۔ لیکن دوسرے اتفاقات بھی پیش آسکتے ہیں۔۔۔“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو!“

”میں تو آرام کر رہا ہوں۔“ عمران نے بڑی معصومیت سے کہا۔

جولیا خاموش ہو کر اسے گھورنے لگی۔

”تم آرام نہیں کر رہے بلکہ آہستہ آہستہ جہنم رسید ہو رہے ہو۔“ وہ کچھ دیر بعد غرائی۔۔۔

”چلو یہی سمجھ لو! چین تو لینے دو، کسی طرح۔۔۔“

جولیا پھولی بیٹھی رہی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اٹھی۔ وینٹی بیگ اٹھایا اور کچھ کہے سے بغیر باہر چلی

گئی۔

عمران نے حالانکہ اطمینان کی سانس لی لیکن حقیقتاً مطمئن نہیں ہو گیا تھا۔ جولیا سے اچھی

طرح واقف تھا! کسی مسئلے پر بظاہر سپر ڈال دینے کے باوجود بھی وہ داؤ گھات سے باز نہیں آتی

تھی۔

کچھ دیر بعد اس نے جوزف کو آواز دی۔ اس کے آنے پر بولا ”تم دروازے پر ٹھہرو۔۔۔ اگر

تولیا دوبارہ اندر داخل ہونے کی کوشش کرے تو کال بل کا بٹن دبا دینا۔“

جوزف تفتہبی انداز میں سر ہلا کر واپس چلا گیا۔

”یہ کون صاحبہ تھیں۔۔۔“ نرس نے عمران نے پوچھا۔

”ہاں معقول تھیں نا۔۔۔“ خود عمران پوچھ بیٹھا۔

”جی۔۔۔ جی۔۔۔ بھلا میں کیا جانوں۔“ وہ ہنس پڑی۔

”یہ دنیا بڑی داہیات جگہ ہے۔۔۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”اگر یہاں کسی پر

کوئی احسان کرو۔۔۔ تو وہ فوراً ہی اسکا بدلہ چکا دینا چاہتا ہے۔۔۔ ان صاحبہ کو کل ہی میں نے بہت

پر کیا تھا لہذا اب وہ بھی۔۔۔!“

”بہت بے تکلف معلوم ہوتی ہیں۔۔۔“

”معلوم نہیں ہوتیں بلکہ ہیں۔۔۔“ عمران نے دردناک لہجے میں کہا۔

”ویسے آپ کو انہیں منہ نہیں لگانا چاہتے۔۔۔ کیوں؟ میں نے یہی محسوس کیا ہے۔“

”تمہارا خیال کسی حد تک درست ہے۔“

”اب کوئی دوسری صاحبہ بھی آرہی ہیں۔“

”ہاں! کیا تم اس سلسلے میں فکر مند ہو۔“

”نہیں۔۔۔ لیکن آخر اس عورت نے میرے ساتھ توین آمیز برتاؤ کیوں کیا تھا۔“

”نہیں تو۔۔۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”میں نے نہیں محسوس کیا ورنہ۔۔۔“

”آخر وہ مجھے یہاں سے بھگا دینے پر کیوں تل گئی تھی۔۔۔“

”بھگا تو نہیں سکی۔۔۔ تم نے محسوس نہیں کیا۔۔۔ فون پر جس لڑکی کی آمد کی اطلاع ملی تھی

اس کے متعلق بھی تو وہ بہت کچھ کہتی سنتی رہی تھی۔۔۔“

”بے حیا معلوم ہوتی ہے۔۔۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔“

”بب بالکل بالکل۔۔۔“ عمران نے کہا اور آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔

”کیا بات ہے۔۔۔“

”پتیاں لگی ہے شاید۔“

”ٹھہریے۔ میں پانی لاتی ہوں۔“ اس نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔ عمران نے جھپٹ کر

پانی پر بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر جلدی جلدی کہنے لگا۔

”دیکھو جولیا کو میرے فلیٹ میں آنے سے باز رکھو!۔۔۔ ایکس ٹو کی آواز میں تمہارے کر سکتے

ہیں۔۔۔ ہاں ہاں! وہ اب اپنے فلیٹ ہی میں مل سکے گی۔۔۔ ابھی ابھی یہاں سے اٹھ کر گئی ہے۔“

ریسیور رکھ کر وہ نرس کی طرف متوجہ ہو گیا جو پانی کا گلاس لئے کمرے میں داخل ہو رہی

بات یاد آئی ہو۔ ادھر ادھر دیکھ کر آگے جھکے اور آہستہ سے بولے۔ ”یہ دوسری کب آئی“۔  
 ”آتی جاتی ہی رہتی ہیں!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ پھر بولا ”مگر آپ مغموم کیوں  
 ہیں۔ میرے خیال سے تو قوم بھی ٹھیک ٹھاک ہی ہے۔“  
 ”نہیں جناب! یہ بے پردگی۔۔۔ یہ ٹڈے ٹڈیاں۔۔۔ میں عنقریب حج کرنے چلا جاؤں گا۔“  
 ”ہوا کیا؟۔۔ کوئی خاص حادثہ۔۔“

”جی ہاں۔۔ کل ریو میں منٹنی شو دیکھنے چلا گیا تھا۔ دیر ہو گئی تھی۔ کھیل شروع ہو چکا تھا۔  
 اے کیا فلم ہے۔ ڈاکٹر نو دیکھی آپ نے سالے لونڈیا کو چوڑی دار پاجامہ پہنا دیتے ہیں۔۔“  
 ”چوڑی دار پاجامہ نہیں استاد۔۔ اسے جین کہتے ہیں۔۔“ عمران نے کہا۔

”چلے جین ہی سہی۔۔۔ ہاں تو کھیل شروع ہو چکا تھا۔ دو لڑکیوں کے پاس جگہ ملی جن کے  
 ساتھ کوئی مرد نہیں تھا۔۔۔ میرے پاس والی لڑکی اندھیرے میں چمک رہی تھی مجھے ایسا معلوم  
 ہوا جیسے میں اسے پہلے بھی کہیں دیکھ چکا ہوں۔ لہذا فلم دیکھنے کی بجائے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے  
 دیکھا رہا۔۔ ایک بیک وہ اپنی ساتھی سے بولی دیکھ تو کم بخت بار بار پاگلوں کی طرح گھورنے لگتا  
 ہے۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے تم ادھر آ جاؤ۔ یہ بات اتنی اونچی آواز میں کہی گئی تھی کہ میں بھی سن  
 سکوں۔۔ انٹرول میں انہوں نے جگہیں بدل لیں۔۔ دوسری لڑکی بڑی تیز نکلی۔۔ میری طرف  
 نہ کر کے بیٹھ گئی اور اس طرح گھورنے لگی جیسے پھاڑ ہی تو کھائے گی۔۔ پھر کہنے لگی۔ لودیکھ لو  
 اچھی طرح تاکہ جین سے فلم تو دیکھ سکوں۔۔ عمران بھائی میرا تو دم ہی نکل گیا۔۔ ارے باپ  
 رے!“

”مجھے آپ سے ہمدردی ہے استاد!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔  
 اتنے میں نرس پھر واپس آگئی اور استاد بولے۔ ”انسانی تہذیب کی مہذبانی اور مسکونی مناکحت  
 بہت ضروری ہے۔ غالب، ذوق، داغ وغیرہ نے مشروہاتی انجاریت کی تشکیل میں کوئی کسر نہیں  
 ہمارے تہذیبی لیکن تجزیہ کی ضابطے کی اشتراکیت مشروہاتی اعراب کی سند نہیں۔“  
 ”واللہ آپ نے تو نثر ہی میں صنعت مسئول الجہاز پیدا کر دی استاد۔۔“ عمران نے خوش ہو  
 کر کہا۔

”میں غالب کو بھی لاکار سکتا ہوں۔“  
 ”بیشک۔۔۔ بیشک۔۔۔ استاد ذرا چٹا کڑک تو سنا دو۔۔“  
 ”استاد نے بھونپو اٹھا کر منہ سے لگایا اور شروع ہو گئے۔  
 پی۔ای۔سی۔ ایچ کے حسین۔۔۔

تھی۔۔ اسی وقت کال بل کی آواز بھی گونجی۔۔۔ عمران نے پانی کا گلاس لیتے ہوئے کہا۔ ”ذرا دیکھنا  
 تو کون ہے۔“

لیکن دوسرے ہی لمحے میں جوزف کسی کا ملاقاتی کارڈ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔  
 کارڈ پر نظر پڑتے ہی اس نے ٹھنڈی سانس لی۔۔ کارڈ پر تحریر تھا۔ امام الجالبین قتل ادب  
 استاد محبوب نرالے عالم۔  
 ”بلاؤ۔۔“ عمران کر اہا

اور استاد ایسی ج دھج میں نظر آئے کہ عمران آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ شیروانی کی بجائے  
 پتلون، جیکٹ اور نائی میں تھے۔۔ کاندھے سے چنے کا تھیلا لٹک رہا تھا اور ہاتھ میں ٹین کا  
 بھونپو۔۔ جس میں منہ ڈال کر چٹا ”کڑک“ کی آواز لگاتے تھے۔

”سنا ہے گولی لگ گئی ہے؟“ انہوں نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”ٹھیک سنا ہے استاد۔۔ تشریف رکھیے۔۔!“

لیکن استاد تشریف کہاں رکھتے۔ وہ تو آنکھیں سے نرس کو دیکھے جا رہے تھے۔

”میں نے کہا استاد۔۔!“

”جی۔ جی ہاں!“ استاد چونک کر بولے۔۔ ”آج میں ارتعاش سیگان کا مقیم مصلوب

ہوں۔۔!“

عمران نے اس طرح سر ہلایا جیسے پوری بات سمجھ میں آگئی ہو! اکثر استاد پر بڑے بڑے  
 تانائوس الفاظ بولنے کا دورہ پڑتا تھا اور وہ محل استعمال کی پروا کئے بغیر بے ٹکان اس قسم کے الفاظ  
 لڑھکاتے چلے جاتے تھے۔۔ کبھی کبھی نئے الفاظ بھی ڈھالتے اس قسم کے دورے عموماً اسی وقت  
 پڑتے تھے جب آس پاس کوئی عورت بھی موجود ہو۔۔!

”گولی کیسے لگی۔۔“

”بس لگ گئی کسی طرح۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”آپ سنائیے کیسی گزری

ہے۔“

”رات کو کھٹلوں کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔“

”یہاں کھٹلوں کے نہ ہونے کی وجہ سے نیند نہیں آتی۔“

”میں آج بہت مغموم ہوں۔“ استاد نے کہا۔ ”قوم کی بد حالی نے مجھے پریشان کر رکھا

ہے۔“

نرس اٹھ کر چلی گئی اور استاد نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ پھر اس طرح چونکے جیسے کوئی غاص

میرے چنے سے نمکس  
بولے بھائی خیر الدین

پاپڑ ایک آنے کے تین

چنا کڑک.....

”ساتے رہیے۔۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا ”میں ابھی آیا۔“

وہ پرائیویٹ فون والے کمرے میں آیا اور دروازہ بند کر کے ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ آن کر دیا۔  
لیکن آواز کا حجم نہیں بڑھایا۔ بلیک زیرو کی آواز سنائی دی ”ڈاکٹر دعاگو ہوش میں آگیا ہے اس  
نے بتایا کہ آپ کا جشی ملازم چھرا نکال کر اس پر چھپتا تھا پولیس نے باقاعدہ رپورٹ درج کر لی  
ہے۔۔ اور اینڈ آل..... پھر آواز آئی۔۔“ جوزف کو ہٹا ہی دیجئے۔۔ ورنہ الجھنوں میں اضافہ ہو  
جائے گا۔!“

عمران انتظار کرتا رہا۔ شاید کوئی اور پیغام بھی ہو۔ لیکن صرف فیتے کے سرکنے کی آواز آئی  
رہی۔ اس نے ٹیپ ریکارڈ بند کر دیا۔ کمرے میں واپس آیا۔ استاد اسی جوش و خروش کے ساتھ  
”چالو“ تھے۔ نرس ہنس رہی تھی! کبھی کبھی وہ بھی بھونپو ہٹا کر دانت نکال دیتے۔!“



آپ کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہیں۔“ نرس نے کہا۔  
”ہام۔۔ نہیں تو!“ عمران چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

استاد ابھی تک چنے بچ رہے تھے۔ بمشکل تمام سلسلہ ختم ہوا۔ عمران خاموش کھڑا کچھ سوچ  
رہا تھا۔

دفعتاً اس نے استاد سے کہا۔ ”آپ ایک عمدہ سا گرم سوٹ سلوا لیجئے۔“

استاد نے دانت نکال دیئے۔ پھر کچھ سوچ کر گردن اکڑائی اور بولے ”پانچ سوٹ کینزے

کھا گئے۔ دوا بھی کھا رہے ہیں۔۔ میرے دادا جج تھے نکھلو کے۔“

”یہ نکھلو کہاں ہے جناب!“ نرس نے پوچھا۔

”لکھنؤ والے پیارے نکھلو ہی کو کہتے ہیں!“ عمران بولا۔

”میرے والد کر تل تھے۔۔“ استاد ان کی گفتگو پر توجہ دیئے بغیر بولے۔ ”عتیق بھائی سب

جاننے ہیں۔“

”میں نے کہا تھا سوٹ سلوا لیجئے۔۔“

”کیوں؟“

”میش کراؤں گا استاد تمہیں۔“ عمران میز سے قلم اٹھا کر ایک کاغذ کے ٹکڑے پر کچھ لکھتا  
ہوا بولا۔ ”میرا یہ پرچہ کلف وارڈ کمپنی میں لے جانا۔ وہ ناپ لے کر سوٹ سی دیں گے۔۔ جس  
دن کہیں جا کر ٹرائی دے دینا۔ اس کے بعد سوٹ میں منگوا لوں گا۔“

”مجھے کتنا ادا کرنا پڑے گا۔۔“ استاد نے اکڑ کر پوچھا۔

”نہ نہ کرو۔ اسی رقم کے چنے چو ادینا مجھے۔“

”ناکوں!“ نرس نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا اور استاد اسے صرف دیکھ کر رہ گئے۔

”نہیں بھی پوچھنا میرا فرض تھا!“ استاد نے کہا۔ ”ایک بار جمیل صاحب نے کہا تھا کہ تم  
صرف پالیس روپے جمع کر لو میں تمہاری شادی کرادوں گا۔“

”پہلے سوٹ سلواؤ۔ شادی بھی بعد میں ہوتی رہے گی۔۔ اب جاؤ۔“

”یعنی کہ بالکل ابھی چلا جاؤں۔۔“

”یقیناً۔۔ ورنہ ہونی چاہئے۔۔“

استاد چلے گئے! اب عمران نے جوزف کو آواز دی۔۔ وہ آیا اور ایڑیاں بجا کر اٹھیں شن  
ہو گیا۔۔

عمران نے عربی میں کہا۔ ”تم نے ڈاکٹر دعاگو پر چھرا نکال لیا تھا!“

”میں نے!“ جوزف کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ پھر وہ ہنسنے لگا۔

”مذاق کرتے ہو باس۔۔“

”میں سنجیدہ ہوں۔۔ اس نے پولیس میں رپورٹ درج کرائی ہے کہ وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔

میرے ملازم جوزف نے چھرا نکال کر اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔۔“

”جھوٹا ہے وہ حرامی! میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں تھا اس کی طرف۔۔“

”لیکن پولیس کو کیسے یقین دلاؤ گے۔۔ سڑک پر بھی بہترے لوگوں نے اسے یہاں سے  
نکل کر بھاگتے دیکھا ہوگا۔۔“

”میں کیا بتاؤں باس! پتہ نہیں اس ولد الجبائش نے جھوٹ کیوں بولا۔“

”اسے جہنم میں جھونکو۔۔ یہ بتاؤ! اگر پولیس یہاں آگئی تو۔۔“

”میں کیا بتاؤں باس! اگر قاتل ہو جاؤں گا۔۔“

عمران نے فون پر بلیک زیرو کے نمبر ڈائل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”عمران اسپیکنگ۔



جوزف والا معاملہ معلوم ہوا۔۔۔ تم ایک بندوین فوراً بھیج دو۔۔۔“

ریسیور رکھ کر اس نے جوزف سے کہا۔ ”تمہیں ابھی رانا تہور علی والے محل میں جانا ہے۔“

”بہت اچھا باس! لیکن اگر وہ گرفتار کرنے آئیں تو۔۔۔“

”نہیں اس کی نوبت نہیں آسکے گی۔“ عمران نے کہا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فیاض نے جو لیا والا معاملہ نپٹ جانے کے بعد اپنے آدمی وہاں سے ہٹا لئے ہوں گے۔ رہ گیا رحمان صاحب کا کوئی آدمی تو اسے اس کے علاوہ اور کسی سے سروکار نہیں ہو سکتا۔ وہ تو اس لئے ہو گا کہ فوری اس کی نگرانی کر کے اس کے متعلق ساری اطلاعات رحمان صاحب کو پہنچاتا رہے۔۔۔

”جاؤ۔۔۔ تیاری کرو۔۔۔“ اس نے کچھ دیر بعد جوزف سے کہا۔

فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”مسٹر عمران!“

”عمران اسپیکنگ۔۔۔“

”میں دعا گو ہوں۔۔۔“

”بڑی اچھی بات ہے۔۔۔ فرمائیے۔۔۔“

”کیا تمہیں معلوم ہوا۔۔۔؟“

”کیا معلوم ہوا۔۔۔“

”میرے متعلق۔۔۔“

”بس اتنا ہی جانتا ہوں کہ آپ چیختے ہوئے بھاگے تھے۔ میں نے سوچا کوئی خاص بات نہیں کیونکہ میری کرسیوں میں بھی کھٹل بکثرت ہیں۔“

”اوہ۔۔۔ عمران سنجیدگی سے گفتگو کرو۔۔۔ میں بڑی مشکلات میں پڑ گیا ہوں مجھے اس پر مجبور کیا گیا تھا کہ میں وہ ڈرامہ اسٹیج کروں۔۔۔“

”میں بالکل نہیں سمجھاؤا کٹر۔۔۔؟“

”مجھے تمہارے نیگرو ملازم کے خلاف رپورٹ درج کرانی پڑی ہے۔“

”کیسی رپورٹ؟“

”یہی کہ وہ مجھ پر چھرا لے کر دوڑا تھا!“

”مائی گڈنس!۔۔۔ عمران متحیرانہ انداز میں چیخا۔ ”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ پولیس اسے گرفتار کر لے گی۔“

”اوہ۔۔۔ سنو تو سہی۔۔۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو مجھے شارع عام پر گولی مار دی جاتی۔ اس نے یہی دھمکی دی تھی۔۔۔!“

”کس نے؟“

”اوہ۔۔۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔۔۔“

”ارے تو سمجھائیے نا جلدی سے۔۔۔“

”میں نے تم سے کسی نامعلوم آدمی کا تذکرہ کیا تھا۔۔۔ یاد ہے؟“

”اچھی طرح یاد ہے۔۔۔“

”فون پر اس آدمی کی طرف سے مجھے دھمکی ملی کہ اگر میں نے تمہارے سلسلے میں وہی کچھ نہ کیا تو اس کے لئے کہا جا رہا ہے تو مجھے شارع عام پر گولی مار دی جائے گی۔۔۔“

”سمجھا۔۔۔!“

”اب میری طرف سے دل صاف ہو گیا نا۔۔۔“

”بالکل بالکل۔۔۔“

”لڑکے۔۔۔ مجھے تم سے بے اندازہ محبت ہو گئی ہے۔ کیونکہ تم مار تھا کے محبوب تھے۔۔۔ مار تھا۔۔۔ تم نہیں سمجھ سکتے کہ وہ میرے لئے کیا تھی۔۔۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن یہ بتائیے کہ میں کیا کروں۔۔۔ وہ لوگ یقینی طور پر جوزف کو گرفتار کر لیں گے۔۔۔ جوزف جو میرا بڑی گارڈ ہے۔۔۔ میں خود زخمی ہوں۔۔۔ خطرات کی صورت میں تمہا کیونکر ان کا مقابلہ کر سکوں گا۔۔۔“

”اوہ۔۔۔ غالباً اسی لئے وہ لوگ جوزف کو تمہارے پاس سے ہٹا دینا چاہتے ہیں کہ میدان صاف ہو جائے اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں بے دھڑک کر گذریں۔۔۔“

”اچھی بات ہے جناب!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”تو پھر اب میں بھی اپنا کفن منگوا رکھوں۔۔۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے۔ دعا گو نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

پھر کچھ دیر بعد ایک بند گاڑی آئی اور جوزف کو لے گئی۔۔۔

نرس کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

”باورچی کہاں گیا؟ اس نے عمران سے پوچھا۔

”اوہ فکر نہ کرو۔۔۔ تمہیں میرے لئے کھانا نہیں پکانا پڑے گا۔“

”اگر پکانا بھی پڑے تو کیا!“ نرس نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”اوہ۔۔۔ شکریہ!“ عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔

”ایک بات پوچھوں! آپ برا تو نہیں مانیں گے۔“

”قطعی نہیں۔۔۔ ضرور پوچھو۔۔۔!“

”آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے آپ کے یہاں۔۔۔“

”ارے۔۔۔ وہ کچھ نہیں!“ عمران خواہ مخواہ جھینپ کر بولا۔

”اس غیر ملکی لڑکی نے کہا تھا کہ آپ کسی لڑکی کے لئے تین بجے رات کو گولی کھانے گئے

تھے۔۔۔“

”لڑکیوں کی باتوں کا کیا اعتبار۔۔۔ وہ کچھ بھی کہہ سکتی ہیں۔“

”گولی کیسے لگی تھی۔۔۔“

”یہی تو مجھے بھی نہیں معلوم۔۔۔ اندھیرے میں کسی قسم کا ہنگامہ ہوا تھا۔ دریافتِ حال کے

لئے میں بھی باہر نکلا بس گولی چسید گئی بازو کو۔۔۔!“

”اندھیرے میں لگی تھی؟“

”اور کیا۔“

”تب تو وہ کسی دوسرے کے لئے بھی ہو سکتی تھی۔“

”یقیناً۔۔۔ یقیناً۔۔۔“ وہ آکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

سلیمان واپس آیا تو عمران نے اسے جوزف کے نکل بھاگنے کی اطلاع دی۔

”وہ سمجھتا تھا کہ تم ضرور انتقام لو گے۔۔۔“ عمران نے کہا۔

”آپ نے بھگا دیا اسے۔۔۔“ سلیمان برا سامنہ بنا کر بولا ”خیر میں بھی منان کا بیٹا نہیں

اگر اس کی درگت نہ بنا دوں۔“

”یقیناً۔۔۔ یقیناً۔۔۔ لیکن تم مجھے ویسے بھی کسی منان کے بیٹے ہرگز معلوم نہیں ہوتے۔“

سلیمان برا سامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ کال بل بج اٹھی۔

”دیکھ۔۔۔ اب کون ہے؟“ عمران پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

سلیمان باہر چلا گیا۔ پھر شاید اگلے پاؤں واپس آیا اور بولا۔ ”ایک پولیس انسپکٹر ہے۔“

”بلاؤ!“ عمران کراہ کر بولا۔ ”گھر دیکھ لیا ہے ان لوگوں نے۔“

پولیس انسپکٹر جس کے ساتھ دو کانسیبل بھی تھے اندر داخل ہوا۔۔۔ اور بیٹھنے سے قبل

جوزف کے متعلق سوال کر بیٹھا۔

”اوہ۔۔۔ وہ تو اس وقت موجود نہیں ہے۔“ عمران نے کہا۔ ”فرمائیے۔۔۔ کیا کام ہے۔“

”پولیس ہیڈ کوارٹر میں اس کی ضرورت ہے۔“

”ایک ہفتے کے بعد ہی ملاقات ہو سکے گی۔۔۔“

”کیوں؟“

”کچھ دیر پہلے ایک ہفتے کے چھٹی لے کر گیا ہے۔“

”کہاں؟“

”میں نے پوچھا ہی نہیں کہ وہ ایک ہفتے کی چھٹی کیوں لے رہا ہے اور کہاں جائے گا۔“

”رہتا کہاں ہے؟“

”میں۔۔۔“

”پہلے کہاں رہتا تھا! سب انسپکٹر کے لہجے میں جھلٹا ہٹ تھی۔

”محکمہ سر اسرسانی کے سپرنٹنڈنٹ کمیشن فیاض ہی اس کی پچھلی سکونت بھی بتا سکیں گے

کیونکہ انہی کی وساطت سے مجھ تک وہ پہنچا تھا۔“

”حیرت کی بات ہے کہ آپ اپنے ملازمین سے اس طرح بے خبر رہتے ہیں!“

”ابھی کون پڑے ان چکروں میں۔۔۔ میں تو ان سے کچھ پوچھتا ہی نہیں۔ پوچھتا ہوں تو مجھے

ی ہٹکتا پڑتا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں یہ نامعقول جسے سلیمان کہتے ہیں ڈھائی بجے رات کو گھر واپس

آیا۔ میں نے پوچھا کہاں تھا! کہنے لگا گھٹاٹھ سرائے میں۔۔۔ ارے بھی وہاں کیا کر رہا تھا! کہنے لگا

زبان سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے یہ کہہ کر کم بخت نے سارے کپڑے اتار دیئے اور ناپنے

لگا۔ مطلب یہ کہ وہاں شراب کے نشے میں ننگا ہو کر ناچتا رہا تھا۔۔۔“

”آپ بھی بہک رہے ہیں جناب! میں جوزف کے متعلق پوچھ رہا تھا!“

”وہ کپڑے پہن کر پیتا ہے!“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”اس نے ڈاکٹر دعاگو پر چھرا کیوں تان لیا تھا۔۔۔؟“

”چھرا تان لیا تھا!“ عمران متحیرانہ انداز میں اچھل پڑا۔ ”یہ آپ کیا فرما رہے ہیں!“

”کیا یہ غلط ہے؟“

”میں نہیں جانتا۔۔۔ اوہ۔۔۔ تو کیا دعاگو اسی لئے اس طرح بھاگا تھا یہاں سے۔“

”اس کا جواب آپ ہی دے سکیں گے“ سب انسپکٹر نے خشک لہجے میں کہا۔

”بھئی اس وقت یہاں سول سرجن صاحب بھی موجود تھے!“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے

کہا۔ ”اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان سے بھی پوچھ گچھ کر لیجئے گا۔“

”یقیناً پوچھوں گا۔ اگر وہ موجود تھے۔۔۔“

”ہم سبھوں نے کوشش کی تھی کہ دعاگو کے اس طرح بھاگنے کی وجہ معلوم کریں لیکن

کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

”جوزف اس وقت کہاں تھا!“

”ڈرائنگ روم ہی میں تھا!“

”دعا گو بھی وہیں تھا!“

”جی ہاں!“

سب انپکٹر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”آپ مجھے لکھ کر دے دیجئے کہ آپ اس کے جرم سے ناواقف تھے! اسے ایک ہفتے کی چھٹی دی ہے اور اس کی موجودہ جائے قیام سے واقف نہیں۔“

”بہت اچھا جناب!“ عمران نے کہا اور میز سے پیڑ اٹھا کر اس پر کچھ لکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد انپکٹر نے آگے جھک کر دیکھا اور بولا۔ ”ارے آپ تو پورا بیان ہی لکھنے بیٹھ گئے۔“

”میری دانست میں یہی مناسب رہے گا! عمران نے کہا۔“ آپ اس کی تصدیق سول سرجن سے بھی کرا سکیں گے۔“

عمران نے قلم ایک جانب ڈالتے ہوئے کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ انپکٹر نے ایک بار پھر اسے پڑھا اور تہہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”اگر اس دوران میں وہ آجائے تو ہمیں ضرور مطلع کیجئے گا!“

”یقیناً۔۔۔ یقیناً۔۔۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

اس کے جانے کے بعد نرس نے کہا۔ ”مجھے یقین نہیں کہ آپ آرام کر سکیں۔“

”یقین تو مجھے بھی نہیں ہے۔۔۔ بے بی!“ عمران کراہ کر لیتا ہوا بولا۔

کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط ہو گئی۔ نرس سچ سچ سلیمان کا ہاتھ بٹانے کچن میں چلی گئی تھی۔ عمران سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرح فلیٹ سے کھسکائے۔ اس کی موجودگی میں اس پلان کو عملی جامہ پہنانا قریب قریب ناممکن تھا جو اس کے ذہن میں تھا۔

معاملات الجھتے جا رہے تھے۔ وہ کون تھا؟ وہی شخص جس نے ڈاکٹر دعا گو کو سراغری پر مجبور کیا تھا! جس نے ڈاکٹر دعا گو پر جوزف کے فرضی حملے کے پروپیگنڈے کی اسکیم بنائی تھی۔ غالباً مقصد یہی تھا کہ جوزف جیسے چاق و چوبند باڈی گارڈ کی خدمات سے عمران کو محروم کر دے۔ اور اصل مقصد تو تھا ہی عمران کا قتل۔ وہ سوچتا رہا اور بور ہوتا رہا۔ پھر خیال آیا کہ اس کے باپ کا متعین کردہ ایک آدمی بھی فلیٹ کے آس پاس ہی موجود ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ رات کو بھی نگرانی

جاری رہے۔ ایسی صورت میں وہ کیا کر سکے گا۔

تھوڑی دیر بعد نرس پھر کمرے میں واپس آئی۔ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عمران اٹھ بیٹھا اور اسے گھورتا ہوا سخت لہجے میں بولا۔ ”میں کہتا ہوں۔ کیا تمہارے دیدوں کا پانی بالکل ہی مر گیا ہے۔“

نرس ہکا بکا رہ گئی!

”جی۔۔۔ میں نہیں سمجھی۔۔۔“

”ارے تم یہاں اکیلے رہو گی دو مردودوں کے ساتھ۔۔۔“

”مم۔۔۔ میری ڈیوٹی ہے جناب۔۔۔!“

”جہنم میں گئی ڈیوٹی۔۔۔ آخر شرافت بھی تو کوئی چیز ہے۔۔۔ چلو بھی برقعہ اترا کوئی بات

نہیں۔ لیکن یہ نرس کا پیشہ۔۔۔ لاجول دلا قوت۔“

”آپ پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہیں۔۔۔“

”باتیں کر رہا ہوں۔۔۔ ارے خون کے آنسو رو رہا ہوں۔۔۔ یہ بنی ہے قوم کی درگت بہو

بیٹیاں نامحرموں کی مرہم پٹی کرتی پھر رہی ہیں۔ زمین نہیں پھٹتی۔۔۔ آسمان نہیں ٹوٹ پڑتا۔“

غرضیکہ عمران نے جلے تن بوڑھیوں کے سے انداز میں کچھ ایسا زہرا لگا کہ نرس بھی کھوپڑی

سے باہر ہو گئی۔۔۔ فوراً ٹیلیفون پر کسی کے نمبر ڈائل کر کے کہنے لگی کہ وہ اب یہاں کسی قیمت پر

نہیں رک سکے گی خواہ کچھ ہو جائے خواہ استغنیٰ ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

”اور پھر اپنا ٹنگ بیگ سنبھالتی کھٹ کھٹ کرتی چلی ہی گئی تھی۔۔۔“

عمران اب چت لینا اس طرح چھت کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

کلاک نے رات کے بارہ بجائے اور منہ پر سے لحاف ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔ سلیمان دوسرے کمرے

میں سو رہا تھا۔

اب عمران ڈرائنگ الماری کے سامنے نظر آیا۔ لباس تبدیل کر رہا تھا۔ بائیں ہاتھ میں شدید

تکلیف کے باوجود بھی اس نے کسی نہ کسی طرح چوڑے کا جیکٹ پہنا! چٹلون کی جیب میں ریوالور

ڈال کر آئینے پر اودھائی نظر ڈالتا ہوا بڑبڑایا۔ ”اچھا قبلہ والد صاحب اب دیکھوں گا کہ آپ کے

شکاری کتے کس طرح بو سونگھتے ہیں۔۔۔!“



وہ لباس تبدیل کر چکا تھا! لیکن گھڑی پر نظر ڈال کر پھر کچھ دیر تک وہیں خاموش کھڑا رہا۔

ٹھیک سوا بارہ بجے وہ عمارت کے عقبی زینے طے کر کے نیچے جا رہا تھا! لیکن عقبی زینے استعمال کرنے کا یہ مطلب ہر گز نہیں تھا کہ وہ انہیں محفوظ سمجھتا تھا! اس میں دلچسپی لینے والے اتنے احمق نہیں ہو سکتے تھے کہ انہیں نظر انداز کر دیتے۔۔۔۔۔ اس کے اندازے کے مطابق گمرانی کرنے والے عقبی گلی میں بھی ہو سکتے تھے۔

نچلے زینے پر رک کر وہ بائیں جانب والی دیوار سے چپک گیا! گلی سنسان پڑی تھی۔۔۔۔۔ نیم روشن اور ویران۔۔۔ اس وقت تو کتے بھی نہیں بھونک رہے تھے۔ عمران نے ریڈیم ڈائل والی گھڑی پر نظر ڈالی۔ بارہ بجکر پچیس منٹ ہوئے تھے وہ اسی طرح دیوار سے چپکا کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد کسی وزنی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی اور ایک بڑا سا ٹرک زینوں کے دروازے کے قریب ہی آکا۔۔۔ اس کا پچھلا حصہ دروازے سے صرف دو یا ڈھائی فٹ کے فاصلے پر رہا ہوگا۔۔۔ اگلی سیٹ سے دو آدمی اترے تھے اور کوئی چیز نیچے اتاری گئی تھی۔۔۔ پھر جب دوبارہ انجن اشارت ہونے کی آواز آئی تو عمران بڑی پھرتی سے آگے بڑھا۔۔۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ ٹرک کے پچھلے حصے میں تھا۔

ٹھنڈا گوشت ہاتھوں میں چپک کر رہ گیا! گوشت کا یہ ٹرک ہر رات عقبی گلی والی گوشت کی دوکان کے لئے گوشت اتارا کرتا تھا۔۔۔ عمران کو علم تھا کہ وہ روزانہ ایک مخصوص وقت پر وہاں پہنچتا ہے۔

وہ بڑی سرد رات تھی۔۔۔۔۔ اوپر کھلی فضا اور نیچے ٹھنڈے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے تھے۔۔۔ عمران کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی سانس تک منہد ہو کر رہ جائیں گی۔۔۔ ٹرک شہر کی سنسان سڑکوں پر دوڑتا رہا۔ عمران نہیں جانتا تھا کہ وہ اب کہاں رکے گا۔ ویسے گوشت کی خاصی بڑی مقدار اب بھی ٹرک میں موجود تھی جس کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ وہ اب بھی کئی دکانوں پر رکے گا۔

بہر حال کچھ دیر بعد اس کا خیال صحیح نکلا۔ جیسے ہی ایک پتلی سی گلی میں مڑنے کے لئے رفتار ہلکی ہوئی وہ نیچے کود پڑا۔

ٹرک گلی میں داخل ہو کر ایک جگہ رک گیا تھا۔ عمران سڑک ہی پر کھڑا رہا۔ جگہ سے اس نے اندازہ لگایا کہ دانش منزل یہاں سے تقریباً سات میل دور ہو گی۔ پھر اب کیا کیا جائے۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ اس وقت یہاں ٹیکسی ملنا بھی محال تھا۔۔۔

سردی سے دانت بجنے لگے تھے اور دانت اسی وقت بجتے ہیں جب اعصاب قابو میں نہ ہوں ظاہر ہے ایسی صورت میں ذہن کس طرح کار آمد رہ سکتا ہے۔۔۔ کافی دیر تک اس کی سمجھ میں نہ

آسکا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔

اتنے میں ایک چائے والا نظر آیا جو سہار اور برتنوں کی چھائی لٹکائے گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ "شش۔۔۔ اے چائے والے۔" عمران نے اسے آواز دی۔

وہ مڑا اور مردہ سی چال چلتا ہوا قریب آیا۔۔۔ غالباً اسے اب گاہک کی توقع نہیں تھی اور وہ کاف کے خیال میں مگن تھا۔

"ایک کپ چائے۔" عمران نے کہا۔ اس نے سہار زمین پر رکھ کر چھائی سے کپ اور ساسر نکالا۔ پھر سہار کی ٹوٹی کھول کر چائے انڈلی اور کپ اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ "تپھٹ ہے جناب! شاید اچھی نہ ہو۔ مگر یہ سردی! پتہ نہیں کہاں سے پھٹ پڑی ہے۔"

"س۔۔۔ سردی ہی تو۔" عمران نے جملہ پورا کئے بغیر پیالی سنبھال لی۔ پھر دو تین گھونٹ لے کر بولا۔ "یار یہاں کہیں آس پاس فون بھی ہوگا۔" "جی کیوں نہیں بہت ہیں۔"

"لیکن اتنی رات گئے۔ شاید ہی کوئی فون کرنے دے۔" عمران نے کہا۔

"ہو سکتا ہے جناب۔" وہ ایک جانب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اُدھر خیراتی زچہ خانہ ہے نا۔۔۔ اسکا دفتر رات بھر کھلا رہتا ہے۔"

"اوہ۔۔۔ ہاں! اب عمران کو بھی یاد آیا کہ یہاں ایک زچہ خانہ بھی ہے۔ اس نے جلدی سے چائے ختم کی اور اسے پیسے دیتا ہوا بتائی ہوئی سمت چل پڑا۔

زچہ خانہ کا دفتر کھلا ہوا تھا۔ فون کرنے کی بھی اجازت مل گئی۔۔۔ کلرک سے گفتگو کرتے وقت بھی اس نے ایکس ٹو کی سی پھنسی پھنسی آوازیں نکالی تھیں اور اب بلیک زیرو سے فون پر بھی اسی آواز میں گفتگو کر رہا تھا۔ محض اس لئے کہ کلرک کے سامنے اپنا نام نہ لینا پڑے۔ وہ بلیک زیرو سے کہہ رہا تھا۔ "نظام پور کے زچہ خانہ کے سامنے وین بھیجو۔۔۔ نہیں تم خود ہی ڈرائیو کرو تو بہتر ہے۔۔۔ فوراً۔ تیز رفتاری سے آؤ۔"

ریسیور رکھ کر اس نے کلرک سے کہا۔ "اگر میں یہاں بیٹھ کر اپنی گاڑی کا انتظار کروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔"

"جی نہیں۔۔۔ قطعی نہیں۔" کلرک نے کہا۔

"شکریہ۔۔۔" عمران نے بیٹھے ہوئے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکالا اور اسے بھی پیش کیا جو زبردستی کی ہنسی کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔

تقریباً بیس منٹ تک انتظار کرنا پڑا۔

بلیک زیرو چھوٹی سی سیاہ رنگ کی وین لایا تھا! عمران نے ایک بار پھر کلرک کا شکریہ ادا کیا اور وین میں جا بیٹھا اور وہ حرکت میں آگئی۔

”آپ کے زخم کا کیا حال ہے۔“ بلیک زیرو نے پوچھا۔

”آج ہی دوبارہ آپریشن ہوا ہے۔“

”اور آپ اس طرح.....!“

”اونہہ..... کیا فرق پڑتا ہے۔“ عمران نے کہا چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”اس جگہ

لیفٹیننٹ نے کیا بتایا۔؟“

”وہ تو کچھ بولتا ہی نہیں۔ گونگا ہو گیا ہے۔“

”گدھے ہو تم لوگ۔!“

”اگر آپ نے حکم دیا ہوتا تو.....!“

”تشدد بھی کرتے۔“ عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

بلیک زیرو کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ ”صفر نے اطلاع دی تھی کہ کئی مشتبہ آدمی آپ کے فلیٹ کے آس پاس دیکھے گئے ہیں! اس کا خیال ہے کہ نگرانی کرنے والے باقاعدہ طور پر ڈیوٹیاں بدل رہے ہیں۔“

”مجھے علم ہے۔!“

”کون ہیں وہ۔“

”کیا نیند میں ہو۔۔۔؟“

”کیوں؟۔“

”بالکل کسی بچے کے سے انداز میں پوچھا تھا تم نے۔۔۔ کون ہیں وہ۔۔۔ ارے ان کے علاوہ اور کون ہوں گے جو مجھ پر کئی بار حملے کر چکے ہیں۔۔۔ اور پھر ایک آدھ قبلہ والد صاحب کا متعین کردہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے آپریشن کے بعد میں صرف آرام کروں؟“

”میری دانست میں بھی ان کا خیال درست ہے۔“

”شائد تم باپ کے سائے سے محروم ہو چکے ہو۔۔۔“

”جی ہاں۔ یہی بات۔!“ اس نے کہا اور ہنس پڑا۔

”اسی لئے ہنس بھی رہے ہو۔۔۔“

کچھ دیر تک پھر خاموشی رہی۔ وین تیزی سے شہر کی جانب جارہی تھی۔۔۔ سڑکیں سنہاں

پڑی تھیں۔ کبھی کبھی ایک آدھ ٹرک قریب سے گذر جاتا۔

”میں نے جولیا کو فون پر فہمائش کر دی تھی۔“ بلیک زیرو نے کہا۔۔۔ لیکن وہ رورہی تھی۔۔۔

بچکیاں صاف سنی تھیں میں نے۔۔۔ وہ پوچھ رہی تھی کہ کیا وہ اپنا پین بھی فروخت کر چکی ہے اس

بچکے کے ہاتھ۔۔۔ میں نے کہا یہی بات ہے۔۔۔ ارے جناب وہ تو استغنیٰ دینے پر آمادہ تھی۔۔۔ میں

نے کہا کہ اس صورت میں اسے گولی مار دی جائے گی۔۔۔“

عمران کچھ نہ بولا۔

کچھ دیر بعد وین دانش منزل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ چاروں طرف اندھیرے کی حکمرانی

تھی۔

”اب تم جا سکتے ہو۔۔۔“ عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔

”وہ ساؤنڈ پروف کمرے میں بند ہے۔“

”اندر اور کون ہے؟“

”کوئی بھی نہیں۔۔۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ اب جاؤ۔۔۔“

”میرا خیال ہے کہ مجھے ٹھہرنا چاہئے۔۔۔ آپ کا بازو بھی زخمی ہے۔“

”شکریہ! سب ٹھیک ہے!“ عمران نے خشک لہجے میں کہا۔ پھر بولا۔ ”اسے کھانا دیا گیا یا

نہیں۔۔۔“

”نہیں۔۔۔“

”کیوں؟“

”شاید اسی طرح اگل دے۔“

”گدھے ہو تم۔۔۔“ اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔

عمارت میں داخل ہو کر اس نے روشنی کی اور ایک ایسے کمرے میں آیا۔ جہاں میک اپ کا

سامان رہتا تھا۔۔۔

کچھ دیر بعد وہ ایک صحت مند بوڑھے کی شکل اختیار کر چکا تھا! مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ

دہانہ چھپ گیا تھا۔ آنکھوں پر ایسی عینک لگائی جس سے آنکھوں کی ساخت دیکھنے والے کی سمجھ

میں نہ آسکے۔۔۔

پھر وہ کچن میں آیا۔ یہاں ڈبوں میں پکیڈ کھانے کی چیزیں موجود تھیں۔۔۔ بجلی کا چولہا کھول

کر دو ایک انڈے فرائی کئے۔ خشک روٹی کے کچھ ٹوسٹ سینکے اور سب کچھ ٹرائی پر رکھ کر ساؤنڈ

پروف کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

ثرالی باہر ہی رہنے دی۔۔۔ اور خود دروازہ کھول کر بہ آہستگی اندر داخل ہوا!

قیدی سامنے والے صوفے پر پیر سکڑے پڑاؤ لگھ رہا تھا۔۔۔ عمران پھر واپس آیا اور ثرالی بھی اندر دھکیل لے گیا۔ اس بار اس طرح دروازہ بند کیا کہ اس کے علاوہ اور کوئی نہ کھول سکے۔

اب وہ بلند آواز میں کھکارا اور قیدی اچھل پڑا۔

”کچھ کھا لیجئے۔۔۔ جناب۔۔۔!“ عمران نے بڑے ادب سے کہا

قیدی کچھ نہ بولا۔۔۔ صرف اسے گھورتا رہا۔

”فی الحال۔۔۔ جو کچھ حاضر ہے کھائیے۔ صبح جو کچھ آپ فرمائیں گے خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔“

قیدی اسے گھورتا ہی رہا۔ اس کی آنکھوں سے بے یقینی مترشح تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ برتاؤ اس کے لئے غیر متوقع رہا ہو۔

پھر عمران ثرالی اس کے قریب لیتا چلا گیا۔ خود ہی انڈے کے سینڈ وچ بنائے اور سارڈین کے ٹین کھول کر ایک بڑی سی پلیٹ میں خالی کر دیئے۔

”کھائیے نا۔۔۔“ عمران نے نرم لہجے میں کہا۔

”تم۔۔۔ تم۔۔۔ بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔۔۔“ قیدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

عمران کچھ نہ بولا۔

جب اس نے کھانا شروع کر دیا تو بولا۔ ”مجھے بیحد افسوس ہے کہ اس وقت میں آپ کے لئے نرم روٹی نہ مہیا کر سکوں گا۔“

”کوئی بات نہیں۔۔۔“ قیدی نے کہا اور سارڈین پر ٹوٹ پڑا۔

عمران اسے تفکر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد قیدی نے سر اٹھا کر کہا۔۔۔ ”ملٹری میں تم جیسے شریف آدمی کہاں ہوتے ہیں۔“

”ملٹری!۔۔۔“ عمران نے حیرت سے دہرایا۔

”کیوں؟ کیا تمہارا تعلق ملٹری سے نہیں ہے۔“

”جی نہیں۔۔۔ قطعی نہیں۔۔۔ یہ تو کچھ بد معاش قسم کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔“

”کون لوگ“ قیدی نے پوچھا

”وہی لوگ جنہوں نے مجھے یہاں رہنے پر مجبور کر رکھا ہے۔۔۔“ عمران نے دردناک لہجے

میں کہا۔۔۔ ”میں بھی قیدی ہوں۔۔۔ یہاں قید کئے جانے والوں کی دیکھ بھال کرتا ہوں۔“

”کیا نکل بھاگنے کی کوئی صورت نہیں۔“

”آپ صرف کپاؤنڈ میں نکل سکتے ہیں۔۔۔ کپاؤنڈ سے باہر قدم رکھا اور کسی جانب سے ایک

گولی آئی اور کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا۔“

”یہ کیسے معلوم ہوا تمہیں؟“

”وہی لوگ کہتے ہیں!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا ”کہتے ہیں کبھی کپاؤنڈ سے باہر

قدم نکال کر دیکھو۔۔۔“

”مگر تمہیں پکڑا کیوں تھا۔۔۔؟“

”صاحب اچھا بھلا سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ دو آدمیوں نے آپکڑا۔ ایک نے کہا کہ تم میری

جیب کاٹ کر بھاگے ہو۔ دوسرے نے میری جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک پر س نکالا جو میرا

نہیں تھا۔۔۔ پھر زبردستی گھٹیئے ہوئے بولے چلو تھانے۔۔۔ اور تھانے کی بجائے یہاں لا پھنسیا۔

میرے بچے، نہ جانے کیا سوچتے ہوں گے عمران خاموش ہو کر سسکیاں لینے لگا۔

”اوہو۔۔۔ چپ رہو۔۔۔ چپ رہو!“ قیدی نے اسے دلاسا دیا۔

”کب تک چپ رہوں۔۔۔ کہاں تک چپ رہوں۔“

”واقعی تم پر بڑا ظلم ہوا ہے۔۔۔ اس وقت اس عمارت میں کتنے آدمی ہیں۔“

”کوئی بھی نہیں۔۔۔“

”کمال ہے!“ قیدی نے حیرت سے کہا۔ اور اس کے باوجود بھی تم خود کو قیدی سمجھتے ہو۔۔۔!“

”مجبور ہوں۔ اگر کپاؤنڈ کے باہر کسی اندیکھی رائفل کی گولی!“

”چھوڑو۔۔۔“ قیدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”تجربہ کئے بغیر تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ ایسا ہو ہی جاتا

ہے۔“

”تجربے کی ہمت نہیں رکھتا جناب۔۔۔ وہ لوگ ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں کہ جو کچھ کہیں گے

کر گزریں گے۔“

”تم باہر جانا چاہتے ہو۔۔۔“

”کیوں نہیں۔۔۔ میرے بال بچے۔۔۔“

”میری مدد کرو۔۔۔ میں تمہیں باہر لے چلوں گا۔۔۔“

”میں تیار ہوں جناب۔۔۔“

”یہاں کوئی گاڑی بھی ہوگی۔“

”تین تین گاڑیاں ہیں گیراج میں اور ان کے ٹنکیاں بھی بھری ہوئیں۔“

کا۔ بری طرح کانپ رہا تھا۔

”بس اب تم چپ چاپ بیٹھو!“ قیدی آہستہ سے بولا۔ ”بہت خوفزدہ معلوم ہوتے ہو۔“

”دو۔ دم نکلا جا رہا ہے۔ مم۔ میرا تو۔۔“ عمران کانپتا ہوا بولا۔

پھر انجن اشارت ہوا، اور کار فرائے بھرتی ہوئی پھانک سے باہر نکل گئی۔ سامنے سنسان سڑک پھیلی ہوئی تھی۔

قیدی ہی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ کچھ دور نکل آنے کے بعد اس نے قہقہہ لگایا۔

”تم تو ڈر کے مارے مرے جا رہے تھے!“ اس نے کہا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”دیکھو پیچھے کوئی گاڑی تو نہیں ہے۔“

عمران نے مڑ کر دیکھا اور کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”نہیں۔۔ کوئی گاڑی نہیں ہے!“

”یار تم خواہ مخواہ اتنے دنوں تک وہاں قید رہے!“ قیدی نے ہنس کر کہا۔

”مم۔۔ میرے۔۔ گھر۔۔ چلے۔۔!“

”نہیں پہلے میں تمہیں اپنے گھر لے چلوں گا۔۔“

”جیسی مرضی جناب کی۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ کار

شہری آبادی کو کافی پیچھے چھوڑ چکی ہے۔

کسی نامعلوم منزل کی راہ خاموشی سے طے ہوتی رہی۔ عمران خود بھی زیادہ نہیں بولنا چاہتا تھا۔

آخر کار گاڑی ایک جگہ رک گئی۔ عمران نے کھڑکی کے باہر نظر دوڑائی، لیکن اندھیرے کے سوا اور کچھ نہ دکھائی دیا۔

”آؤ۔۔“ قیدی دروازہ کھول کر نیچے اترتا ہوا بولا۔ ”تھوڑی دیر آرام کر لیں۔“

اودہ تو سفر لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ عمران نے سوچا۔

وہ بھی نیچے اتر آیا۔

قیدی کہہ رہا تھا۔ ”اب اس گاڑی میں سفر کرنا مناسب نہ ہو گا۔“

”کیوں؟“ عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”عقل کے ناخن لو بڑے میاں۔ اگر فی الحال ہم بچ کر نکل آئے ہیں تو تم یہ سمجھتے ہو کہ بچے ہی رہیں گے؟“

”عمران کچھ نہ بولا۔ قیدی اس کا دہانہ بازو پکڑے اسے آگے بڑھا رہا تھا۔

وہ ایک دیرانے ہی میں رکے تھے اور یہ راستہ جس پر چل رہے تھے۔ تاہم وار بھی تھا اور اس

”مگر انجن تو مقفل ہوں گے۔۔“ قیدی بڑبڑایا۔ ”اودہ۔۔ پرواہ نہیں..... میں انجن کو غیر مقفل کر سکوں گا۔۔ بس تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

”تیار کیسی جناب۔۔ کیا میں نے کوئی دولت اکٹھی کر رکھی ہے بس یونہی نکلا چلوں گا۔ لیکن گولی۔۔!“

”چلو اٹھو۔۔ مجھے باہر لے چلو۔۔“ اجنبی کھانا چھوڑ کر اٹھ گیا۔

”صص۔۔ صاحب پھر سوچ لیجئے۔۔“

”بڑے بزدل ہو۔۔ بڑے میاں..... اتنی عمر گزار چکنے کے باوجود بھی زندگی سے انتہا پیار یار رکھو۔۔ صرف وہی لوگ اس طرح مار لئے جاتے۔ جو موت سے ڈرتے ہیں۔۔“

”مم۔۔ میرے خدا میں کیا کروں۔۔“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”چلو۔۔“ قیدی اسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

وہ ساؤنڈ پروف کمرے سے باہر آئے۔

”صاحب پھر سوچ لیجئے۔۔“ عمران گڑگڑایا۔

”اچھا تم مجھے صرف گیراج تک لے چلو۔۔ پھر بحفاظت باہر نکال لے جانا میرا کام ہو گا۔ تم قطعی بے فکر رہو۔“

وہ دونوں گیراج کی طرف چل پڑے۔ کپاؤنڈاب بھی سنسان پڑی تھی اور اندھیرا پہلے سے بھی گہرا ہو گیا تھا کیونکہ مطلع اب آلود تھا۔



پھر وہ دونوں بڑی آہستگی سے گیراج کی طرف بڑھتے رہے۔

گیراج کے سامنے پہنچ کر عمران نے دھیرے سے کہا۔ ”گاڑی اشارت کر کے باہر نکالنا مناسب نہ ہو گا۔۔ تم گاڑی میں بیٹھ کر انجن اشارت کئے بغیر اسے ریورس گیر میں ڈالو۔ میں آگے سے دھکا لگاتا ہوں۔“

اس طرح گاڑی گیراج سے باہر آئی۔ انجن مقفل نہیں تھا۔ ویسے چابی لگی ہی ہوئی ملی تھی۔ عمران ہی کی تجویز پر اسے اسی طرح پھانک تک لایا گیا۔ انجن اشارت کئے بغیر۔۔

پھانک کے قریب پہنچ کر اسکا رخ سڑک کی جانب کر دیا گیا۔

”اب اتنی تیزی سے نکال لے چلو..... کک..... کک..... کک.....!“ عمران جملہ پورا نہ کر

کی دونوں جانب جھاڑیوں کے سلسلے تھے۔

”نیچے دیکھ کر چلنا۔“ قیدی اس سے کہہ رہا تھا۔ ”ورنہ ہاتھ پیر توڑ بیٹھو گے۔“

”میں محتاط ہوں۔“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ تک چلتے رہنے کے بعد وہ ایک جھونپڑے کے سامنے رکے۔ اندر روشنی تھی! قیدی نے کسی کا نام لے کر پکارا۔۔۔ دروازے پر سے ٹٹھٹھایا گیا اور کوئی سامنے آیا۔ روشنی اس کی پشت پر تھی اس لئے چہرہ دکھائی نہ دیا۔

”کون ہے۔“ اس نے غرائی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

”سکس تھری تھری۔“ قیدی نے جواب دیا۔

دفعتاً قیدی کے چہرے پر نارنج کی روشنی پڑی اور کہا گیا۔ ”ٹھیک ہے دوسرا کون ہے؟“

”اطمینان سے بتاؤں گا۔“ قیدی نے کہا۔

”آؤ۔۔۔!“ دوسرا آدمی راستہ چھوڑ کر ایک طرف ہٹا ہوا بولا۔

وہ دونوں جھونپڑے میں داخل ہوئے۔۔۔ اور عمران نے اندازہ کر لیا کہ وہاں محکمہ جنگلات کا کوئی رکھوالا رہتا ہے۔ کچھ اسی قسم کا سامان وہاں نظر آیا تھا۔

جھونپڑے کا کین صورت سے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پیشانی پر زخموں کے نشانات تھے۔ جسم کی بناوٹ بتا رہی تھی کہ کڑی محنت کا عادی ہے آنکھوں سے سخت گیری بھی عیاں تھی۔ قیدی کو مسلسل گھورے جارہا تھا۔

قیدی نے جلدی جلدی اپنی داستان دہرائی اور پر اشتباہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا چند لمحے گھورتا رہا۔۔۔ پھر بولا۔ ”کیا تم مجھے اس عمارت تک پہنچا سکو گے!“

”م۔۔۔ میں۔۔۔ نن نہیں جناب۔۔۔ میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے نہ تو وہاں تک جاتے وقت میرے ہوش بجاتے اور نہ وہاں سے رہائی کے وقت۔“

”تم۔۔۔“ وہ قیدی کی طرف مڑا۔

”میرا خیال ہے اب شاید میں بھی وہاں تک نہ پہنچ سکوں۔“

”ہوں۔ اچھا۔“ اس نے طویل سانس لی اور بولا۔ ”میں خود اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکوں

گا۔ ہاں۔ تم نے وہ گاڑی کہاں چھوڑی ہے۔“

”سڑک پر۔۔۔“

”میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں!“

قیدی عمران کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”چلو!“

”مجھ پر رحم کرو۔۔۔“ عمران ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ ”مجھ میں اب چلنے کی سکت نہیں رہ گئی!“ جھونپڑی کے کین نے اسے تیز نظروں سے گھورا لیکن کچھ بولا نہیں۔ قیدی نے عمران سے کہا۔ ”اچھا تم یہیں انتظار کرو۔“

وہ چلے گئے اور عمران ان کے قدموں کی دور دوری ہوئی چاہیں سنتا رہا۔ تیز نظروں سے جھونپڑے کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ کار کے نمبر سے وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکیں گے کیونکہ دانش منزل سے تعلق رکھنے والی ساری ہی گاڑیوں کے نمبر جعلی تھے اور ان کا اندران کہیں بھی نہیں تھا۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر عمران جھونپڑے کی تلاشی ہی لے ڈالتا لیکن اس نے اسے مناسب نہ سمجھا۔ اس نے سوچا ممکن ہے آس پاس کوئی اور بھی موجود ہو۔۔۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا بیٹھا بھی نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں واپس آگئے۔ شاید تیز چلے تھے! کیونکہ دونوں ہی ہانپ رہے تھے۔

”اوہو۔۔۔ تم اب تک کھڑے ہو!“ قیدی نے عمران سے کہا۔ ”ہمیں رات یہیں بسر کرنی پڑے گی۔ صبح تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیں گے۔“

”تم کہاں رہتے ہو۔“ دوسرے آدمی نے پوچھا۔

عمران نے آدم پورے کی کسی غیر معروف عمارت کا نام بتایا۔۔۔ لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ مخاطب اب بھی اسے شبہ ہی کی نظر سے دیکھ رہا ہے۔

پیال کے بستر پر وہ لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد اجنبی نے چراغ بھی بجھا دیا۔ عمران دم سادھے پڑا رہا۔ کچھ دیر بعد خراٹے بھی لینے لگا۔ لیکن اس کے حواس خمسہ پوری طرح بیدار تھے۔ قیدی نے اسے مخاطب کر کے پوچھا بھی تھا کہ کیا وہ سو گیا لیکن عمران کے خراٹے بدستور جاری رہے!

پھر کچھ ہی دیر بعد اس نے دونوں کی کھسر پھسر سنی لیکن باتیں سمجھ میں نہ آسکیں۔ وہ کان ادھر ہی لگائے رہا۔ اب وہ صرف ایک ہی اور واضح قسم کی آواز سن رہا تھا جو اس جھونپڑے کے کین ہی کی ہو سکتی تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے ٹرانسمیٹر پر کوئی پیغام نشر کیا جا رہا ہو لیکن جو کچھ بھی کہا جا رہا تھا مخصوص قسم کے کوڈورڈز میں کہا جا رہا تھا۔ اس لئے مفہوم سمجھ میں نہ آسکا!

عمران خود کو کسی نئے وقوعے کے لئے تیار کرنے لگا۔

”اوور اینڈ آل“ کہہ کر وہ آدمی خاموش ہو گیا۔۔۔ اور دونوں میں پھر سرگوشیاں ہونے لگیں۔

عمران نے پتلون کی جیب میں پڑا ہوا ریوالور ٹٹولا۔۔۔ اور پھر اس طرح بوڑوانے لگا جیسے



بعض لوگ سوتے میں بڑاتے ہیں۔

قیدی نے اسے آواز دی اور جواب نہ پا کر ہنسنے لگا۔

”بڑاتا ہے۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔ عمران کے خراٹے پھر شروع ہو گئے تھے۔

”حیرت ہے۔“ کچھ دیر بعد اسی آدمی نے کہا۔ داڑھی بالکل سفید ہے۔۔۔ لیکن سر کے

بال۔۔۔ شاید سر میں ایک بھی سفید بال نہ ملے۔“

اب تو عمران کو یقین ہو گیا کہ قلعی کھلنے میں دیر نہ لگے گی۔۔۔ اس نے دانش منزل میں جو کچھ بھی کیا تھا بہت جلدی میں کیا تھا! ابھی بدلتے وقت صرف یہ بات ذہن میں تھی کہ وہ یہی کی ہمدردیاں حاصل کر کے اس سے اس کے متعلق بھی کچھ نہ کچھ معلوم کر لے گا اور اس کے ساتھ نکل بھاگنے کی تجویز تو اس سے گفتگو کرتے وقت ہی ذہن میں گونجی تھی۔ مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ وہ اس طرح ان لوگوں کے کسی نہ کسی ٹھکانے سے بھی واقف ہو جائے گا! اگر یہ اسکیم پہلے ہی سے ذہن میں ہوتی تو میک اپ کے معاملے میں بہت زیادہ محتاط ہو جاتا۔

بہر حال اب کیا ہو سکتا تھا۔۔۔ اب تو بچاؤ کی کوئی صورت پیدا کرنی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر نشر کئے جانے والے پیغام میں بھی اس نے اسی کے متعلق کسی کو کچھ بتایا ہو اور اپنے شبہات کا بھی اظہار کر دیا ہو۔

فوری طور پر کوئی تدبیر نہ بن پڑی اور تن بہ تقدیر بدستور خراٹے لیتا رہا۔

اور پھر اسے پرواہ کب تھی۔ وہ تو بے خطر آگ میں کود پڑنے کا قائل تھا۔ یہ بعد میں سوچنا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ فی الحال کچھ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا کیونکہ جس مقصد کے حصول کے لئے یہ تنگ و دو کی تھی اس کا ابھی دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

دفعۃً اچھل پڑا۔ غالباً کان کے قریب ہی فائر ہوا تھا اور ایک کرینک سی چیخ اندھیرے میں گونجی تھی۔ پھر جھونپڑے کے کلین کی گرج سنائی دی۔ ”خبردار بوڑھے تم اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا ورنہ تمہاری کھوپڑی میں بھی سوراخ ہو جائے گا۔“

عمران اپنے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکالنے لگا۔ ویسے جیب سے ریوالتور بھی نکل آیا تھا۔۔۔ اب پوری بات اس کی سمجھ میں آئی۔ قیدی ہلاک کر دیا گیا تھا۔۔۔ غالباً ٹرانسمیٹر پر اس نے صرف پیغام نشر ہی نہیں کیا تھا بلکہ کسی کا جوابی پیغام وصول بھی کیا تھا جس کے مطابق قیدی کو ٹھکانے ہی لگا دیا گیا تھا اور خود اس کا مسئلہ ابھی شائد زیر غور تھا۔

”بتاؤ تم کون ہو۔“ اندھیرے میں پھر آواز گونجی۔

”م۔۔۔ میں۔۔۔ یعنی کہ میں۔۔۔“ عمران ہکلیا۔

”ہاں۔۔۔ تم۔۔۔!“

”جی میں۔۔۔ تصدیق حسین خجتر انبالوی ہوں!“

”بکو اس بند کرو۔۔۔ ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔۔۔“

”یقین نہ ہو تو وہ شعر سن لیجئے جو ابھی ابھی ہوا ہے۔ کمال کا شعر ہے۔ سنئے۔“

کل اغیار میں بیٹھے تھے تم

”ہاں ہاں کوئی بات بتاؤ!“

”شاید تم بھی اسی طرح مرنا چاہتے ہو۔“ وہ غرایا۔

عمران چاہتا تو آواز ہی پر فائر کر کے اس کا کام تمام کر دیتا۔۔۔ لیکن اس نے اتنی محنت اس لئے نہیں کی تھی کہ وہ پھر تاریکیوں میں بھٹکنا رہ جاتا۔۔۔ پہلے ایک آدمی ہاتھ لگا جس کے توسط سے مجرم یا مجرموں تک پہنچنے کی توقع تھی لیکن اب شاید اس کی لاش ہی وہاں اندھیرے میں موجود تھی۔۔۔ اور اب دوسرا آدمی یعنی اس قیدی کا قاتل گرفت میں تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی اہم آدمی تھا ورنہ اس اقدام کی جرأت ہرگز نہ کرتا۔

”بتاؤ تم کون ہو۔۔۔ اور اسے کس عمارت میں قید کیا گیا تھا۔“ وہ پھر دہاڑا۔

”میں اپنا نام اور تخلص آپ کو بتا چکا ہوں۔ نمونے کا شعر بھی پیش کر دیا۔۔۔ رہ گئی وہ عمارت

تو وہ اس جھونپڑے سے بہر حال بہتر تھی۔ ٹھائیں ٹھائیں تو نہیں سنی پڑتی تھی۔“

”شائد تم کچ مج مرنا چاہتے ہو۔۔۔“

”بھائی اندھیرے میں نہ مارنا۔۔۔“ عمران گھکھکیلا۔ ”چراغ جلا لو تو بہتر ہے۔۔۔ اندھیرے

میں مرتے وقت دم گھٹنے لگتا ہے اور بڑی الجھن ہوتی ہے۔“

”کیوں شامت آئی ہے۔“

”اندھیرے میں کچھ نہیں ہو سکتا۔۔۔ چراغ جلاؤ۔۔۔ پھر جو کچھ بھی پوچھو گے بتا دوں گا۔“

”اچھا ٹھہرو۔۔۔“

عمران سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ریوالتور جیب میں ڈال لیا تھا۔۔۔ اور آہستہ آہستہ اٹھ رہا تھا۔

اوپر جیسے ہی اس نے دیاسلائی کھینچی اور روشنی ہوئی عمران نے اپنے زخم کی پروا کئے بغیر اس پر چھلانگ لگا دی۔ مقابل اس کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس لئے اسے سنبھلنے کی مہلت نہ مل سکی۔ لڑکھڑا کر گرا اور عمران اسے دبوچ بیٹھا۔۔۔!

چراغ جل نہیں سکا تھا۔ دیاسلائی اس کے ہاتھ ہی میں بچھ گئی تھی۔ اب وہ عمران کے نیچے دبایا ہوا اچھا چھینکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمران کی کوشش تھی کہ کسی طرح وہ آسانی سے

”کیوں؟“

”مجھے ان لوگوں کا انتظار ہے جنہیں تم نے ٹرانسمیٹر پر پیغام بھیجا تھا۔“

”کوئی نہیں آئے گا۔۔۔ مجھے صرف حکم ملا تھا کہ اسے گولی مار کر تمہیں گرفتار کر لوں۔“

”اچھا فرض کرو تم نے مجھے گرفتار کر لیا۔ پھر۔۔!“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“

”تم آخر گرفتار کر کے کرتے کیا۔“

”ان کے دوسرے حکم کا منتظر رہتا۔“

”کن کے۔!“

”میں نہیں جانتا۔“

”پچھلے دن میں نے تمہارے ہی جیسے ایک ضدی آدمی کے دونوں کان کاٹ دیئے تھے!“

عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔

قیدی کچھ نہ بولا۔



عمران بھی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔۔۔ پھر قیدی کے چہرے پر روشنی ڈالتا ہوا بولا۔ ”اپنا منہ کھولو۔“

”نک۔۔ کیوں؟“

”جلدی کرو۔“ عمران غرلیا۔

قیدی نے جلدی سے منہ کھول دیا اور عمران اس میں اپنا رومال ٹھونسنے لگا اس کا جسم متحرک تھا۔ لیکن ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتا تھا کیونکہ وہ بری طرح جکڑے ہوئے تھے۔ ہاتھ پیر باندھے گئے تھے اور وہ بائیں کروٹ پڑا ہوا تھا۔

اب عمران پھر جھونپڑے کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں سے برآمد ہونے والا ٹرانسمیٹر وہیں چھوڑ آیا تھا۔ پیٹ کے بل ریٹکتا ہوا جھونپڑے میں پہنچا۔ یہاں حالات بدستور تھے۔ ٹرانسمیٹر بائیں ہاتھ میں سنبھال کر پھر اسی طرح واپس ہوا۔۔۔ دایں ہاتھ میں ریوالور تھا۔

قیدی کو جیسا چھوڑ کر گیا تھا اسی پوزیشن میں ملا۔ عمران نے اس کے چہرے پر نارنج کی روشنی ڈالی اور اس نے چند ہیا کر آنکھیں بند کر لیں۔

قابو میں آجائے۔ اسی جدوجہد کے دوران میں اس کے سر کے بال عمران کی گرفت میں آجائے۔ اس نے انہیں سختی سے مٹھی میں جکڑ لیا اور دھڑا دھڑا اس کا سر زمین سے ٹکرانے لگا۔ گمٹی گمٹی سی چیخیں اندھیرے میں گونجتی رہیں اور وہ آہستہ آہستہ سست ہوتا گیا۔۔۔ پھر بالکل ہی بے حرکت ہو گیا۔

عمران نے اس پر چڑھے چڑھے ہی ٹٹول کر دیاسلانی کی ڈبیہ تلاش کی اور ایک تیلی جلا کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔

جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ وہ واقعی بیہوش ہے تو عمران اسے چھوڑ کر ہٹ گیا اور چراغ روشن کر کے قیدی پر نظر ڈالی جو زمین پر اوندھا پڑا تھا۔ گولی اسکی کھوپڑی پر ماری گئی تھی۔ اس پاس خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔۔۔ مختصر سی تلاشی کے بعد عمران نے محدود دائرہ عمل والا ٹرانسمیٹر برآمد کر لیا جو بیٹری سے چلتا تھا۔

پھر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ بیہوش آدمی کو جھونپڑے سے ہٹا دے تلاشی کے دوران میں ایک نارنج بھی ہاتھ لگی تھی۔

اس نے بیہوش آدمی کے ہاتھ اور پیر باندھے۔ خود اسکے بازو کا زخم بری طرح دکھ رہا تھا۔ اس کے باوجود بھی اس نے کسی نہ کسی طرح بیہوش آدمی کو پشت پر لاد کر قریبی جھاڑیوں میں پہنچایا اور خود بھی ایک جانب دبک رہا۔ اسے یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی وہاں ضرور آئے گا۔ چونکہ وہاں سے برآمد ہونے والا ٹرانسمیٹر بیٹری میں مل کے اندر اندر ہی کارآمد ہو سکتا تھا اس لئے اس پر بھیجے جانے والے پیغام کا یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ اس نے قریب ہی کے کسی آدمی کو حالات سے مطلع کیا ہے۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا لیکن کسی قسم کی آواز نہ سنائی دی۔ ادھر اس کا قیدی بھی کسمانے لگا۔ طلق سے آوازیں بھی نکالی تھیں۔ شاید وہ پوری طرح ہوش میں آچکا تھا۔ عمران نے اس کے شانے پر ریوالور کی نال رکھ کر تھوڑا سا زور صرف کرتے ہوئے کہا۔ ”چپ چاپ پڑے رہو بیٹے۔۔۔ اگر ہلکی سی آواز بھی نکالی تو سائینسر لگا ہوا کھلونا تمہیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے گا۔“

پھر وہ ساکت ہی ہو گیا۔ عمران جھونپڑے سے نکلنے وقت دو کبل لانا نہیں بھولا تھا۔ ایک خود اس کے استعمال میں تھا اور دوسرا اس نے اپنے قیدی پر ڈال دیا تھا۔

”میں کہاں ہوں۔“ قیدی نے کچھ دیر بعد مضطرب سی آواز میں پوچھا۔

”جھونپڑے سے تھوڑے ہی فاصلے پر جھاڑیوں میں۔“

پھر عمران نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا۔۔۔ "سائیں سائیں" کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔  
کچھ دیر بعد کسی آدمی کی آواز ابھری۔ "سکس تھرٹی ایٹ۔۔۔ سکس تھرٹی ایٹ اٹ از ہیز  
کو ارٹز۔۔۔ سکس تھرٹی ایٹ۔۔۔ رپ پانڈ۔۔۔ سکس تھرٹی ایٹ۔۔۔ اٹ از ہیز کو ارٹز۔!"  
عمران نے پھر سوئچ آف کر دیا اور قیدی کے منہ سے رومال کھینچتا ہو بولا۔ "کیا یہ کال  
تمہارے لئے تھی۔"

وہ کچھ نہ بولا۔۔۔ اور عمران نے اس کی ناک پر ہاتھ رکھ کر کسی قدر باؤ ڈالا۔  
"یہ کیا کر رہے ہو۔۔۔" قیدی کراہ کر چیخا۔

"بٹن دبائے بغیر آواز کہاں نکلتی ہے۔۔۔" عمران چپکارا۔ "اب اگر تم نے بولنے میں دیر لگائی  
تو فکس کر دینے والے بٹن دباؤں گا اور تم بولتے ہی چلے جاؤ گے۔"  
"ذرا میرے ہاتھ کھول دو۔ پھر بتاؤں؟" قیدی کسی ککھنے کتے کی طرح غرایا۔  
"میں تو تمہیں دو لہا بھی بنا سکتا ہوں۔ لیکن۔۔۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"  
"ہاں وہ کال میرے ہی لئے تھی پھر!"

"میں ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کرنے جا رہا ہوں۔ تم اپنے ہیڈ کو ارٹز سے گفتگو کرو گے اور  
انہیں بتاؤ گے کہ تم نے اپنے ساتھی کو مار ڈالا۔ اور مجھے بھی بے بس کر چکے ہو۔"  
"تم مجھے مجبور نہیں کر سکتے۔"

عمران نے ریوالتور کے دستے سے اس کے گھٹنے پر ضرب لگائی اور منہ پر ہاتھ جمادیا۔  
وہ پھلنے لگا لیکن کراہ کی آواز نہ نکل سکی۔ کیونکہ منہ پر بھی عمران کی گرفت مضبوط تھی۔ اس  
نے دوسرے گھٹنے پر بھی ضرب لگائی۔ پھر تو بے ٹکان اس کے دونوں گھٹنوں اور پنڈلیوں کی  
ہڈیوں پر قیامت توڑ مارا۔

کچھ دیر بعد جب اس نے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹایا تو وہ دبی دبی سی سسکیاں لے رہا تھا۔۔۔  
شاید اس پر غشی طاری ہو رہی تھی۔  
عمران نے پتلون کی جیب سے جیوگم کا پیکٹ نکالا اور اس میں سے ایک پیس نکال کر منہ میں  
ڈال لیا۔

"جیوگم سے شوق کرو گے؟" اس نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔ "اس غریب الوطنی  
میں اس سے زیادہ خاطر نہ کر سکوں گا۔"

"وہ کچھ نہ بولا۔ پھر بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔۔۔ عمران نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا  
لیکن آواز کا حجم نہیں بڑھایا۔۔۔ سکس تھرٹی ایٹ کی پکار برابر ہو رہی تھی۔!"

اس بار اس نے سوئچ آف کر کے ٹرانسمیٹر کو قیدی کے چہرے کے قریب رکھ دیا۔  
ریڈیم ڈائیل والی گھڑی دیکھی چار بج رہے تھے۔ جو کچھ بھی کرنا تھا۔ اجالا پھیلنے سے قبل ہی  
گز گزرتا تھا۔۔۔ اب سوئچ رہا تھا کہ قیدی کو اتنی بیدردی سے نہ مارنا چاہئے تھا۔۔۔ اب تو اس کے  
بھی امکانات تھے کہ زبان بند رکھنے کے لئے وہ ہوش میں آجانے کے باوجود بھی خود کو بے  
ہوش ہی پوز کر تارہتا۔

تھوڑی دیر بعد اسے دو تین چھینکیں آئیں اور وہ آہستہ آہستہ کراہنے لگا۔  
"مجھے بتاؤ۔ تمہاری بوتل جھونپڑے میں کہاں رکھی ہے!" عمران نے ہمدردانہ لہجے میں  
کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم اس کی ضرورت محسوس کر رہے ہو!"  
"ہاں۔ آں۔۔۔" وہ کراہا۔ "لکڑی کے صندوق میں!"  
عمران تیزی سے جھاڑیوں کے باہر ریگ گیا! اور پھر واپسی میں دو منٹ سے زیادہ نہیں  
صرف ہوئے۔ برانڈی کی آدھی بوتل تھی۔  
کارک نکال کر اس کے ہونٹوں سے لگا دی اور اس وقت تک نہیں ہٹائی جب تک کہ قیدی  
نے اپنے سر کو جھکا نہیں دیا۔

"اب تم حواس میں رہ کر عقلمندی کا ثبوت دے سکو گے۔۔۔" عمران خوش ہو کر بولا۔  
قیدی کچھ نہ بولا۔ گہری گہری سانس لے رہا تھا۔  
"کیا تمہیں یاد ہے۔ میں نے کیا کہا تھا۔"  
"ہاں۔۔۔!" آواز کسی زخمی بھیڑیے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔  
"میں ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کرنے جا رہا ہوں۔ کال ہونے پر تم وہی کہو گے جو میں کہہ چکا  
ہوں! سمجھے۔"

قیدی کچھ نہ بولا۔ عمران نے ٹرانسمیٹر کا سوئچ آن کر دیا۔  
کچھ دیر بعد پھر سکس تھرٹی ایٹ کی پکار ہوئی اور قیدی بھرائی ہوئی آواز میں بولا "اٹ از  
سکس تھرٹی ایٹ۔۔۔ میں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرا میرا قیدی ہے۔۔۔ اور۔۔۔"  
"تم اسے وہیں رکھو۔۔۔ کچھ دیر بعد انتظام کیا جاسکے گا۔۔۔ اور اینڈ آل۔"  
آواز پھر نہیں آئی۔۔۔ عمران نے سوئچ آف کر کے پوچھا۔ "اور پیو گے!"  
"غوں۔۔۔" اس نے غصیلی سی آواز حلق سے نکالی۔ عمران نے پھر بوتل اس کے ہونٹوں  
سے لگا دی۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر عمران نے کہا۔ "غالباً اب کوئی تمہارے قیدی کے لئے آئے گا"

ایک پائی بھی میری ذات پر صرف نہیں ہوئی تھی۔۔۔ آڈیٹر نے اسے چیک کر لیا اور مجھے جیل بھجوا دینے کی دھمکی دی۔ ان دنوں میں بھید شریف یا دوسرے لفظوں میں بزدل تھاؤں گیا۔۔۔ پھر آڈیٹر نے تجویز پیش کی کہ میں ایک گروہ کے لئے کام کروں جو اسمگلنگ کرتا ہے اس طرح یہ کمی پوری کر دی جائے گی۔ میں تیار ہو گیا تھا۔ پھر جب اچھی طرح دلدل میں پھنس چکا تو معلوم ہوا کہ اسمگلرز نہیں بلکہ غیر ملکی ایجنٹ تھے اور میں ملک و قوم سے غداری کا مرتکب ہو رہا ہوں۔۔۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ پوری طرح ان کی گرفت میں تھا۔

”بذکوار ٹر کہاں ہے۔“

”یقین کر دو دوست۔۔۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔۔۔ ذرا بوتل ادھر بڑھانا۔۔۔“

”ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔“ عمران نے بوتل اس کے ہونٹوں سے لگا دی۔

دو تین گھونٹ لے کر اس نے سر کو جھٹکا دیا اور عمران نے بوتل ہٹالی۔

”تمہارے ذمے کیا کام ہے۔“

”محکمہ جنگلات کے ایک آفیسر سے کچھ پیغامات ملتے ہیں۔ جنہیں میں کوڈورڈز میں بذریعہ ٹرانس میٹر ہیڈ کوارٹر تک پہنچا دیتا ہوں۔“

”کیا کبھی کسی غیر ملکی سے بھی سابقہ پڑا ہے۔“

”کبھی نہیں۔“

”یہ آدمی جسے تم نے گولی مار دی ہے۔ کون تھا؟“

”محکمہ جنگلات کا وہی آفیسر جس کے پیغامات ہیڈ کوارٹر تک پہنچاتا تھا۔“

”اور ہیڈ کوارٹر کے پیغامات اس تک۔۔۔ کیوں؟“

”ہاں۔۔۔“

”کیا تم جانتے ہو کہ اس نے لیفٹیننٹ بن کر ایک آدمی کے اغواء کا پروگرام بنایا تھا۔“

”اس نے پروگرام نہیں بنایا تھا بلکہ یہ پروگرام میرے توسط سے اسے ہیڈ کوارٹر کی طرف سے ملا تھا۔“

”کوڈورڈز کی ٹریننگ تمہیں کہاں سے ملی تھی؟“

”اسی آڈیٹر سے جس نے مجھ پر غبن کا کیس کرنے کی دھمکی دی تھی۔“

”وہ اب کہاں مل سکے گا۔“

”اسی فرم میں۔“

”نام بتاؤ۔۔۔“

وہ خاموش ہی رہا۔

”کیا وہ سب تمہیں پہچانتے ہیں۔“ عمران نے پوچھا۔

”ہاں۔“

”خیر اب تم یہ بتاؤ۔۔۔ پھانسی کا پھندہ پسند کرو گے۔۔۔ یا سرکاری گواہ بننا۔“

”میں موت سے نہیں ڈرتا۔“

”شادی سے پہلے میں بھی نہیں ڈرتا تھا۔“ عمران نے کہا۔ ”لیکن شادی کے بعد سے نہ

صرف موت سے ڈرنے لگا ہوں بلکہ مختلف قسم کے ہدایت نامے بھی پڑھنے لگا ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے کہ تم پھانسی کا پھندہ انہیں پسند کرو گے۔“

وہ پھر کچھ نہ بولا۔

”میں ابھی کیوں نہ تمہاری کھوپڑی میں گولی ہی مار دوں۔“ تھوڑی دیر بعد عمران نے کہا۔

”بکے جاؤ۔۔۔ مجھے کسی بات کی بھی پرواہ نہیں ہے۔“

”اگر پھر میں شروع ہو جاؤں۔۔۔“ عمران بڑبڑایا۔ ”اس بار تمہارے دانتوں کی مضبوطی

آزمائوں گا۔“

”نہن۔۔۔ نہیں۔۔۔“ قیدی بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ”تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔“

”مجھے کون روکے گا۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا چاہتے ہو۔“

”ہیڈ کوارٹر کا پتہ بتاؤ۔“

”میں نہیں جانتا۔۔۔ یقین کرو۔۔۔ ہمیشہ ٹرانسمیٹر ہی پر ان سے گفتگو ہوتی ہے۔“

”محکمہ جنگلات سے تمہارا کیا تعلق ہے۔“

”واجب مین ہوں۔“

”مگر تم تو پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔۔۔“

”اس ملازمت سے قبل ہی سے میرا ان سے تعلق رہا ہے۔ ان کی ہدایت پر میں نے یہ

ملازمت اختیار کی تھی۔“

”ان کے ہاتھ کس طرح پڑے تھے۔“

”لمبی کہانی ہے۔“

”میں سننا پسند کروں گا۔“

”میں ایک مقامی فرم میں کیشیر تھا۔ ایک بار نہ جانے کیسے چپاس ہزار کا گھپلا ہو گیا جس کی

”تم پہلے یہ بتاؤ کہ اب میرا کیا حشر ہو گا۔“  
 ”عقلندی سے کام لیتے کا وعدہ کرو تو تمہاری گردن بچانے کا وعدہ میں بھی کر لوں گا۔“  
 ”میں تیار ہوں۔“

”ہوں؟“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”کیا مجھے یہاں رک کر ہیڈ کوارٹر کے کسی آدمی کا انتظار کرنا چاہئے۔“

”فضول ہے۔“ قیدی نے کہا۔ ”کوئی نہیں آئے گا۔“

”پھر تم مجھے ان تک کس طرح پہنچاتے۔۔۔“

”وہ جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عمران نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اس نے کسی قسم کی آواز سنی تھی۔۔۔ کوئی جھاڑیوں کے باہر چل رہا تھا۔“

عمران نے جھانک کر دیکھا۔ تاروں کے چھاؤں میں ایک دراز قد آدمی نظر آیا۔ جو جھونپڑے کی طرف جارہا تھا۔

عمران نے آخری بار جھونپڑے کا چراغ نہیں بجھایا تھا۔

اس نے اس آدمی کو جھونپڑے میں داخل ہوتے دیکھا اور خود بھی تیزی سے باہر ریگ گیا! ریوالتور کا دستہ مضبوطی سے اس کی مٹھی میں جکڑا ہوا تھا۔

جھونپڑے تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ اس نے دروازے سے جھانکا۔ آنے والے کی پشت اس کی طرف تھی اور وہ قیدی کی لاش پر جھکا ہوا تھا۔

پھر جیسے ہی وہ سیدھا ہونے لگا عمران تیزی سے پیچھے ہٹ کر پھر زمین پر لیٹ گیا۔

وہ جھونپڑے کے باہر آچکا تھا۔۔۔ پھر اس نے آہستہ سے آواز دی۔ ”سکس تھرٹی ایٹ۔ تم

کہاں ہو۔“

لیکن یہ آواز۔۔۔؟ عمران کی کھوپڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔ یہ تو کسی عورت کی انتہائی سریلی آواز تھی۔ اس نے پھر سکس تھرٹی ایٹ کو پکارا۔ آواز اتنی بلند تھی کہ جھاڑیوں تک ضرور پہنچی ہوگی جہاں سکس تھرٹی ایٹ رسیوں سے جکڑا ہوا تھا۔

دفعتاً عمران نے حلق سے بھرائی ہوئی سی آواز نکالی۔ ”اندر چلو۔۔۔ اندر چلو۔“

”تم کہاں ہو۔۔۔“ پھر پوچھا گیا۔

”اندر چلو۔۔۔“ عمران نے پھر اسی لہجے میں کہا۔

اور وہ جھونپڑے میں چلی گئی۔

ان لوگوں کے طریق کار کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمران نے سوچا کہ وہ سکس تھرٹی ایٹ

سے ذاتی طور پر شاید ہی واقف ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کی شکل تک نہ دیکھی ہو۔۔۔  
 جیسے ہی وہ جھونپڑے میں داخل ہوا۔ وہ چونک کر مڑی۔

دراز قد اور خوش شکل عورت تھی۔ ہاتھ پیر خاصے مضبوط معلوم ہوتے تھے۔ عمر بھی زیادہ نہیں تھی۔ بمشکل پچیس یا چھیس کی رہی ہوگی۔۔۔ جیکٹ اور چست پتلون میں لمبوس تھی۔

”قیدی کہاں ہے؟“ اس نے پوچھا اور عمران نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ حقیقتاً سکس تھرٹی ایٹ سے واقف نہیں تھی۔

”یور آئیڈنٹی؟“ عمران نے سخت لہجے میں پوچھا۔

”ٹائمن سیون فور۔۔۔ فار ہیڈ کوارٹرز۔۔۔“

”فاریا فرام۔۔۔“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”فار؟“ وہ اسے گھورتی ہوئی غرائی۔

”تہا۔۔۔ آئی ہو۔۔۔!“

”ہاں۔۔۔ قیدی کہاں ہے۔ اسے بیہوش کر کے گاڑی تک پہنچا دو۔“

”وہ وہاں جھاڑیوں میں پڑا ہے۔ یہاں رکھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔“

”اسے یہاں لاؤ۔۔۔“

”بہت بہتر۔۔۔ تم بیٹھ جاؤ۔۔۔ عمران نے اسٹول کی طرف اشارہ کیا اور خود باہر نکل گیا۔

وہ جھاڑیوں میں واپس آیا اور قیدی سے بولا۔ ”کوئی عورت آئی ہے۔ قیدی کو یہاں سے لے جانے کے لئے۔ وہ تمہیں صورت سے نہیں پہچانتی۔ اس لئے میں نے خود کو بحیثیت سکس تھرٹی

ایٹ پیش کیا ہے اور تمہیں قیدی کی صورت میں اس کے سامنے لے جاؤں گا۔“

”اس سے فائدہ!“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ تم اس طرح ہیڈ کوارٹر تک ہرگز نہ پہنچ سکو گے۔“ عمران چند لمحوں پر غور کرتا رہا پھر بولا۔ ”پھر تم کیا کہنا چاہتے ہو۔۔۔“

”میں اس زندگی سے تنگ آگیا ہوں! انہوں نے مجھے فریب دے کر پھانسا تھا۔ عرصہ سے خواہش تھی کہ کسی طرح ان کا بیڑہ غرق ہو اور اس میں میرا نمایاں حصہ ہو۔! مجھے اپنی جگہ ہی پر

رہنے دو اور مجھ سے رابطہ قائم رکھو۔ اس طرح ان چوہوں کو ان کے بلوں سے نکالا جاسکے گا۔۔۔

اس عورت کو جہاں چاہو لے جاؤ مجھ سے پوچھا جائے گا تو کہہ دوں گا کہ کوئی عورت یہاں سرے

سے آئی ہی نہیں۔ ایک بوڑھا آدمی تھا جو قیدی کو ہیڈ کوارٹر کے حوالے سے لے گیا۔“

”تجویر معقول ہے۔ لیکن..... اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم ہمارا ہی ساتھ دو گے۔“

”فی الحال میں کسی طرح بھی یقین نہ دلا سکوں گا۔“

”گٹ گونینگ..... بے بی۔“ عمران نے ریو اور کی نال سے دباؤ ڈال کر کہا۔

انجین اشارت ہوا۔۔۔ اور وین چل پڑی۔

عمران اسے مختلف سڑکوں پر گاڑی موڑنے کی ہدایت دیتا ہوا سیدھا دانش منزل لایا اور اسی طرح کمر سے ریو اور لگائے ہوئے نیچے اترنے کا حکم دیا۔

کچھ دیر بعد وہ ساؤنڈ پروف کمرے میں پہنچ چکی تھی۔۔۔ لیکن اس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی خوف نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔۔“ عمران نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور وہ بڑے پروقار انداز میں چلتی ہوئی صوفے کی طرف بڑھی۔

عمران سوچ رہا تھا کہیں بساط کا یہ مہرہ بھی فضول ہی نہ ثابت ہو۔!

”اب بتاؤ۔۔؟“ عمران نے کہا۔

”کیا بتاؤ۔“ وہ غصیلے انداز میں غرائی۔

”تم کس کے لئے کام کر رہی ہو۔۔“

”کیا مطلب۔۔“

”تمہیں کس نے بھیجا تھا۔۔“

”تمہارا دماغ صحیح ہے یا نہیں۔۔“ اس نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”کسی نے بھیجا ہے یا تم زبردستی پکڑ لائے ہو۔ میں ایک سنان سڑک سے گزر رہی تھی تم نے ہاتھ اٹھا کر گاڑی رکوائی۔ پھر قریب آئے اور ریو اور نکال لیا۔ تمہارے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے انہوں نے ایک لاش اٹھا رکھی تھی۔۔ لاش انہوں نے میری وین میں رکھ دی اور تم ریو اور کے زور سے میرے قریب بیٹھ گئے اور ڈرائیو کرنے پر مجبور کرتے ہوئے یہاں تک لائے۔ پتہ نہیں تم کیا چاہتے ہو!“

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور احمقانہ انداز میں منہ چلانے لگا۔ سفید گھنی داڑھی تو کبھی کی چہرے سے الگ ہو چکی تھی اور وہ اب اپنی اصلی صورت میں اس کے سامنے موجود تھا۔

”میں کہتی ہوں مجھے جانے دو۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔۔؟“ وہ دانت پیس کر بولی۔

”یہ وین کس کی ہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”میری ہے۔۔ اور کس کی ہوتی۔۔“

”کیا کام کرتی ہو۔۔“

”بکواس بند کرو۔ بالکل اجڑ معلوم ہوتے ہو۔۔ معزز خواتین سے گفتگو کرنے کا سلیقہ نہیں

”اچھی بات ہے۔۔ فی الحال میں بھی جو کچھ کر رہا ہوں مجھے کرنے دو۔“

عمران نے اسے اٹھا کر پیٹھ پر لادا اور جھونپڑے میں لے آیا۔ عورت اٹھتی ہوئی بولی۔ ”اسے

گاڑی تک پہنچا دو۔“

”اوکے مادم۔۔“ عمران دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ قیدی اس کی پشت پر لدا ہوا تھا۔

کچھ دور چلنے کے بعد وہ سڑک پر آئے۔۔ خود عورت ہی نے رہنمائی کی تھی لیکن عمران اس

راستے سے نہیں آیا تھا۔ کافی وقت صرف ہوا تھا یہاں تک پہنچنے میں۔ گاڑی ایک چھوٹی سی وین

تھی۔ عمران نے عورت سے کہا کہ وہ ڈرائیو کی سیٹ پر بیٹھے وہ پچھلا دروازہ کھول پکا تھا۔ قیدی

زمین پر تھا۔ عورت اگلی سیٹ پر جا بیٹھی۔ عمران نے جلدی سے اس کے ہاتھ پیر کھول دیئے اور

اس طرح دروازہ بند کیا کہ آواز پیدا ہو۔!

قیدی آزاد ہو چکا تھا۔ اب عمران تیزی سے آگے جھپٹا اور ڈرائیو کی سیٹ کے برابر والا

دوسرا دروازہ کھول کر عورت کے پاس بیٹھ گیا۔

”کیا مطلب۔۔“ عورت نے چونک کر کہا۔

”چلو۔۔“

”تم!“ اس نے حیرت سے کہا۔ ”مجھ سے یہ نہیں کہا گیا۔“

”دیکھو ہنی۔۔ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”یہ جو چیز تمہاری کمر میں چھپ رہی ہے

پینتالیس کیکری کے ریو اور کی نال ہے۔ لہذا جلد ہر کہوں چپ چاپ چلی چلو۔ ورنہ۔۔۔۔۔ یہ خالی

بھی نہیں ہے۔!“



پھر اس نے سکس تھری ایٹ کو آواز دے کر کہا۔ ”اس لاش کو اٹھا لاؤ ساتھ لے جاؤں

گا۔!“

”تت۔۔۔۔۔ کون ہو۔۔“ عورت ہلکائی۔

ریو اور کی نال بدستور عورت کی کمر سے لگی ہوئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وین کے پچھلے دروازے کے کھلنے اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔

”نڈ۔!“ عمران بلند آواز میں بولا۔ ”اب اپنا نام بھی بتاتے جاؤ۔“

”راجن چودھری۔۔“ باہر سے آواز آئی۔

ہے تمہیں۔“

”کوئی معزز خاتون ہی یہ کمی بھی پوری کر دے گی۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔ ”پھر بھی اپنے سوال کا جواب ضرور چاہوں گا۔“

”کیا میں کوئی گری پڑی عورت ہوں کہ کام کاج کرتی پھر دوں۔“

”یہ بات بھی معقول ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”میں پھر کہتی ہوں مجھے جانے دو۔“

”معزز خواتین کی بے حد عزت کرتا ہوں اس لئے کافی اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس کروں گا۔“ مطمئن رہو۔۔۔ یہ بتاؤ کہ ان لوگوں کے چکر میں کیسے پھنسی تھیں۔۔۔“

”کن لوگوں کے؟“

”جن کا حکم سن کر تم کو یہ بھلا دینا پڑتا ہے کہ تم ایک معزز خاتون ہو!“

”تم یقیناً نشے میں ہو!“

”معزز خواتین کو دیکھ کر بغیر پنے بھی اکثر بہک جاتا ہوں۔۔۔ تم اس کی پروا نہ کرو۔۔۔“

”شاید تمہاری شامت ہی آگئی ہے۔۔۔ کیا تم نے کبھی سمیعہ رضی الدین کا نام سنا ہے۔“

”غالباً۔۔۔ وہ جو بہت مشہور سوشل ورکر ہیں۔۔۔ خان بہادر رضی الدین کی بیگم صاحبہ!“

”میں سمیعہ رضی الدین ہوں!“

”گڈ۔۔۔ تب تو مشکل آسان ہو گئی۔۔۔ میں رضی صاحب کو فون کر کے یہیں بلائے لیتا ہوں۔“

”سک۔۔۔ کیا بکواس کر رہے ہو۔“

”میں اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہوں محترمہ۔۔۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”پچھلے دنوں ایک صاحبہ نے خود کو پرائم فکٹر کی بیوی ظاہر کر کے مجھ سے ساڑھے بارہ آنے اٹھنے لئے تھے۔۔۔!“

”م۔۔۔ میں۔۔۔ تمہیں یقین دلاتی ہوں۔“

”اگر وہ خود آکر تصدیق کر دیں تو کیا برائی ہے۔۔۔ میرے خیال سے سوشل ورکر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ بارہ بجے رات کے بعد شہر میں دین لئے پھریں جب کے خان بہادر صاحب کے پاس کئی بڑی شاندار کاریں بھی موجود ہیں۔ شاید وہی آپ سے پوچھ سکیں کہ دین گھینٹے پھرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔“

وہ خاموش ہو گئی۔ جیکھے خدو خال کسی قدر ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ کچھ دیر پہلے کی دیدہ دلیری دم

تو ذی نظر آ رہی تھی۔

”آپ یہیں تشریف رکھئے محترمہ۔“ عمران دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ میں

دوسرے کمرے میں جا کر خان بہادر کو فون کروں گا۔۔۔ نمبر ڈائرکٹری میں دیکھ لوں گا۔۔۔!“

”ٹھہرو۔۔۔“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”جلدی کہئے جو کچھ کہنا ہو۔۔۔ میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

عورت تھوک نکل کر رہ گئی۔

عمران استفہامیہ انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

”انہوں نے مجھے۔۔۔ بلیک میل کیا تھا۔“ وہ کچھ دیر بعد بولی۔

”بہت پرانی کہانی ہے۔“ عمران نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”پھر مجھے کیا کہنا چاہئے۔۔۔ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو!“ عورت جھلا گئی۔

”میں یہ قطعی نہیں جانتا چاہتا کہ تمہیں کس سلسلے میں بلیک میل کیا گیا ہے بلیک میل کا نام

اور پتہ بتاؤ۔۔۔“

”یہی تو میں نہیں جانتی۔۔۔“

”اچھا اسی کا نام اور پتہ بتاؤ جس کے سلسلے میں بلیک میل کی جاتی رہی ہو؟“

”کیا مطلب۔۔۔“ اس نے پھر آنکھیں نکالیں۔

”کسی بوڑھے کی جو ان بیوی بھلا کس سلسلے میں بلیک میل کی جاسکتی ہے؟“ عمران نے بڑے

بھولے پن سے پوچھا۔

”بد تمیز ہو تم۔۔۔“ عورت اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

عمران کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ تھی اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔ آخر

کار اس نے کہا۔ ”اسی دل گردے کی ہو تو بلیک میل کیوں ہوتی رہی ہو۔۔۔“

وہ پھر بیٹھ گئی۔ اب اس کی نظریں فرش پر تھیں۔

عمران نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”ہو سکتا ہے اس بلیک میلنگ میں اسی کا ہاتھ ہو جس کے لئے تم

بلیک میل کی جا رہی ہو۔۔۔!“

”ناممکن ہے!“ عورت کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکلا۔

”کیا عمر ہوگی تمہاری۔“

”تم سے مطلب۔“ عورت بہت زیادہ جھلا گئی۔

”ستائیس سال۔۔۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ ”تیس سال تک خود فریبی

کی عمر کہلاتی ہے۔۔۔ اس لئے اگر تم بھی اپنے یا کسی دوسرے کے متعلق خوش فہمی میں مبتلا ہو تو یہ حیرت کی بات نہیں۔۔۔ خیر۔۔۔ میں تو تم سے پہلے پوچھنا چاہتا ہوں کیا تم اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن ہو۔۔۔!

وہ پھر سست نظر آنے لگی۔۔۔ نظریں فرش پر جمی ہوئی تھیں اور چہرے کے اتار چڑھاؤ سے جذباتی کش مکش نمایاں تھی۔

”میرا خیال ہے کہ کوئی بھی شریف النفس انسان خوشی سے وطن دشمنی کو شعار نہیں بنا سکتا۔۔۔ میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ برے آدمی بھی کسی مجبوری ہی کے تحت اس طرح اپنی روح تک فروخت کر دینے پر آمادہ ہوتے ہوں گے!“

عورت نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

عمران کہتا رہا۔ ”اس بیٹی کو کیا کہو گی جو ماں کی عزت کا سودا کر بیٹھے!“

”خاموش رہو۔ خدا کے لئے خاموش رہو۔“ وہ رو پڑی۔

عمران خاموش ہو گیا اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ہوئے سسکیاں لیتی رہی۔۔۔

کچھ دیر بعد اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔ ”تم کون ہو؟“

”تم خود ہی اندازہ لگاؤ کہ میں کون ہو سکتا ہوں۔“

”سی آئی ڈی سے تعلق ہے تمہارا۔۔۔“

”ہو سکتا ہے۔۔۔“

”پھر اب میرا کیا ہو گا۔۔۔“

”ہاں یہ مسئلہ قابل غور ہے۔۔۔ سمیعہ رضی..... جیسی محبت وطن سوشل ورکر کا مستقل۔“

”کیا مجھے کورٹ میں پیش ہونا پڑے گا۔“

”سبھی کچھ ہو سکتا ہے۔“

”بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔“

”ہے کیوں نہیں؟ کیونکہ معاملات ابھی میری ذات سے آگے نہیں بڑھے۔“

”تو پھر خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔“ وہ گھٹکیائی۔

عمران کچھ نہ بولا! خواہ مخواہ ایسی صورت بنائے رہا جیسے کسی الجھن میں پڑ گیا ہو۔!

”بولو۔۔۔ کیا کرو گے تم؟“ کچھ دیر بعد عورت نے پوچھا۔

”اگر میں نے تمہیں رہا کر دیا تو تم زندہ نہیں بچو گی۔۔۔ وہ تمہیں ختم کر دیں گے۔“

”ہو سکتا ہے۔۔۔“ وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

”اگر نہ رہا کیا تب بھی تم خسارے میں رہو گی تمہاری گم شدگی خان بہادر صاحب کے ہاتھ پر کلک کا ٹیکہ بن جائے گی۔“

”یہ بھی درست ہے۔۔۔“ وہ اپنی پیشانی مسلتی ہوئی بولی۔۔۔ ”میں کیا کروں؟“

”اگر تم مجھے سب کچھ بتا دو تو میں کوئی تدبیر کرنے کا وعدہ کر سکتا ہوں۔“

”میں بتا دوں گی۔۔۔ لیکن یقین کرو کہ میں ان میں سے کسی سے بھی واقف نہیں ہوں۔ یہ

دوسرا آدمی تھا جس سے مجھ دو بدو ہونا تھا۔۔۔ ورنہ مجھے تو فون پر احکامات ملتے ہیں! میں نے کئی بار

ایس چیچ سے بھی پتہ لگانے کی کوشش کی لیکن دوسرے فون کا نمبر مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔“

”ان کے ہتھے کیسے چڑھی تھیں۔؟“

”انہوں نے میرا ایک راز فاش کر دینے کی دھمکی دے کر مجھے اپنا غلام بنایا تھا۔۔۔“

”اس آدمی کا نام اور پتہ بتاؤ جس سے وہ راز وابستہ ہے۔“

عورت نے فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا اور عمران بھی خاموشی سے جواب کا منتظر رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”اس کا نام سی ایچ طارق ہے۔ یونیورسٹی میں

پولیسکل سائنس کا لکچرار ہے۔۔۔ لیکن میں یقین نہیں کر سکتی کہ اس بلیک میلنگ میں اسی کا ہاتھ

ہو گا۔۔۔“

”سب کچھ ممکن ہے۔“

وہ پھر خاموش ہو گئے! عورت بیحد نروس نظر آرہی تھی! ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پل بھر میں

اس کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔ تھکے خدو خال تفکر آمیز اضطلال میں ڈوب گئے تھے۔

عمران نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔ ”وہ تم سے کیا کام لیتے ہیں۔“

وہ کچھ نہ بولی۔

کچھ دیر اور خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔ ”مختلف قسم کے کام۔ جو اکثر قطعی بے سرو پا معلوم

ہوتے ہیں! نہ میں ان کا مقصد سمجھتی ہوں اور نہ انہیں کوئی معنی پہنا سکتی ہوں۔“

”مثلاً۔۔۔“

”پچھلے دنوں مجھے حکم ملا تھا کہ میں بہت ہی توانا قسم کے تین چار بے مہیا کر کے انہیں ایک

مقامی ڈاکٹر کے سپرد کر دوں۔۔۔“

”ڈاکٹر کا نام اور پتہ۔۔۔“ عمران جیب سے اپنی نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔

”ڈاکٹر پی۔ کے۔ جھٹنگر۔۔۔ سترہ پرنس لین۔۔۔“

عمران نے نام اور پتہ نوٹ کیا۔۔۔ چند لمحوں کے بعد سوچا رہا پھر بولا۔ ”تم اس وقت قیدی کو کہاں



لے جاتیں۔“

”احکامات کے مطابق میں اسے ایک سفارت خانے کی عمارت کی کپاونڈ میں چھوڑ دیتی۔“  
”اور لاش کا کیا ہوتا۔“

”میں جھوٹے والے کو ہدایت دیتی کو اسے وہیں کہیں دفن کر دے۔“

پھر عمران کے استفسار پر اس نے سفارت خانے کی عمارت کا محل وقوع بھی بتایا۔ عمران سب کچھ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔

نوٹ بک بند کر کے اس نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔ ”اچھا محترمہ میں فی الحال تمہارے انتظام کئے دیتا ہوں۔ لیکن تم مجھ سے رابطہ قائم رکھو گی اور ان کے احکامات کی بھی تعمیل کرتی رہو گی۔“ کیا سمجھیں۔“

”میں یقین دلاتی ہوں وہی کروں گی جو تم کہو گے۔“

”تم اپنی دین میں بیہوش پائی جاؤ گی۔ اس سڑک پر جو اس ویران علاقے کی طرف جاتی ہے۔ تمہاری دین کا پچھلا حصہ تباہ ہو چکا ہو گا۔ اور تم بحالت بیہوشی اسٹیرنگ پر تکی ہوئی ہو گی۔ پولیس باقاعدہ طور پر اس حادثہ کی رپورٹ درج کرے گی۔ میرے آدمی تمہیں بیہوشی کی حالت میں ہسپتال پہنچائیں گے اور ہوش آنے پر تم بیان دو گی کہ کسی گاڑی نے پیچھے سے تمہاری دین میں ٹکرماری تھی۔ پھر کیا ہوا تھا؟ تمہیں یاد نہیں۔ اور یہی بیان تم ان لوگوں کو بھی دو گی جو تمہیں ان معاملات میں الجھائے ہوئے ہیں! تم ان سے کہو گی کہ ان کے حکم کی تعمیل کرنے جا رہی تھیں کہ یہ حادثہ پیش آیا اور تم بتائی ہوئی جگہ پر پہنچنے کی بجائے ہسپتال جا پہنچیں!“

”اوہ۔۔۔ یہ ٹھیک ہے۔۔۔ بہت بہت شکریہ۔۔۔ لیکن مجھے بیہوش کیسے کر دو گے؟“

”ایک انجکشن کے ذریعہ۔۔۔ لیکن میڈیکل سٹ ہی بتائے گا کہ بیہوشی کی وجہ اچانک دھچکا تھا۔“

”اوہ ٹھیک۔۔۔ بہت مناسب۔“

”لیکن تم یونیورسٹی کے لیکچرر سے بھی پہلے ہی کی طرح ملتی رہو گی۔ اسے کچھ بھی نہ معلوم ہونے پائے۔۔۔ ویسے کیا اسے علم ہے کہ کوئی تمہیں بلیک میل کر رہا ہے۔“

”نہیں قطعی نہیں! میں نے اس کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کیا۔“

”اچھا۔۔۔ میں ابھی آیا۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔

کمرے سے باہر نکل کر اس نے دروازہ کے اس میکینزم کو حرکت دی جو اسے اس طرح مقفل

کر دیتا کہ کسی لاعلم آدمی کی کوششوں سے نہ کھل سکے۔

اب وہ آپریشن روم میں آیا۔ فون پر بلیک زیرو سے رابطہ قائم کر کے صفدر چوہان اور نعمانی کو طلب کیا۔

پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں پہنچ گئے اور عمران نے انہیں سمجھایا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔۔۔ وہ تینوں عمران کو وہاں دیکھ کر متحیر رہ گئے تھے۔

”لیکن جناب۔۔۔ آپ یہاں کیسے آ پہنچے۔۔۔ کیا اس میں ہماری غفلت کو دخل ہے۔“ صفدر نے پوچھا اور عمران نے ہنس کر جواب دیا۔ ”اگر تمہاری غفلت کو دخل ہوتا تو تمہارا گرو ایکس ٹو تمہیں یہاں بھیجنے کی بجائے کسی مویشی خانے کے فٹنی کے حوالے کر دیتا۔“

”آخر آپ کس طرح نکل آئے۔۔۔ میرا خیال ہے وہاں کچھ نامعلوم آدمی بھی آپ کی نگرانی کر رہے تھے۔“

”اس جگہ میں نہ پڑو۔ میں اسے بیہوش کرنے جا رہا ہوں۔ یہاں سے تم اسے اپنی گاڑی میں لے جانا۔ نہیں بلکہ یہاں سے جیپ لے جاؤ۔ سارجنٹ نعمانی تم اس کی دین ڈرائیو کر کے اس مقام تک لے جاؤ گے۔۔۔ دین کا باڈی ایلو مینم کا ہے۔ جیپ کا ایک ہی دھکا اس کا حلیہ بگاڑ دے گا۔ اس کے بعد تم بیہوش عورت کو اس کے اسٹیرنگ پر ڈال کر۔۔۔ وہاں سے کھسک جانا۔ کہیں سے اس علاقے کے تھانے میں فون کر دینا کہ فلاں جگہ اس قسم کا حادثہ ہوا ہے۔۔۔ اور تم انہیں جائے حادثہ پر موجود ملو گے۔“

”تو کیا مجھے وہاں سچ مچ موجود رہنا پڑے گا۔“

”ہرگز نہیں۔۔۔ یہ تم اس لئے کہو گے کہ وہ یقین کر لیں اور پہنچنے میں دیر نہ لگائیں۔ اگر فون

ہی پر تمہارا نام پوچھیں تو نہایت اطمینان سے شہر کے کسی بھی بڑے آدمی کا نام بتا سکتے ہو۔“

”انہیں ہدایات دے کر وہ تجربہ گاہ میں آیا۔ کسی سیال سے ایک ہاپوڈرک سیرنج لوڈ کی اور پھر ساؤنڈ پروف کمرے کی طرف چل پڑا۔ عورت شاید بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔ اس نے خوفزدہ نظر سے سیرنج کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولی نہیں۔۔۔ چپ چاپ اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔۔۔ عمران نے جیکٹ کی آستین اوپر کھسکا کر کلائی ہی میں انجکشن دے دیا۔۔۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ حیرت انگیز طور پر بے ہوش ہو گئی۔!“



دوسری صبح عمران دس بجے تک سوتا رہا۔ دانش منزل میں بالکل تنہا تھا صندری کی رپورٹ کے مطابق سارے کام حسب فضاء ہوئے تھے، اور اس وقت سمیعہ رضی ہسپتال میں تھی۔

وہ بستر سے اٹھ کر سیدھا آپریشن روم میں آیا تھا۔ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ مجرموں کے ٹرانس میٹر کس فرمی کو نیسی پر پیغام رسانی کرتے ہیں۔ اسلئے اب وہ آسانی سے ان کے پیغامات سن سکتا تھا۔ لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ سارا دن اسی کوشش میں صرف ہو گیا۔ لیکن وہ اس فرمی کو نیسی پر کچھ بھی نہ سن سکا۔ ارادہ تھا کہ وہ ان پیغامات کو نوٹ کرتا جائے گا اور پھر راجن کی مدد سے ان کے کوڈ ورڈز کے معنی سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ وہ دن بھر سوتا رہا! آخر کار شام ہوتے ہوتے اسے اپنی حماقت کا احساس ہو ہی گیا۔ بالکل سامنے کی بات تھی لیکن پہلے نہ سو جھی۔ بھلا وہ محتاط کیوں نہ ہو جاتے جب انہیں زک اٹھانی پڑی تھی۔ ظاہر ہے کہ کسی کو ان کے پروگرام کا علم ہو گیا تھا۔ تبھی تو وہ آدمی ان کے ہاتھ نہ آ سکا۔ جو نقلی لیفٹیننٹ کو قید سے نجات دلا کر ان کے ایک اڈے تک لگا چلا آیا تھا۔

بائیں بازو کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ لیکن وہ اسپرین کھا کھا کر کسی حد تک درد کی اذیت سے بچتا رہا تھا۔

اندھیرا پھیلتے ہی اس نے پھر میک اپ کیا اور دانش منزل سے نکل کھڑا ہوا۔ راجن سے ملنا ضروری تھا۔

وہ اس سے ملا اور اس آڈیٹر کے متعلق مزید پوچھ گچھ کی جس کے توسط سے وہ ان غیر ملکی ایجنٹوں کے ہتھے چڑھا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام رو بن مکر جی ہے۔ ایک دیسی عیسائی۔ سید برادر زامپورٹرز اینڈ ایکسپورٹرز سے متعلق ہے۔ جائے رہائش بھی معلوم کی۔ پھر پوچھا کہ پچھلی رات کے بعد سے اس پر کیا گذری تھی۔

”صبح مجھ سے کوڈ ورڈز میں پوچھا گیا تھا کہ قیدی اور لاش کا کیا بنا۔ میں نے آپ ہی کے کہے ہوئے الفاظ دہرائے کہ ایک بوڑھا انہیں لے گیا۔ اس کے بعد سے ٹرانسمیٹر خاموش ہے۔ مجھے کوئی پیغام نہیں ملا۔“

”وہ ہوشیار ہو گئے ہیں۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑبڑایا۔

”وہ عورت کون تھی۔ اس کا کیا بنا۔!“

”پھر بتاؤں گا۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”بہر حال تم محتاط رہو۔!“

وہ پھر شہر آیا۔ لیکن فی الحال آڈیٹر کو چیک کرنا مناسب نہ سمجھا۔ بہت احتیاط سے قدم اٹھاتا چاہتا تھا۔ اگر آڈیٹر کو ذرا بھی شبہ ہو جاتا تو ایسے حالات میں ان لوگوں کی توجہ یقینی طور پر راجن

ہی کی طرف مبذول ہو جاتی۔ انہیں یقین ہو جاتا کہ راجن ہی ٹوٹ گیا ہے اور اس کی وجہ سے ان کی وہ اسکیم ناکامی کی گود میں جاسوئی۔

پھر اس نے سوچا ڈاکٹر پی۔ کے۔ بھٹناگر کو دیکھنا چاہئے جس کے لئے سمیعہ رضی الدین نے تین چار تندرست بلے مہیا کئے تھے۔

اس نے پرنس لین کے سرے ہی پر گاڑی روک دی اور نیچے اتر آیا۔ پرنس لین تو ڈاکٹروں ہی کی گلی تھی۔ لا تعداد تھے۔ مختلف امراض کے ماہر۔ اس لئے ڈاکٹر بھٹناگر کو تلاش کر لینا اسان کام نہیں تھا۔

وہ ایک ایک بورڈ پڑھتا پھرا۔

آخر ایک عمارت کی دوسری منزل پر سراغ ملا۔ ڈاکٹر بھٹناگر اعصابی امراض کا ماہر تھا۔ عمران کو دیننگ روم میں بیٹھنا پڑا جہاں پہلے سے بھی کئی مریض موجود تھے۔ ان میں زیادہ تعداد عورتوں کی تھی۔

تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کی سیکرٹری آتی اور مشورہ کی فیس وصول کر کے باری باری سے مریضوں کو ڈاکٹر کے کمرے میں بھیجتی رہتی۔

عمران کی باری بھی آئی اور اسے بھی بطور مشورہ فیس تیس روپے سیکرٹری کے حوالے کرنے پڑے۔

ڈاکٹر بھٹناگر کے حلقے نے خود اسے ہی ایک اعصابی مریض کی حیثیت دے رکھی تھی۔ دبلا پتلا آدمی تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں۔ مضطربانہ انداز میں گفتگو کرتا اور گفتگو کے دوران میں میز پر رکھی ہوئی چیزوں کی جگہیں بدلتا رہتا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا جیسے مخاطب سے اکتایا ہوا ہو اور چاہتا ہے کہ وہ کسی طرح جلدی سے دفع ہو جائے۔ دوران گفتگو میں ہکلاتا بھی تھا۔

”کک کیا تکلیف ہے آپ کو۔۔“

”جج جناب۔۔“ عمران نے بھی کسی اعصاب زدہ سے آدمی کی اداکاری شروع کی۔ کک کیا بتاؤں۔۔ رات کو کوئی خواب دیکھتا ہوں۔۔۔۔۔ اور صبح کو اس کی تفصیلات یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو جسم بری طرح کانپنے لگتا ہے۔۔۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی ہو۔۔۔۔۔ غشی سی طاری ہونے لگتی ہے۔۔“

”خواب کس قسم کے دیکھتے ہو۔۔“

”کس سانپ۔۔ سانپ بہت نظر آتے ہیں۔“

گذرے گا۔ خیال تھا کہ ڈاکٹر بھٹناگر کو صرف ایک نظر دیکھ لینے کے بعد اس کی نگرانی کرائے گا۔ لیکن پھر اچانک اسکیم بدل دی۔۔۔ کیوں نہ ان لوگوں میں ہر اس پھیلایا جائے اس طرح وہ بوکھلا کر آسانی سے بے نقاب ہو جائیں گے۔ بہر حال اب اس کا ذہن تیزی سے دوسرے پلاٹ بھی مرتب کرتا جا رہا تھا۔

وہ اسے دانش منزل لایا اور ساؤنڈ پروف کمرے میں بند کر کے پھر نکل کھڑا ہوا۔۔۔ اس وقت وہ بالکل کسی بھوکے بھیڑیے سے مشابہ نظر آ رہا تھا۔

اب اسے سید برادرز کے آڈیٹر روبن مکر جی کی تلاش تھی۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ اس کی بھی نگرانی کرائے گا لیکن اب تو اسکیم بدل ہی گئی تھی۔

روبن کے گھر سے معلوم ہوا کہ وہ برج کلب میں ملے گا۔ وہاں پہنچا تو سوچنے لگا کہ اسے پہچانے گا کیونکر۔۔۔ بہر حال وہ اندر چلا ہی آیا۔۔۔ یہ کہنے کو تو برج کلب تھا لیکن ھیتنا یہاں اعلیٰ پیمانے پر جو ہوتا تھا۔ ساری ہی میزیں بھری نظر آئیں۔۔۔ یہاں ہوتا تو برج ہی تھا لیکن بعض لوگ سینکڑوں روپے پوائنٹ کا سمجھوتہ کر کے کھیلنے بیٹھتے تھے۔ اور ہار جیت کا حساب کتاب بعد میں ہو جاتا تھا۔ اس طرح وہ قانون کی گرفت میں بھی نہیں آتے تھے اور قمار بازی کے شوق کی تکمیل بھی ہو جاتی تھی۔۔۔ لیکن یہ سب کچھ کلب کے منتظمین کے علم میں ہوتا تھا۔

عمران نے پہلے میزوں پر نظر ڈالی اور پھر میجر کے کمرے کی طرف چل پڑا۔۔۔ روبن مکر جی کے پڑوسیوں سے اس نے اس کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کر لی تھیں۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں میجر کے کمرے میں داخل ہو کر اس سے بولا۔

”براہ کرم مسٹر روبن مکر جی کو جلدی سے بلا دیجئے۔“

”کیوں؟ خیریت۔“ میجر نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”ان کے گھر سے بری خبر لایا ہوں۔ جلدی کیجئے۔“

میجر خود ہی اسے بلانے دوڑا گیا۔

کچھ دیر بعد روبن مکر جی نظر آیا اور عمران کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگا۔

”نف فرمائیے۔“

”آپ ہی مسٹر روبن ہیں۔۔۔“

”جی ہاں کہئے۔“

”آپ کا چھوٹا بچہ جیون زینے سے گر کر زخمی ہو گیا ہے۔ غالباً کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔

بیہوش پڑا ہے۔ میں آپ کے پڑوسی مسٹر خان سے ملنے گیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کو

”شادی ہوئی ہے؟“

”نہیں جناب۔“

”شادی کر ڈالو۔“

”مم۔۔۔ میں علاج کرانے آیا ہوں جناب۔“ عمران نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”شادی ہی علاج ہے تمہارا۔۔۔ ویسے میں ایک انجکشن لکھے دیتا ہوں۔۔۔ ہر تیسرے دن لینے

رہنا۔۔۔ چھ انجکشن لینے کے بعد پھر ملنا۔ لیکن شادی زیادہ مناسب ہے۔“

”اچھی زبردستی ہے۔“ عمران بگڑ گیا۔ ”میں نہیں کرنا چاہتا شادی۔“

”آپ کریں یا نہ کریں لیکن شادی علاج ہی ہے۔“

”آپ میرے قوی جذبات کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں!“ عمران اور زیادہ مشتعل نظر آنے لگا۔

”قوی جذبات۔“ ڈاکٹر بھٹناگر کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہمارے قبیلے میں شادی بیاہ کا رواج نہیں ہے۔“

”اف فوہ!“ ڈاکٹر بھٹناگر حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”جب تو پورے قبیلے کی شادی؟“

”بہت ہو چکا۔“ عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا اور جیب سے ریو اور نکال کر بجلی کی سی سرعت

کے ساتھ اس کے پہلو میں پہنچ کر ریو اور کی نال بائیں پسلی سے لگا دی اور پھر آہستہ سے بولا۔

”میں بھری پری سڑک پر بھی کسی کو گولی مار سکتا ہوں۔ چپ چاپ اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔“

”کک۔۔۔ کیا مطلب۔“

”خاموش۔۔۔“ عمران نے ریو اور سے پسلی پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔ ”آواز نہ نکلو۔ اٹھو اور

چپ چاپ چلو میرے ساتھ۔“

”کہاں!“

”جہاں میں لے جاؤں! اگر تم نے ذرہ برابر بھی کوئی حرکت کی تو جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔“

ڈاکٹر بری طرح زردس ہو گیا تھا! چپ چاپ اٹھا اور عمران کے ساتھ چلنے لگا۔ اب عمران

نے ریو اور کوٹ کی داہنی جانب والی جیب میں ڈال لیا تھا اور اس کی نال اس کے پہلو سے بھڑائے

ہوئے چل رہا تھا۔

وہ ویٹنگ روم کے سامنے سے گذرتے ہوئے زینوں تک آئے۔ اس طرح سڑک پر بھی

پہنچ گئے۔ لیکن ابھی گلی کے سرے تک اسی طرح جانا تھا کیونکہ عمران نے کار وہیں چھوڑی

تھی۔!

یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا۔ عمران اس ارادے سے قطعی نہیں آیا تھا کہ یہ سب کچھ کر

سمیعہ رضی الدین سے معلوم کر چکا تھا۔ اس بار روانہ ہونے سے قبل اس نے بلیک زیرو کو فون کر کے دانش منزل پہنچنے کی ہدایت کر دی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ ساؤنڈ پروف کمرے میں دو قیدی ہیں جنہیں اس کی عدم موجودگی میں نہ چھیڑا جائے۔ طارق کے متعلق پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس وقت یونیورسٹی کی ڈیپلیکسی میں ٹیبل ٹینس کھیل رہا ہوگا۔!

طارق عمران کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اسے سینکڑوں بار دیکھ چکا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ خود اسے جانتا ہو۔ کافی وجہہ اور تندرست آدمی تھا۔ عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ عمران نے ٹیبل کے قریب کھڑے ہو کر ہانک لگائی۔ ”پروفیسر طارق کون صاحب ہیں۔“ دونوں کھلاڑیوں کے ہاتھ رک گئے اور طارق نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

”فرمائیے؟“

”آپ ہی ہیں۔۔۔“

”جی ہاں۔“

”ذرا الگ چلئے۔۔۔“

اس نے اپنے پارٹنر کی طرف دیکھا۔ اور پھر عمران کی طرف دیکھ کر بولا ”چلئے!“ وہ دونوں برآمدے میں آئے اور عمران نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ ”آپ کو بیگم سمیعہ رضی الدین نے بلایا ہے۔“

”کہاں؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”سول ہسپتال میں۔ کیا آپ کو اس حادثے کی اطلاع نہیں ملی۔ شام کا کوئی اخبار تو دیکھا ہی ہوگا آپ نے۔۔۔“

”نہیں آج نہیں دیکھ سکا۔ کیا بات ہے۔“

”پچھلی رات کسی گاڑی کی ٹکر سے ان کی دین کا پچھلا حصہ تباہ ہو گیا۔ وہ خود ہی ڈرائیو کر رہی تھیں۔ شاک سے بیہوش ہو گئیں۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔ لیکن ڈاکٹروں نے کچھ دن آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ وہ پرائیویٹ وارڈ میں ہیں۔۔۔ آپ میرے ساتھ ہی چل رہے ہیں۔۔۔ گاڑی موجود ہے!“

”جی ہاں چلوں گا۔۔۔ ٹھہریے میں ابھی آیا۔“

”وہ چلا گیا۔ اور عمران جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر اس سے شغل کرنے لگا۔“

طارق کوٹ اور فیلٹ ہیٹ پہن کر باہر آیا اور اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی۔

اطلاع کر دوں۔۔۔ آپ کی مسز وہاں فون کرنے آئی تھیں۔ لیکن ان کی لائن خراب ہے۔ کیا آپ میرے ساتھ چلیں گے۔ گاڑی ہے!“

”اوہ۔۔۔ بہت بہت شکریہ جناب۔ ضرور چلوں گا!“ روبن نے کہا اور عمران کے بڑھنے سے قبل خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

”میں بے حد شکر گزار ہوں جناب۔“ اس نے عمران کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”جیون سجد شریہ ہے۔۔۔ لیکن کیا کہا جائے ان عورتوں کو۔۔۔ ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں رہ جاتی بچوں کی اگر کوئی جاسوسی ناول ہاتھ آجائے۔ میرا بس چلے تو سارے جاسوسی ناول نویسوں کو گویا۔۔۔ سے اڑا دوں۔ اور میری بیوی۔۔۔ خدا اس سے سمجھے۔ جاسوسی ناول سنبھالا اور اسی میں ڈوب گئی۔ بچے چاروں طرف سے گھیرے کھڑے ہیں۔۔۔ مٹی کھانا کھاؤں گا۔۔۔ مٹی کانن نے مجھے تھپڑ مار دیا۔ اے مٹی میں سونے کی بالیاں لوں گی۔۔۔ وہ کان چاٹ رہے ہیں اور آپ ہیں کہ کتاب پر سے نظر ہٹائے بغیر اوں اوں کئے جارہی ہیں۔ زیادہ کسی نے بات بڑھائی تو بندریوں کی طرح دانت پیس کر دو چار ہاتھ جڑ دیئے اور پھر وہی کتاب۔۔۔ خدا غارت کرے۔۔۔!“

”جی ہاں۔۔۔“ عمران انہج اشارت کرتا ہوا سر ہلا کر بولا۔ ”جی ہاں۔ میں تو کہتا ہوں چاہے بال بچوں کی شادی کر دے مگر خود شادی کبھی نہ کرے۔“

”جی۔۔۔ کیا فرمایا۔!“ روبن کے لہجے میں حیرت تھی۔

”مطلب یہ کہ سرے سے شادی کرنی ہی نہ چاہئے۔“

”نہیں جناب ضرور کرنی چاہئے۔۔۔ لیکن ذرا دیکھ بھال کر۔۔۔ پہلے ہی معلوم کر لینا چاہئے کہ ہونے والی بیوی جاسوسی ناولوں کی شوقین تو نہیں ہے۔“

”چلئے یہی سہی۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اور پھر بالکل خاموش ہو گیا۔ روبن ہی اپنی بیوی کی زندگی کے مختلف پہلوں پر تلخ انداز میں روشنی ڈالتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد چونک کر بولا۔ ”یہ آپ کدھر جارہے ہیں۔“

”گھر پر سب خیریت ہے۔“ عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”وہاں پھر میں اور کیا کہتا جب کہ تمہارے لئے بالکل اجنبی ہوں۔۔۔ ویسے اس وقت تمہارا راجن چودھری کے پاس پہنچنا بہت ضروری ہے۔۔۔ مجھے یہی حکم ملا ہے۔“

”اوہ۔۔۔“ روبن نے ہونٹ بھیج لئے۔

پھر عمران اسے بھی سیدھا دانش منزل لیتا چلا آیا۔۔۔ اور اسے بھی دھکا دیا ساؤنڈ پروف کمرے میں۔۔۔ پھر چل پڑا تیسرے آدمی کی تلاش میں۔ یہ پروفیسر طارق تھا جس کا پتہ وہ بیگم

کچھ دیر بعد اس نے عمران سے پوچھا۔ ”آپ کی تعریف۔“  
”میں بھی ان کے مداحوں میں سے ہوں۔“

”کیا مطلب۔۔“

”اور کچھ نہ سمجھئے گا۔“ عمران ہنس کر بولا۔ ”ان کے سوشل ورک کی طرف اشارہ تھا۔۔!“  
”اور کیا سمجھوں گا۔“ طارق نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”خدا جانے۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں پہلے بولتا ہوں پھر اس پر غور کرتا ہوں۔ پچھلے دنوں اسی بات پر پٹے پٹے بچا تھا۔ میرے بڑوس میں ایک خاں صاحب رہتے ہیں۔ ایک جگہ اپنی گھر کی خواتین کی پردہ نشینی کے آداب کی تعریف کر رہے تھے چونکہ میں خواہ خواہ ہاں میں ہاں ملانے کا بھی عادی ہوں۔۔ اس لئے بول پڑا۔ ابی کیا کہنے ہیں آپ کی خواتین کے۔ ابھی پچھلے ہی دنوں آپ کی بڑی صاحبزادی کسی کام سے کہیں باہر جا رہی تھیں۔ میں نے لاکھ لاکھ سیٹیاں بجائیں، خوب آوازے کسے مگر کیا مجال جو اس نیک بی بی نے نقاب ہٹا کر دیکھا ہو۔۔ کہنے کو تو کہہ گیا لیکن پوری بات اس وقت سمجھ میں آئی جب خاں صاحب نے میرا گریبان پکڑ کر جھڑکا دیا۔ بس ستارے ہی اچھے تھے جناب کہ چند فرشتوں نے بیچ بچاؤ کرادیا تھا۔ ورنہ۔۔ ارے باپ رے۔“

”آپ بیہودہ ہونے کے باوجود بھی دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں!“ طارق نے تلخ لہجے میں کہا۔

”جی ہاں۔۔ بالکل بالکل۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

اسی طرح وہ اسے باتوں میں الجھائے ہوئے دانش منزل تک لایا۔

جب کمپاؤنڈ میں گاڑی روکی تو وہ چونک کر بولا۔ ”لیکن یہ سول ہسپتال تو نہیں ہے۔“  
”نہیں ہے تو اب بن جائے گا!“ عمران نے ریوالور نکال کر اس کی کمر سے لگاتے ہوئے کہا۔  
”چپ چاپ نیچے اتر چلو۔“

”تک۔۔ کیا مطلب؟“ طارق ہلکایا۔

”اترو۔۔“ وہ اسے ریوالور سے دھکیلتا ہوا بولا۔

طارق دروازہ کھول کر چپ چاپ نیچے اتر گیا۔ عمران اسے بھی کور کئے ہوئے اسی دروازے سے نیچے اتر آیا۔



پروفیسر طارق کو بھی ساؤنڈ پروف کمرے میں دھکیل دیا گیا۔

عمران اندر نہیں گیا۔ بلیک زیرو عمارت میں موجود تھا۔ اس نے عمران کو بتایا کہ ان کے دونوں قیدی ایک دوسرے کے لئے اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔

”میں نے آپریشن روم میں ڈسٹانفون پر دونوں کی گفتگو سنی تھی۔“ بلیک زیرو نے کہا۔ ”وہ دونوں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ وہ کون ہیں اور یہاں کس طرح آچھئے۔۔!“

”اب اس تیسرے کو بھی دیکھو۔۔“ عمران نے بلیک زیرو کو کہا۔ وہ پھر آپریشن روم کی طرف چلا گیا۔

عمران برآمدے ہی میں ٹھہرا ہوا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح ان سے گفتگو کا آغاز کرے۔ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ اگل ہی دیں۔۔ اگر اپنی لاعلمی ظاہر کرنے پر اڑ گئے تو وہ راجن اور سمیعہ رضی کو باقاعدہ گواہ بنائے بغیر ان کے خلاف کچھ بھی نہ ثابت کر سکے گا۔ اصل مسئلہ تو سرگردہ پر ہاتھ ڈالنے کا تھا اور یہ ضروری نہیں تھا کہ یہ تینوں یا ان میں سے کوئی اس سے واقف ہی ہوتا۔۔ لہذا کھل کر کوئی کارروائی کرنے میں خدشہ تھا کہ وہ اور زیادہ ہوشیار ہو جاتا۔

کچھ دیر بعد بلیک زیرو نے اطلاع دی کہ تیسرا آدمی یعنی پروفیسر طارق بھی ان سے واقف نہیں معلوم ہوتا اور وہ بھی ان دونوں کیلئے اجنبی ہے!

”اب انہیں ایک ایک کر کے کمرہ نمبر پانچ میں لاؤ۔ دیکھ لینا ان میں سے کوئی مسلح تو نہیں ہے۔“

پھر تھوڑی دیر بعد وہ بھی اسی کمرے میں پہنچ گیا۔ پروفیسر طارق سامنے بیٹھا بیچ و تاب کھا رہا تھا۔ بلیک زیرو دروازے پر اس طرح جما کھڑا تھا جیسے بھاگنے کی کوشش کرنے والے کو قتل تک کر دینے سے دریغ نہ کرے گا!

عمران کو دیکھ کر پروفیسر طارق کے غصے میں اضافہ ہو گیا۔ چیخ کر بولا ”یہ کیا بیہودگی ہے۔۔ اس کا مقصد۔۔!“

جواب عمران نے ہاتھ سے دیا۔۔ گھونہ بائیں جڑے پر پڑا تھا۔ طارق کرسی سے فرش پر الٹ گیا۔۔ پھر اسی انداز میں دوبارہ اٹھا تھا جیسے عمران کا گلا ہی گھونٹ دے گا!

بلیک زیرو درمیان میں آگیا۔۔ شاید اس نے یہی سوچا ہو گا کہ عمران کا بالیاں بازو زخمی ہے۔۔۔ پروفیسر طارق اسی پر جھپٹ پڑا۔۔ لیکن منہ کی کھائی بلیک زیرو جو اس کے لئے پہلے سے

عمران چھٹانے کا باعث بنے۔“

”یہ تم کس بناء پر کہہ رہے ہو کہ وہ کوئی غیر ملکی ایجنٹ ہے۔“

پچھلے دنوں اس نے ایک خاص مسئلے پر مجھے طلباء میں بے چینی پھیلانے پر مجبور کیا تھا۔“

”اوہ۔۔۔“ عمران کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے بلیک زیرو سے کہا۔ ”اسے

لے جاؤ۔۔۔ دوسرے کو لاؤ۔“

”آپ کون ہیں؟“ طارق نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

لیکن عمران نے جواب دینے کی بجائے ہاتھ ہلا کر جانے کا اشارہ کیا۔

بلیک زیرو اسے کمرے سے باہر دھکیل لے گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ڈاکٹر کو لایا جو بالکل کسی ایسے الو کی طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پلکیں جھپکا رہا تھا

جیسے روشنی میں پکڑ لایا گیا ہو۔۔۔!

”تم پاگل ہو! خطرناک قسم کے پاگل!“ وہ عمران کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ”اس طرح علاج

ہرگز نہیں ہو سکے گا۔۔۔ اپنے والدین کو بھیجو میرے پاس۔!“

”ضرور بھیجوں گا۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”صرف تیس روپے میں مجھے یہاں گھسیٹ لائے۔ گھر پر جانے کی پچاس روپے فیس ہوتی

ہے۔ کل بقیہ بیس سیکڑی کو دے دینا۔“

”بہت اچھا۔“ عمران نے سعادت مندانہ انداز میں کہا اور بلیک زیرو سے بولا۔ ”ڈاکٹر

صاحب کے لئے چائے لاؤ۔“

”نہیں میں چائے نہیں پیتا۔۔۔“ ڈاکٹر بھٹانگر نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”مجھے جلد جانا چاہئے۔ کئی

مریض منتظر ہوں گے۔“

”جی بہلانے کے لئے دو چار جفادری قسم کے بلے بھی لیتے جانا۔“

”کیا مطلب۔!“ ڈاکٹر بھٹانگر چونک کر اسے گھورنے لگا۔

”کچھ دنوں پہلے کوئی عورت تمہیں چند بلے دے گئی تھی۔“

”یاد تم بالکل پاگل معلوم ہوتے ہو۔ کیسی الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو مجھے جانے دو۔“

”بیٹھ جاؤ!“ عمران کرسی کی طرف اشارہ کر کے غرایا۔

”نہیں بیٹھوں گا۔۔۔ ہاں..... کیا سمجھا ہے تم نے۔!“

عمران نے اس کا شانہ دبوچ کر زبردستی بٹھا دیا اور بولا۔ ”تم نے اس آدمی کو دیکھا ہی ہوگا

نئے ابھی اس کے کمرے میں سے لے جایا گیا ہے۔ اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے۔ خون بہہ رہا تھا۔

تیار تھا اسے فرش پر گرا کر چڑھ بیٹھا۔۔۔ اور دو تین کے گدی پر جمائے۔۔۔!

”طارق بے بسی سے چیخا۔ ”کیا تم لوگ پاگل ہو گئے ہو۔۔۔!“

”چھوڑو!“ عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔

بلیک زیرو اسے چھوڑ کر ہٹ گیا اور عمران اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھاتا ہوا بولا۔ ”تمہیں

کس نے مشورہ دیا تھا کہ سمیعہ کو اپنے ہی سلسلے میں بلیک میل کرو۔“

”اوہ۔۔۔!“ طارق ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔ پھر جھک کر خون تھوکنے لگا۔ اس کا نچلا ہونٹ پھٹ

گیا تھا۔

”بتانا پڑے گا۔“ عمران سانپ کی طرح ہسمہ کارا۔ ”ورنہ اتنا ماروں گا کہ مر جاؤ گے اور نہیں

کہیں کمپاؤنڈ میں دفن کرادوں گا۔“

”نت۔۔۔ تم۔۔۔ ایسا نہیں کر سکتے!“ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر خوفزدہ انداز میں بولا۔

”بتاؤں!“ عمران پھر جھپٹا۔

”ٹھہرو۔۔۔!“ اس نے اسے روکنے کے لئے دونوں ہاتھ آگے پھیلا دیئے۔

”میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکوں گا۔۔۔“

”م۔۔۔ میں نے اسے بلیک میل کیا تھا۔!“

”کس کے اشارے پر۔۔۔!“

”میں نہیں جانتا!“ وہ سسکی لے کر بولا۔ ”مجھے ڈاک سے ایک تصویر ملی تھی جو ہم ہی دونوں

کی تھی۔ قابل اعتراض حالت میں۔ تصویر بھیجنے والے نے لکھا تھا کہ اگر یہ تصویر خان بہادر کے

ہاتھ لگ جائے تو وہ تمہیں قتل کرادے گا۔ یونیورسٹی کے ذمہ داروں کو بھیج دی جائے تو تمہیں

ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ لہذا غلط فہمی یہی ہوگی کہ جو کچھ کہا جائے کرو۔۔۔ اور پھر

اس نے لکھا تھا کہ میں خود اسے بلیک میل کروں۔ مجبوراً کرنا پڑا یقین کرو۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ

وہ کون ہے۔۔۔“

”خط موجود ہے اس کا۔۔۔“

”ہے لیکن۔۔۔ بیکار۔۔۔ کیونکہ انگریزی میں ٹائپ کیا گیا ہے۔ نیچے کسی کے دستخط بھی نہیں

ہیں!“

”پھر بھی تم نے انہیں محفوظ کر رکھا ہے یا نہیں۔“

”نہیں۔۔۔ ہمیشہ تلف کر دیتا ہوں۔ چونکہ اب احساس ہوا ہے کہ میں کسی غیر ملکی ایجنٹ کے

پھندے میں پڑ گیا ہوں۔ اس لئے کوئی ایسی چیز بطور ثبوت اپنے پاس نہیں رکھ سکتا جو میری



”شکریہ۔۔“

عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔ ”کمرہ نمبر گیارہ میں ڈاکٹر کے سونے کا انتظام کر دو۔ انہوں نے ابھی رات کا کھانا بھی نہ کھایا ہوگا۔۔ پھر تیسرے کو بھی لاؤ۔۔“

بلیک زیرو ڈاکٹر کو لے گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد روبن مکر جی کے ساتھ واپس آیا جو بہت زیادہ برا فروختہ نظر آ رہا تھا۔

”یہ کیا بیہودگی ہے۔۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم کسی غیر ملکی ایجنٹ کے متعلق پوچھ کر رہے ہو۔“ اس نے چیخ کر کہا۔

”یہ غلط نہیں ہے۔“ عمران نے آہستہ سے جواب دیا۔

”لیکن مجھے کیوں اس طرح پکڑا گیا ہے؟“

”اس لئے کہ تم بھی اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور بتا سکو گے۔“

”زبردستی۔۔“

”ہاں خوشی سے نہیں بتاؤ گے تو زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔“

”میں کسی غیر ملکی ایجنٹ کے متعلق نہیں جانتا۔“

”پھر تم راجن کے نام پر چپ چاپ چلے کیوں آئے تھے۔“

”میں کسی راجن کو نہیں جانتا۔۔ تم نے کہا تھا کہ میرے بچے کا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔“

عمران نے کچھ کہنے کی بجائے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر سید کر دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے جا لگرایا۔ دوسری طرف بلیک زیرو اس کے جوابی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔

لیکن خلاف توقع وہ دیوار سے ٹکا ہوا اپنا پتہ ہی رہ گیا۔ مضبوط ہاتھ پیر کا آدمی تھا اس لئے یہی سوچا جا سکتا تھا کہ تھپڑ کھانے کے بعد وہ عمران سے لپٹ پڑے گا۔

”بتاؤ۔۔ تم کس کے لئے کام کر رہے ہو۔۔“ عمران غرایا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“

”شٹ اپ۔۔ دوسرے آدمی کی حالت دیکھ چکے ہو۔۔ میں بڑی بیدردی سے مارتا ہوں۔ یہ سوچے بغیر کہ پٹنے والا زندہ رہے گا یا مر جائے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔“

”تم نے اپنی فرم کے کیشیر راجن چودھری کو کیوں بلیک میل کیا تھا؟“

”یہ بکواس ہے۔ میں نے تو ایک مصیبت سے اسے نجات دلائی تھی اگر تم اس راجن کی بات کر رہے ہو۔!“

”پچاس ہزار کا ٹین۔۔ کیوں؟“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔۔

”ہاں۔۔!“

”لیکن وہ شارٹج تمہاری ریاضی کا ایک شعبہ تھی۔“

”یہ غلط ہے۔“

”بالکل درست ہے۔ کیا تم راجن کے بیان کو جھٹلا سکو گے۔!“

”کوئی بھی کسی کی خلاف الزام تراشی کر سکتا ہے۔!“

”لیکن یہ الزام تراشی نہیں ہے۔ تم نے جس ڈھرے پر اسے لگایا تھا آج بھی اسی سے لگا ہوا ہے۔“

”میں نہیں جانتا کہ تم کس ڈھرے کا ذکر کر رہے ہو۔“

”یہ یوں نہیں اگلے گا۔۔“ عمران نے بلیک زیرو سے کہا۔ ”آگ میں لوہے کی سلاخ تپاؤ۔۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ روبن مکر جی چیخا۔

”مجھے کون روکے گا۔؟“

”تم جو کچھ بھی کر رہے ہو۔۔ خلاف قانون ہے۔“

”تمہیں ہمارے قوانین سے کیا سروکار جب کہ ملک ہی سے غداری کر رہے ہو۔!“

”یہ جھوٹ ہے۔۔ اسے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔“

”ثابت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمہیں غدار اور بعض غیر ملکی ایجنٹوں کا کارپرداز سمجھتا ہوں۔“

روبن مکر جی کچھ نہ بولا۔ عمران اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفعتاً اس نے

بلیک زیرو سے کہا۔ ”تم ابھی گئے نہیں۔ میں نے تم سے لوہے کی سلاخ تپانے کو کہا تھا۔“

بلیک زیرو جانے لگا اور روبن مکر جی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ٹھہرو۔۔ ٹھہرو یہ کیا کر رہے ہو۔ تم

کون ہو۔۔ کیا چاہتے ہو؟“

”کیا اب بھی یہ بتانے کی ضرورت رہتی ہے کہ ہم کون ہیں۔۔“ عمران نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”لیکن میں تمہیں کیا بتاؤں؟“

”تم کس کے لئے کام کر رہے ہو؟“

”تم راجن سے سب کچھ معلوم کر چکے ہو۔۔ پھر اب میں اور کیا بتاؤں۔“



”وہ کسی نامعلوم آدمی کے لئے کام کر رہا ہے۔“

”اگر میں بھی یہی کہوں تو تم یقین کر لو گے؟“ اس نے پوچھا۔

”اگر تم اس کے لئے کوئی معقول جواز پیش کر سکتے!“

”میں بھی نہیں جانتا کہ کس کے لئے کام کر رہا ہوں۔ مجھے بھی بلیک میل کیا گیا تھا۔“

”لیکن تم نے راجن کو اسمگلنگ کرنے والی کسی پارٹی کی کہانی سنائی تھی۔“

”مجھ سے یہی کہا گیا تھا۔“

عمران کسی سوچ میں پڑ گیا!



تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر عمران نے پوچھا۔ ”تمہارے ذمہ کیا کام ہے۔“

”ان کے بتائے ہوئے لوگوں کو بلیک میل کر کے..... ان کے سپرد کر دینا۔!“

”سپردہ کر دینے سے کیا مراد ہے۔“

”پھر وہ براہ راست یا میرے ہی توسط سے ان سے کام لینے لگتے ہیں۔“

”کتنے آدمیوں کو تم نے اس طرح بے راہ کیا ہے۔۔۔ مجھے ان کی پوری لسٹ مع پتہ چاہئے۔“

”مکرجی نے ایسے نو آدمیوں کے نام اور پتے نوٹ کرائے۔۔۔ عمران نے پھر اس سے کچھ

نہیں پوچھا۔۔

بلیک زیرو مکرجی کو پھر ساؤنڈ پروف کمرے میں چھوڑ آیا۔۔

اس بار مکرجی بالکل خاموش تھا۔ نہ تو اس نے رہائی کے بارے میں کچھ کہا اور نہ غصے ہی کا

مظاہرہ کیا۔

پھر بلیک زیرو اور عمران لا بیریری میں آ بیٹھے۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کیا کر رہے ہیں!“ بلیک زیرو آہستہ سے بولا اور عمران چونک کر

اسے گھورنے لگا۔

”ڈوہرنگ وغیرہ آپ کے سامنے ہیں؟“ بلیک زیرو نے کہا۔

”ثبوت بہم پہنچائے بغیر کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ اور پھر ان کے خلاف ہم کیا کر سکیں گے،

سوائے اس کے کہ ہماری حکومت انہیں ناپسندیدہ افراد قرار دے کر ان کی حکومت سے استعفا

کرے کہ انہیں واپس بلا لے!“

”پھر آپ کیا کریں گے!“

”سنو! ڈوہرنگ یا اس کے سفارت خانے والے براہ راست یہاں کے لوگوں کو کام پر نہیں لگا

سکتے۔۔۔ اس کے لئے ان کا کوئی تنخواہ دار مقامی آدمی یقینی طور پر ہوگا! اصل چیز اس پر ہاتھ ڈالنا

ہے۔ میں اسی کی فکر میں ہوں! اس کے ہاتھ آتے ہی گروہ ٹوٹ جائے گا۔۔“

”ہوں۔ اوں۔“ بلیک زیرو کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اب آخری کارڈ ہے ہاتھ میں۔۔۔ یہ اگر ناکام رہا تو۔۔۔؟“ عمران جملہ پورا کئے بغیر کسی سوچ

میں گم ہو گیا۔۔۔ پھر بلیک چونک کر بولا۔ ”اوہ۔۔۔ میری عقل کہاں گئی۔۔۔ اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔!“

وہ مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔۔

”کیا بات ہے؟“ بلیک زیرو نے پوچھا۔

”سمیعہ۔۔۔ ابھی ہسپتال ہی میں ہے۔۔۔ ان تینوں کے غائب ہو جانے کے بعد وہ لوگ یقینی

طور پر سوچیں گے کہ سمیعہ۔۔۔ او۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔ مجھے سوچنے دو۔“

تھوڑی دیر تک وہ ٹھہلتا رہا۔ پھر بلیک زیرو سے بولا۔ ”سمیعہ کو دو تین دن تک ہسپتال ہی میں

رہنا چاہئے۔ اس دوران میں انہیں ان تینوں کی گم شدگی کا علم ہو جائے گا۔ پھر وہ سوچنے پر مجبور

ہوں گے کہ یقینی طور پر راجن اور سمیعہ دونوں ہی ان سے ٹوٹ چکے ہیں۔۔۔ نہ صرف ٹوٹ چکے

ہیں بلکہ جن لوگوں کو جانتے تھے ان کی نشاندہی بھی کر چکے ہیں! لہذا وہ راجن اور سمیعہ کو نکال

لے جانے کی کوشش کریں گے تاکہ ان سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کر سکیں۔۔۔ اب تم یہ

کرو کہ ان آدمیوں کو بھی یہیں گھیر لانے کی کوشش کرو جن کے نام اور پتے رو بن مکرجی نے

لکھوائے ہیں!“

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”اور۔۔۔ دیکھو۔۔۔ اپنے سارے آدمیوں کو سمیعہ اور راجن کی نگرانی پر مامور کر دو۔ ہر پارٹی

کے پاس ایک ریڈیو کار ضرور ہونی چاہئے تاکہ وہ ہیڈ کوارٹر کو تازہ ترین حالات سے باخبر رکھ

سکیں۔۔۔ پیغامات ہمارے مخصوص کوڈ ورڈز میں ہونے چاہئیں۔“

بلیک زیرو اسی وقت اس مہم پر روانہ ہو گیا۔

عمران آپریشن روم میں آیا اور فون پر ڈاکٹر دعاگو کے نمبر ڈائل کئے۔

دوسری طرف سے جواب ملنے میں کچھ دیر لگی۔ کال اس کی غنی سیکرٹری نے ریسیو کر کے

اسے ہولڈ آن کرنے کو کہا تھا۔

”ہلو۔۔۔“ دوسری طرف سے تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ ”کون صاحب ہیں۔“

”عمران۔۔“

”اوہ۔۔ تم کہاں ہو لڑکے۔۔ میں آج تمہارے گھر گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ تم رات سے غائب

ہو۔۔ کہاں سے بول رہے ہو۔“

”یہ نہیں بتا سکتا۔“

”پھر کیوں رنگ کیا ہے؟“

”کوئی اور دھمکی ملی اس آدمی کی طرف سے!“

”ابھی تو نہیں۔۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ اس کی پیش کش قبول کر لیں۔“

”کیا کہہ رہے ہو۔۔ لڑکے۔۔“

”مصلحت۔۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ سچ سچ ضمیر فروشی پر آمادہ ہو جائیں۔“

”پھر کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”یہی کہ آپ اس سے وعدہ کر لیں۔ پھر میں دیکھ لوں گا۔“

”دیکھو۔۔ کہیں میں سچ سچ کسی مصیبت میں نہ پھنس جاؤں۔“

”میں اپنی ذمہ داری پر۔۔“

”تمہاری ذمہ داری۔۔ تمہاری کوئی سرکاری حیثیت تو ہے نہیں۔۔ نہیں بھئی مجھے اس پر مجبور نہ کرو۔“

”اچھی بات ہے۔۔ اگر اس نے سچ سچ آپ کو ختم کر دیا تو۔۔ غمونہ تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔۔“

”خواہ مخواہ۔۔ مجھے خوفزدہ نہ کرو۔۔“ سچ سچ اس کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی۔۔

”بس جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی کیجئے۔ اور مجھے مطلع کر دیجئے۔“

”کس نمبر پر؟“

”یہ مسئلہ دشوار ہے۔ خیر میں کل آپ کو نمبر سے بھی مطلع کر دوں گا۔“ عمران نے ریسیور کریڈل پر رکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

دوسرے دن سہ پہر تک وہ نو آدمی بھی وہاں آچھنے۔۔ انہوں نے تصدیق کر دی کہ روبن کمر جی ہی نے انہیں اس جنجال میں پھنسایا تھا۔

لیکن وہ بھی اس سے زیادہ نہ بتا سکے۔ اصل آدمی اب بھی پردہ رازی ہی میں تھا۔

شام ہوتے ہوتے۔ بلیک زیرو نے عمران کو ایک بری خبر سنائی۔۔

”راجن غائب ہو گیا۔۔“ اس نے کہا۔

”کیوں؟“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ”کون کر رہا تھا اس کی نگرانی۔“

”چوہان اور تنویر۔۔“

”کیسے غائب ہو گیا۔۔“

”انہیں یقین تھا کہ وہ جھوپڑی ہی میں موجود ہے وہ دور رہ کر نگرانی کر رہے تھے۔ لیکن جھوپڑی دو طرف سے جھاڑیوں میں گھری ہوئی ہے! انہیں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا! شام کو جب چوہان رنج حاجت کے بہانے ادھر گیا، تو جھوپڑی کی دیوار ٹوٹی نظر آئی۔ راجن کا کہیں پتہ نہیں تھا۔“

”یہ تنویر یحسد تکلیف دہ ہوتا جا رہا ہے!“ عمران غرایا۔

”دوسروں کی عقلیں بھی خط ہو جاتی ہیں اس کے ساتھ رہ کر۔“ بلیک زیرو بڑبڑایا۔

”دیکھو۔۔ اگر سمیعہ بھی ہاتھ سے گئی تو ہم پھر اندھیرے میں ہاتھ پیر مارتے رہ جائیں گے۔“

”میں خود جا رہا ہوں اسے دیکھوں گا۔“ بلیک زیرو نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔۔ تنویر کو یہاں بھیج دو۔۔“

بلیک زیرو چلا گیا۔۔ کچھ دیر بعد چوہان اور تنویر وہاں پہنچ گئے۔ عمران نے چوہان سے پوچھا کہ راجن کس طرح غائب ہو گیا تھا۔

”میں نے تنویر سے کہا تھا کہ جھاڑیوں کی طرف بھی خیال رکھنا چاہئے۔ لیکن اس نے مضحکہ اڑایا تھا میرا۔ کہنے لگا۔ یا تم لوگ تو ایسی باتیں سوچنے لگتے ہو جو دوسروں کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوں۔ آخر وہی ہوا۔ وہ لوگ جھاڑیوں ہی کی طرف کا حصہ توڑ کر اسے نکال لے گئے۔ اندر یقینی طور پر جدوجہد ہوئی تھی۔ کیونکہ اسٹول الٹے پڑے تھے اور شیلف بھی الٹ گئی تھی۔ کئی برتن ٹوٹ گئے تھے۔!“

عمران خاموش ہو رہا۔۔ مصلحتی تنویر سے کچھ نہیں کہا۔ اس کے بعد چوہان کو بھی دوسروں کی مدد کے لئے واپس بھیج دیا۔

رات کو پھر اس نے ڈاکٹر دعاگو سے فون پر رابطہ قائم کیا۔ لیکن دعاگو نے بتایا کہ ابھی تک اس نامعلوم آدمی کی طرف سے کوئی نئی دھمکی نہیں ملی۔ اس بار پھر اس نے عمران سے فون نمبر معلوم کرنا چاہا۔ لیکن عمران دانش منزل کے نمبر تو کسی صورت سے دے ہی نہیں سکتا تھا۔ حالانکہ یہاں کے نمبر بھی ٹیلیفون ڈائرکٹری میں درج نہیں تھے پھر بھی محتاط تو رہنا ہی تھا۔۔

تقریباً پانچ یا چھ منٹ بعد آواز آئی۔ ”اس راستے کے سرے پر ایک عمارت واقع ہے۔ وہ اس میں داخل ہوئی ہے۔۔۔ کار باہر ہی کھڑی ہے۔ ہم نے اپنی گاڑی قریبی جھاڑیوں میں چھپا دی ہے اور عمارت کی نگرانی کر رہے ہیں۔“

”عمارت کے چاروں طرف پھیل جاؤ۔۔۔ ایک آدمی ٹرانس میٹر پر رہے۔“ عمران نے کہا۔  
اب ٹرانس میٹر پر کار کے انجن کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔  
”کیوں۔ کیا رہا۔۔۔“ عمران نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”میں صفر۔۔۔ ریڈیو پر ہوں۔۔۔ چوہان، خاور اور نعمانی عمارت کی نگرانی کر رہے ہیں۔۔۔ وہ کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپ دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ ادھر ہی آرہی ہے۔“  
”مقاطر ہو۔۔۔“ عمران نے کہا۔

کچھ دیر تک سکوت رہا اور پھر صفر کی آواز سنائی دی۔۔۔ ”ایک بڑی سی دین ہے۔۔۔ کئی آدمی اترے ہیں۔۔۔ وہ عمارت کی طرف جا رہے ہیں۔“  
”ہو شیار ہو۔۔۔“ عمران مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”میں بھی آرہا ہوں۔“

عمران نے سفری ٹرانس میٹر سنبھالا۔ فی الحال یہاں دانش منزل میں کوئی ریڈیو کار موجود نہیں تھی۔۔۔ گیراج سے جیب نکالی اور کمپاؤنڈ میں پہنچ کر اگلی نشست اٹھائی۔ جس کے نیچے ایک نامی گن رکھی تھی اور وافر مقدار میں کارٹوس بھی تھے۔ اس نے نامی گن کو چیک کیا اور پھر اسی طرح سیٹ کے نیچے رکھ کر انجن اسٹارٹ کیا۔ ٹرانس میٹر کا سوئچ آن کر دیا۔

منزل مقصود کا نقطہ ذہن میں محفوظ تھا۔ جیب فراموشی بھرتی ہوئی کمپاؤنڈ سے سڑک پر نکل آئی۔۔۔ ٹرانس میٹر ڈیش بورڈ کے ایک خانے میں رکھ دیا تھا جو ایک مخصوص فری کوشی پر کام کر رہا تھا۔

”ہلو۔۔۔ ہلو۔۔۔“ اس نے کہا۔۔۔ ”صفر۔۔۔“

”میں صفر بول رہا ہوں!“ کوڈورڈز میں جواب ملا۔

”کیا پوزیشن ہے۔“

”دونوں گاڑیاں باہر موجود ہیں۔۔۔ کوئی ابھی تک نہیں نکلا۔۔۔ ہمارے آدمیوں سے بھی کوئی خاص اطلاع نہیں ملی۔“

”میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔۔۔ اشارہ نمبر پانچ پر۔۔۔ آواز کی سمت چلے آنا۔“

”بہت بہتر۔۔۔“

”جیب فراموشی بھرتی رہی۔ کسٹم پوسٹ کے قریب پہنچ کر وہ بتائے ہوئے راستے پر مڑ گیا۔“

اس نے دعا گو سے کہا کہ وہ خود ہی فون پر اس سے رابطہ قائم کر کے معلومات حاصل کر تا رہے گا۔ ویسے اسے ڈاکٹر دعا گو بید خوفزدہ معلوم ہوا تھا۔

عمران بار بار آپریشن روم میں جا کر سمیعہ کی نگرانی کرنے والوں کے پیغامات سنتا تھا۔۔۔ ابھی تک کوئی نئی بات ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی۔

ویسے اب اسے اپنی اسکیم بار آور ہونے میں شبہ ہی تھا! راجن کے انواء نے کھیل بگاڑ دیا تھا۔ کاش اس کے آدمی بروقت آگاہ ہو گئے ہوتے اور انہوں نے انواء کنندگان کا تعاقب کیا ہوتا۔۔۔ غالباً انہیں علم ہو گیا تھا کہ راجن کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ تبھی تو انہوں نے انواء کے لئے جھونپڑی کا عقبی حصہ منتخب کیا تھا جسے جھاڑیاں گھیرے ہوئے تھیں۔ عمران سوچ رہا تھا کہ اگر وہ راجن کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو گئے ہوں گے تو شاید ہی سمیعہ کی طرف رخ کریں۔۔۔ پھر سوچتا۔ راجن اس کی شخصیت سے واقف نہیں تھا اس لئے یہ بھی ممکن تھا کہ اس کی شخصیت معلوم کرنے کے لئے وہ سمیعہ کی طرف متوجہ ہی ہو جائے۔ ان کی دانست میں شاید سمیعہ اس کی شخصیت پر روشنی ڈال ہی سکتی۔

بہر حال اسے یقین نہیں تھا کہ وہ سمیعہ کے سہارے کسی قدر آگے بھی بڑھ سکے گا!

تقریباً نو بجے شب ٹرانس میٹر پر پیغامات موصول ہونا شروع ہوئے۔۔۔ پیغامات کو ڈورڈز میں تھے۔ جن کے مطابق سمیعہ ہسپتال سے باہر آکر سیاہ رنگ کی ایک چھوٹی سی کار میں بیٹھ گئی تھی۔ کار خالی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرتی ہوئی کمپاؤنڈ سے نکال کر سڑک پر لائی تھی۔

اور اب ریڈیو کار سے پیغامات موصول ہو رہے تھے۔

”سمیعہ کی کار۔۔۔ ویرانے کی طرف جا رہی ہے۔ وہ تنہا ہے۔۔۔ خود ہی کار ڈرائیو کر رہی ہے۔۔۔ ہمارے پیچھے کوئی دوسری گاڑی نہیں ہے۔۔۔“

”اس کی کار کدھر جا رہی ہے!“ عمران نے پوچھا۔ ”سول ہسپتال سے سمت کا تعین کرو۔“

”اکبر روڈ پر شمال کی جانب۔“ جواب ملا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔ تعاقب جاری رکھو۔۔۔ لیکن اس انداز میں کہ اسے تعاقب کا شبہ نہ ہو سکے۔“

”پھر سنا چھا گیا۔ صرف کار کے انجن کی آواز سنائی دیتی رہی۔“

تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ ”وہ کسٹم پوسٹ کے سامنے والے کچے راستے پر بائیں جانب مڑ رہی ہے۔“

”اپنی گاڑی کی ہیڈ لائٹ بھا کر تعاقب جاری رکھو۔“ عمران نے کہا۔

اس کے بعد پھر کار کے انجن کی آواز سنائی دیتی رہی۔

”ہلو۔۔۔ہلو۔۔۔“ اس نے پھر صفدر کو مخاطب کیا۔۔

”ہلو۔۔۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔۔

”کشم پوش سے انداز اکتفا فاصلہ ہوگا۔۔“

”تین یا ساڑھے تین میل۔۔“ آواز آئی۔۔ ”آپ کہاں ہیں۔“

”کچے راستے پر مڑ چکا ہوں!“

”اب یہاں بعض کھڑکیوں میں روشنی نظر آرہی ہے۔“

”ہوشیار رہو۔“

اس نے اندازے سے ایک جگہ جیپ روک دی اور اسے بائیں جانب والی ڈھلان میں اتارتا چلا گیا۔ نیچے بعض جگہ جھاڑیاں بھی تھیں۔ اس نے اس طرح جیپ جھاڑیوں کی اوٹ میں کھڑی کی کہ اوپر والے کچے راستے سے آسانی نظر نہ آسکے۔

پھر اس نے سیٹ کے نیچے سے ٹائی گن نکالی میگزین کی پیٹیاں نکالیں اور پیدل ہی مغرب کی طرف چل پڑا۔ رفتار خاصی تیز تھی۔۔ عمارت تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔۔

اس نے ایک جگہ رک کر کتوں کی طرح رونا شروع کیا۔۔۔ اور پھر بھونکنے بھی لگا۔۔۔ ایک سایہ تیزی سے اس کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔۔ غالباً یہ وہی اشارہ تھا جس کے متعلق اس نے ٹرانس میٹر پر صفدر کو بتایا تھا آنے والا بھی صفدر ہی نکلا۔

”خاور نے اندر جانے کے لئے راستہ بھی تلاش کر لیا ہے۔“ اس نے عمران سے کہا۔

”اچھی خبر ہے!“ عمران بولا۔ ”ویسے کوئی باہر تو نہیں آیا۔“

”نہیں۔۔“ صفدر نے جواب دیا۔

عمارت کے قریب پہنچ کر وہ زمین پر لیٹ گئے اور سینے کے بل کھسک کھسک کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

اسی طرح صفدر اسے عمارت کی پشت پر لے آیا۔۔ یہاں چوہان خاور اور نعمانی موجود تھے۔

”تین آدمیوں کو اندر پہنچنے کی کوشش کرنا چاہئے!“ عمران نے کہا۔ ”دو باہر ٹھہریں! ایک

عمارت کی پشت پر رہے اور ایک سامنے۔۔ ہاں ان دو اطراف کے علاوہ اور کسی طرف تو نکاسی کے راستے نہیں۔“

”نہیں! خاور نے جواب دیا۔ ”میں اچھی طرح جائزہ لے چکا ہوں!“

”چلو۔۔۔ وہ راستہ دکھاؤ۔“ عمران نے خاور سے کہا۔ اور دوسروں سے بولا ”چوہان اور نعمانی

باہر ٹھہریں۔“

وہ آگے بڑھے۔ یہ ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جو باہر سے مقفل تھا! صفدر نے جیب سے چاقو نکالا جس میں کارک اسکریو اور ایک سو جا بھی فٹ تھا۔ پھر اسے قفل کھول لینے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دروازہ کھول کر وہ آگے بڑھے۔ چھوٹا سا صحن تھا جس میں کوڑے کبڑے کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ آگے ایک دریچہ نظر آیا جو دراصل ایک طویل راہداری کے اختتام پر واقع تھا۔ وہ راہداری میں داخل ہو کر احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ عمران کے ہاتھ میں پنسل نارنج تھی روشنی کی باریک سی لکیر حرکت کرتی رہی!



راہداری کا اختتام ایک اس سے بھی زیادہ طویل راہداری پر ہوا تھا جو دائیں بائیں دونوں جانب پھیلی ہوئی تھی۔ بائیں بازو کے چند روشندانوں میں روشنی نظر آئی۔ عمران رک گیا۔ اس کے ساتھی قطار میں اس کے پیچھے آئے تھے۔ انہوں نے کچھ آوازیں بھی سنیں لیکن گفتگو سمجھ میں نہ آئی۔ آوازیں بند کمرے میں گونج رہی تھیں۔

عمران آہستگی سے بند دروازے کی طرف بڑھا۔ خفیف سی جھری بتا رہی تھی کہ دروازہ اندر سے بولٹ نہیں ہے۔ اس نے ہینڈل پکڑ کر آہستہ سے اپنی طرف کھینچا۔ جھری غائب ہو گئی! اور اس نے قفل کے سوراخ سے اپنی آنکھ لگادی۔

اندر تیز روشنی نہیں تھی۔ کمرہ کافی بڑا تھا اور دو بڑے کیروسین لیمپ روشن تھے لیکن پھر بھی کمرے کو پوری طرح روشن رکھنے کے لئے ناکافی ہی تھے۔

اندر کئی آدمی نظر آئے لیکن ایک کے علاوہ اور سب سفید فام غیر ملکی تھے۔ ان میں کرئل ڈوہرنگ بھی نظر آیا۔ لیکن ان کے درمیان ڈاکٹر دعاگو کی موجودگی متحیر کن تھی۔

سامنے آرام کرسی پر سمیعہ نیم دراز تھی اور قریبی میز پر رکھے ہوئے کیروسن لیمپ کی روشنی اس کے چہرے پر پوری طرح پڑ رہی تھی! اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

دفعتاً کرئل ڈوہرنگ نے ڈاکٹر دعاگو سے کہا۔ ”ڈاکٹر۔۔۔ میرا خیال ہے کہ وین کے حادثے کی وجہ سے اس کی یادداشت پر بھی اثر پڑا ہے۔۔۔ اور اسے ٹھیک سے کچھ یاد ہی نہیں۔ ہمیں کیا بتائے گی۔“

”میں پوچھتی ہوں۔۔۔ طارق کہاں ہے۔“ سمیعہ نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

”جنم میں!“ ڈوہرنگ غرایا۔ ”میں نہیں جانتا۔۔۔ اگر وہ کسی مصیبت میں پھنسا ہو گا تو اس کی ذمہ دار بھی تم ہی ہو سکتی ہو۔ اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ سب کچھ سچ سچ بتا دو تاکہ اس کے بچاؤ کے لئے بھی کچھ کیا جاسکے۔“

”مجھے کس نے بلیک میل کیا تھا۔۔۔ تم کون ہو۔۔۔“

”میں کوئی بھی ہوں۔ لیکن تمہیں ایک بڑے جنجال سے بچانا چاہتا ہوں۔ استراٹ کر لو کہ تم جھوٹے تک پہنچ گئی تھیں۔“

”جس آدمی سے مجھے وہاں ملنا تھا اسی سے پوچھ لو نا!“ سمیعہ نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

”اس نے خودکشی کر لی۔ زہر کھالیا۔ ایسا کیوں ہوا۔ کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہو گی۔“

”عمران نے سمیعہ کے چہرے پر اطمینان کی لہریں دیکھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بہت بڑا بوجھ اس کے سینے پر سے ہٹ گیا ہو۔

”بس تو پھر یقین نہ کرو۔۔۔“ سمیعہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

عمران سوچ رہا تھا..... تو راجن نے خودکشی کر لی۔۔۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سمیعہ سے اس طرح کچھ اگلا لینے کی کوشش ہی کیوں کی جاتی۔

”بھئی ختم کرو۔“ دفعتاً ڈاکٹر دعا گو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”انہیں فی الحال آرام کی ضرورت ہے۔

بقیہ باتیں پھر دیکھی جائیں گی۔۔۔ محترمہ سمیعہ آپ سونے کی کوشش کیجئے۔“

”میں ہوش میں آنے کے بعد سے پھر نہیں سو سکی۔“

”تم سو جاؤ گی۔۔۔ میری طرف دیکھو۔۔۔“

سمیعہ ڈاکٹر دعا گو کی طرف دیکھنے لگی اور عمران نے محسوس کیا جیسے کوشش کے باوجود وہ اس کے چہرے پر سے نظر ہٹا لینے میں کامیاب نہ ہو رہی ہو۔

دفعتاً کمرے میں سانپ کی سی پھکار گونجی۔ ”تم سو رہی رہی ہو۔۔۔ تمہاری پلکیں بھاری ہوتی جا رہی ہیں۔۔۔ تم سو رہی ہو نا۔۔۔“

”ہاں مجھے نیند آرہی ہے۔“ سمیعہ کی آواز بید خف تھی۔

”تمہاری آنکھیں بند ہو چکی ہیں۔ تم گہری نیند سو جاؤ گی۔ لیکن میرے لئے تمہارا ذہن جاگتا

رہے گا۔ تم میرے سوالات کا جواب دو گی۔“

”سمیعہ کی آنکھیں حقیقتاً بند ہو گئیں تھیں اور گہری گہری سانس لے رہی تھی۔

ڈاکٹر دعا گو نے آگے بڑھ کر انگلی سے اس کی پیشانی پر ٹھوکے دیئے لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ بحس و حرکت پڑی رہی۔

”تو تم میرے سوالات کا جواب دو گی سمیعہ!“

”دو گی!“ اس نے بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے کہا۔ آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”تم جھوٹ پڑی میں گئی تھیں؟“

”ہاں گئی تھی۔“

”وہاں کیا ہوا تھا۔“

”ایک بوڑھا آدمی قیدی کو پیٹھ پر لاد کر دین تک لایا تھا۔ پھر وہ اگلی سیٹ پر میرے پاس بیٹھ گیا اور ریوالور نکال کر میری کمر سے لگاتے ہوئے کسی کو آواز دے کر کہا کہ وہ لاش کو دین میں رکھ دے۔ اس آدمی سے اس کا نام بھی پوچھا تھا۔ اس نے اپنا نام راجن چودھری بتایا تھا۔“

”پھر وہ آدمی تمہیں کہاں لے گیا تھا۔“

”میں نہیں جانتی وہ عمارت کس علاقے میں ہے۔ مجھے ہوش ہی نہیں تھا کہ کہاں جا رہی ہوں۔ جدھر جدھر وہ گاڑی موڑنے کو کہتا گیا موڑتی گئی۔“

”دین کو سچ سچ حادثہ پیش آیا تھا۔“

”نہیں۔۔۔ وہ اسکیم اسی نے بنائی تھی۔ سب سے پہلے اس نے مجھ سے طارق کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ پھر کہا تھا کہ تم چپ چاپ ہسپتال پہنچ جاؤ۔ ورنہ تمہیں جواب دی کر پیڑے گی۔ اس نے مجھے کسی قسم کا انکشن دے کر بیہوش کر دیا تھا پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا

ہوا۔۔۔ میں نے ہوش میں آنے پر جو بیان دیا تھا وہ اسی کا ترتیب دیا ہوا تھا۔

اس بوڑھے کا حلیہ بیان کرو۔

وہ بوڑھا نہیں تھا مصنوعی سفید داڑھی لگا رکھی تھی۔ جوان آدمی تھا!“

پھر اس نے عمران کا حلیہ دہرایا۔

اس کے بعد دعا گو نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔

”کیا بات ہے!“ ڈوہرنگ نے پوچھا اور ڈاکٹر وہ سب کچھ انگریزی میں دہراتے ہوئے بولا۔

”حلیہ عمران کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔“

”عمران!“ ڈوہرنگ اچھل پڑا۔

”ہاں۔۔۔ میری بات سنو!“ دعا گو ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس عورت سمیعہ کو پھر ہسپتال واپس

جانا چاہئے! ہو سکتا ہے کہ وہ دوبارہ اس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح مار کھا

جائے گا۔“

”اوہ اسے تو ہم ویسے بھی ڈھونڈ نکالیں گے۔“ ڈوہرنگ اکڑ کر بولا

”ناممکن ہے۔۔۔ وہ روپوش ہو گیا ہے۔“

”اچھا تو پھر اسے ہوش میں لاؤ۔۔۔ ہم اسے اس بات پر آمادہ کریں گے۔ اگر تیار نہ ہوئی تو گولی مار دیں گے۔“

”اسے سونے دو۔۔۔ خود سے جاگنا بہتر ہو گا۔۔۔“ دعاگو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا اس کے دوبارہ جاگنے تک میں یہیں ٹھہروں گا۔“

”تمہاری غفلت کی وجہ سے اس کی نوبت آئی۔“ ڈوہرنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”بکواس مت کرو۔۔۔ میں تمہیں جواب دہ نہیں ہوں۔ تم سب میرے ماتحت ہو۔“ دعاگو

غرایا۔

ڈوہرنگ اسے گھور کر رہ گیا۔ کچھ بولا نہیں۔

دفعۃً عمران نے دروازے کو ٹھوکر ماری۔ دونوں پاٹ کھل گئے اور نامی گن کی ٹال اس کی طرف سیدھی ہو گئی۔

وہ سب بوکھلا گئے تھے۔ ایک سفید فام غیر ملکی نے اپنے ہولسٹر پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہی تھی کہ نامی گن کی سرخ زبان نکل پڑی اور گولیاں اس کے سر سے ایک بالشت کی اونچائی سے گذرتی ہوئی دوسری طرف کی دیوار میں پیوست ہو گئیں۔

نامی گن کی آواز سمیعہ کی تنویری نیند میں بھی خلل انداز ہوئی اور وہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔

”اوہ۔ عمران۔“ کرنل ڈوہرنگ سنبھل کر خوشی ظاہر کرتا ہوا بولا۔

”شپ اپ۔“ عمران غرایا۔

”اوہ خدا کا شکر ہے۔ تم ہو۔!“ سمیعہ زور سے بولی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے حلق سے آواز نکالنے کے لئے اسے کافی قوت صرف کرنی پڑی ہو۔

”میں نہیں جانتی یہ لوگ کون ہیں!“ وہ پھر جیتی۔

عمران سختی سے ہونٹ بھیجنے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھی بھی کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔ اس طرح کہ دروازے ہی پر اڑے رہیں۔ کمرے میں نکاسی کا صرف یہی ایک دروازہ تھا۔

”اوہ۔۔۔ یہ کیا چکر ہے!“ دعاگو چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ وہ متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا رہا تھا۔

”تم ہی بتاؤ گے؟“ عمران زہریلے لہجے میں بولا۔

”یہ لوگ مجھے ایک ایسی مریضہ کے لئے یہاں لائے تھے جو اپنی یادداشت کھو بیٹھی تھی۔ یہ اس سے کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ لہذا میں نے اسے پوچھا۔ کیا۔!“

”سچ جی!“ عمران نے حیرت سے کہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”میں یہی دیکھنا چاہتا تھا کہ تم بینا نزم کے بھی ماہر ہو یا نہیں۔۔۔ اس وقت اس کی بھی تصدیق ہو گئی واقعی ماہر ہو۔ اگر کسی آدمی کو ٹرانس میں لا کر یہ بات اس کے ذہن نشین کرادو کہ اسے خود کشی کرنی ہے تو وہ یقینی طور پر خود کشی کر لے گا۔“

”کیا مطلب۔“ ڈاکٹر دعاگو اچھل پڑا۔

وہ ڈپٹی سیکرٹری یاد ہے ڈاکٹر جس نے تمہارے پھانک پر ریو اور سے خود کشی کر لی تھی۔۔۔“

”اوہ۔ ہاں تو پھر۔۔۔“

”تمہیں معلوم ہو گیا تھا کہ پولیس اس کے پیچھے ہے! وہ نہیں جانتا تھا کہ تم ہی اس تنظیم کے سرغنہ ہو۔۔۔ وہ ان دنوں الجھن میں مبتلا تھا! تمہارے متعلق سن پایا ہو گا کہ تم ایک ماہر نفسیات بھی ہو۔ اس لئے سکون حاصل کرنے تمہارے پاس چلا آیا تھا۔ تم اسے ٹرانس میں لا لا کر اسے خود کشی کی ترغیب دیتے رہے لیکن اس سے بے خبر تھے کہ وہ خود کشی کے لئے بھی تمہارا ہی پھانک منتخب کرے گا۔ تم شاید یہ بحث کرنا بھول گئے تھے کہ خود کشی اپنے مکان ہی پر کرے۔“

”یہ بیہودگی ہے۔ یہ بکواس ہے۔“ ڈاکٹر بگڑ کر بولا۔

”سنو ڈاکٹر تم بہت ذہین آدمی ہو۔۔۔۔۔ تم نے اپنی ذہانت کے بے شمار مظاہرے کئے اور آخر کار گدھے ہو کر رہ گئے۔ اگر تم اس کی خود کشی کے بعد خاموش رہ جاتے اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیتے تو شاید یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔۔۔ میں جادوگر نہیں تھا کہ اس کی خود کشی کے اسباب معلوم کر کے تمہیں سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیتا۔ تم نے مجھے بھی راستے سے ہٹانے کی کوشش شروع کر دی۔ بلی بلے والے معاملے میں ناکام ہونے کے بعد تم نے خود اپنی ذات پر بھی ای پلاٹ کو آزما ڈالا کہ اگر تمہارے خلاف کچھ شبہات ہوں بھی تو رفع ہو جائیں۔ انتہائی احقانہ فعل تھا ڈاکٹر۔۔۔ تمہارے۔۔۔ بہر حال مجھے ختم کر دینے کی کوششیں جاری رہیں! پھر تم نے اس بیماریا مار تھا کو بھی ختم کرادیا۔ محض یہ باور کرانے کے لئے کہ وہ حادثہ اسی نامعلوم آدمی کی دھمکیوں کا ایک جزو تھا۔ یعنی اگر تم نے اس کے احکامات سے سر تابی کی تو وہ تمہیں بھی اسی طرح ختم کرادے گا۔۔۔ اس معصوم کی موت میرے سینے میں کسی جوا لامحی کے لاوے کی طرح کھول رہی ہے۔“

”یہ تم لوگوں نے مجھے کس چکر میں لا پھنسا۔“ ڈاکٹر دعاگو نے ڈوہرنگ سے انگریزی میں

کہا۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے!“ ڈوہرنگ نے پوچھا اور دعاگو عمران کی گفتگو کا لب لباب اسے انگریزی میں بتانے اور احقانہ انداز میں ہنسنے بھی لگا۔

”کیوں یہ سب کیا بکواس ہے۔“ ڈوہرنگ نے عمران سے پوچھا۔

”تم چپ رہو گندے سورا!“ عمران نے نامی گن کارخ اسکی جانب کرتے ہوئے کہا  
”تم بڑی مصیبت میں پھنس جاؤ گے! میں ایک غیر ملکی سفارت خانے سے تعلق رکھتا ہوں۔  
تمہارا باپ بھی اس سلسلے میں کچھ نہ کر سکے گا۔“

”میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔“ عمران غرایا۔ ”تم نے تو مجھے الجھانے کے لئے اپنی بیٹی پر بھی وہ بیہوشی طاری کرنے والی زہریلی سوئی آزمائی تھی۔“  
”سب بکواس ہے۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس۔“

”میں کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے!“ ڈاکٹر دعاگو اپنی پیشانی رگڑتا ہوا بڑبڑایا۔  
”ابھی سمجھ میں آجائے گا۔“ عمران نے کہا اور سمیعہ سے پوچھا۔ ”تم یہاں کیوں آئی تھیں۔“

”مجھے طارق نے فون کیا تھا کہ وہ رات کو مجھ سے یہاں ملنا چاہتا ہے۔ ایک سیاہ رنگ کی کار ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں کھڑی ملے گی۔ چپ چاپ نکل آنا۔“  
”کب فون کیا تھا؟“

”آج ہی۔“

”لیکن وہ تو میری قید میں ہے۔ کیا تم اس کی آواز نہیں پہچانتیں۔“  
”میرا خیال ہے کہ وہ فون پر کھانس رہا تھا اور زکام کا عذر بھی کیا تھا۔“

”سنو۔۔ بلیک میل۔“ عمران ڈاکٹر دعاگو کو مخاطب کر کے بولا۔ ”کچھ دیر پہلے تم نے ڈوہرنگ سے کہا تھا کہ تم اسے جوابدہ نہیں ہو، اور وہ ان معاملات میں تمہارا ماتحت نہیں ہے۔“  
”تم خواب دیکھ رہے تھے شاید!“ ڈاکٹر دعاگو مسکرا کر بولا۔

دفعۃً ایک فائر ہوا اور ڈوہرنگ کا ایک سفید فام ساتھی دائیں بازو پر ہاتھ رکھے ہوئے چیختا ہوا دیوار سے جا ٹکرایا۔ اور ساتھ ہی پشت سے صدر کی آواز آئی۔  
”یہ ریوالور نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔“

”ڈوہرنگ اور اس کے دوسرے ساتھی بلند آواز میں گالیاں بکنے لگے۔  
”واقعی یہ کیا لغویت ہے!“ ڈاکٹر دعاگو چیخ کر بولا۔ ”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”دعا کرو کہ ٹھیک ہو جائے۔۔؟“ عمران مسکرایا۔ پھر ڈوہرنگ اور اس کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم سب اپنے ہاتھ اٹھاؤ۔۔ میرے آدمی تمہاری جامہ تلاشی لیں گے۔“  
”تھوڑی دیر بعد صدر نے تین ریوالور برآمد کئے اور انہیں پھر ہاتھ گرا دینے کا حکم دیا گیا۔  
”ڈوہرنگ!“ عمران بولا۔ ”تم مجھے اپنی حرکات سے متعلق ایک تحریر دو گے!“  
”میں کوئی تحریر نہیں دے سکتا۔“ ڈوہرنگ نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ ”میں کہتا ہوں ہمیں جانے دو۔۔ ورنہ تمہاری حکومت کو پچھتانا پڑے گا۔“

اتنے میں ایک لیپ کی لو بھڑکنے لگی۔ شاید اس میں تیل ختم ہو چکا تھا۔ پھر ایک بار وہ بجھ ہی گیا۔۔ کمرے میں روشنی کم ہو گئی۔ دفعتاً عمران نے صدر سے کہا۔ ”تم ریڈیو کار سے اپنے چیف کے نام پیغام بھیجو۔۔ کہ ڈاکٹر دعاگو کی کونٹری کی تلاشی لی جائے۔۔ میرا خیال ہے کہ وہاں تہہ خانے بھی ہیں۔“

”ایسا نہیں ہو سکتا۔“ ڈاکٹر دعاگو دھاڑا۔

”یقیناً ہو گا۔۔ صدر جاؤ۔۔!“ اور صدر باہر نکل گیا۔

”مم۔۔۔۔۔ میں بھی جاؤں گی۔“ سمیعہ منمنائی۔

”ٹھیک ہے۔“ عمران نے کہا اور صدر کو آواز دی۔۔ وہ واپس آیا اور عمران نے اس سے کہا۔  
”ان محترمہ کو بھی لے جاؤ۔۔ لیکن ان کی واپسی ہمارے ساتھ ہی ہوگی۔“  
صدر اسے ساتھ لے گیا۔۔

”تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔“ ڈاکٹر دعاگو جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میرے خلاف کچھ بھی ثابت نہ کر سکو گے۔“

”یہ میرا کام ہے تمہیں پریشان نہ ہونا چاہئے! مجھے یقین تھا کہ وہ بلیک میل اور تنظیم کے سرغنہ تم ہی ہو۔ جب چاہتا تمہیں جکڑ لیتا۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے چاہتا تھا کہ تم سب کہیں یکجا بھی نظر آ جاؤ۔“ تم ڈپٹی سیکرٹری کی خودکشی کے بعد ہی میری لسٹ پر آ گئے تھے۔ تم سے ایک حماقت سرزد ہوئی تھی۔ وہ بیان جو تم نے اس کی خودکشی کے بعد پولیس کو دیا تھا۔ تم نے اس کے بچوں کا تذکرہ کیا تھا جن کے مستقبل کے خیال سے وہ پریشان تھا۔ حالانکہ وہ لاولد تھا۔ اس کے کبھی کوئی بچہ ہوا ہی نہیں تھا۔۔ تم نے یونہی انکل سے اپنے بیان میں زور پیدا کرنے کے لئے بچوں کے مستقبل کا بھی تذکرہ کر دیا تھا۔۔ یاد ہے یا نہیں۔ پھر تم سے حماقتوں پر حماقتیں ہوتی چلی گئیں۔۔ کلاز اس زہریلی سوئی کا نشانہ اس لئے بنائی گئی تھی کہ ڈوہرنگ کی طرف سے ہماری توجہ ہٹ جائے اور ہم کسی تیسرے آدمی کی تلاش میں سرگرداں ہو جائیں۔۔“

”بکواس کئے جاؤ۔۔۔ میں نہیں جانتا کہ تم کس کلاں اور ڈوہرنگ کی بات کر رہے ہو!“  
 ”دیکھو لڑکے۔“ دفعتاً ڈوہرنگ بولا۔ ”اب یہ مذاق ختم کرو۔ تم نے ہمارے ایک آدمی کو زخمی کر دیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کی حالت خراب ہوتی جا رہی ہے۔ تمہیں اس کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔“  
 ”شب اپ۔“ عمران نے اسے لاکار اور پھر اپنے آدمیوں سے پوچھا ”بھٹکڑیاں بھی ہیں کسی گاڑی میں۔۔۔؟“

لیکن ابھی کوئی جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ ڈوہرنگ نے اس چھوٹی سی گول میز پر ٹھوکر ماری جس پر دوسرا الپ رکھا ہوا تھا۔۔۔ الپ ٹوٹا اور اندھیرا اچھا گیا۔ عمران ”خبردار“ کی ہانک ہی لگا تارہ گیا اور اندھیرے میں خاصی ہڑبونگ مچ گئی۔۔۔  
 ”عمران چاہتا تو فائرنگ شروع کر دیتا لیکن وہاں اس کے آدمی بھی تھے اور پھر یہ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا معاملہ تھا۔ اس لئے وہ بھی محتاط رہنا چاہتا تھا۔ ان غیر ملکیوں میں سے کسی کی موت و شواہیاں پیدا کر دیتی۔

ذرا ہی سی دیر میں اس نے محسوس کیا کہ وہ تنہا رہ گیا ہے۔ پھر اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ وہ پینل ٹارچ بھی استعمال کر سکتا تھا۔ ڈوہرنگ اور اس کے ساتھی پہلے ہی نہتے کئے جا چکے تھے اس لئے اس کا بھی خطرہ نہیں تھا کہ پینل ٹارچ روشن ہوتے ہی کوئی اس پر فائر کر دے گا۔۔۔ وہ پینل ٹارچ روشن کر کے آگے بڑھا۔ باباں بازو درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ زخم میں شاید پھر کوئی گڑبڑ ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پورا باباں ہاتھ ہمیشہ کے لئے بیکار ہو گیا ہو! باہر اندھیرے میں کئی آدمی بھاگتے نظر آئے۔۔۔ لیکن وہ فائر کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔۔۔ ہو سکتا تھا کہ اس کا ہی کوئی ماتحت گولیوں کی زد میں آجاتا۔۔۔  
 پھر وہ سب اندھیرے میں غائب ہو گئے۔۔۔ لیکن ایک جگہ دو آدمی گتھے ہوئے نظر آئے۔ اور عمران نے آواز دی۔ ”کون ہے۔“

”ڈو۔ ڈاکٹر۔۔۔ دعاگو۔۔۔“ اس نے خاد کی آواز سنی۔

اور پھر ایک کواچھل کر دور گرتے دیکھا۔

”وہ گیا۔۔۔ نکل گیا۔۔۔“ غالباً یہ گرنے والے کی آواز تھی اور وہ خاد تھا۔ عمران بھاگنے والے کے پیچھے دوڑا۔ جو ذلیل ڈول کے اعتبار سے ڈاکٹر دعاگو ہی معلوم ہوتا تھا۔

لیکن اس جش کے باوجود بھی وہ بہت تیز دوڑ رہا تھا۔

عمران کو اس کی تیز رفتاری کی بناء پر خدشہ ہوا کہ کہیں وہ بھی نہ اندھیرے میں نظروں سے

اوجھل ہو جائے۔ باباں ہاتھ کی تکلیف کی وجہ سے خود اس کا تیز دوڑنا تقریباً ناممکن ہی ہو کر رہ گیا۔

آخر اس نے بھاگنے والے پر ٹامی گن کھینچ ماری۔۔۔ وہ لڑکھڑایا اور کسی تناور درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

پھر دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ عمران اور خاد دونوں ہی نے اسے جالیا۔

عمران کے اندازے کے مطابق ٹامی گن ڈاکٹر دعاگو کے سر ہی پر لگی تھی۔۔۔ سر پھٹ گیا تھا۔ اور خون کی چچھاہٹ انہیں اپنے ہاتھوں میں محسوس ہو رہی تھی۔۔۔  
 پھر ڈاکٹر دعاگو بیہوش ہو گیا۔

دوسرے لوگوں میں سے کوئی بھی ہاتھ نہ لگا۔۔۔ جس کے جدھر سینک سمائے تھے بھاگ نکلا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے دوسرے ماتحت بھی وہیں واپس آ گئے۔!

سمیعہ کو ہسپتال میں چھوڑ دیا گیا! وہ گڑگڑا کر عمران سے کہتی رہی تھی کہ اسے عدالت میں طلب نہ کیا جائے۔ عمران نے وعدہ نہیں کیا تھا کیونکہ یہ حالات پر منحصر تھا۔۔۔ اگر ڈاکٹر دعاگو کے یہاں سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہ ہوتی تو ہر حال میں اس کی شہادت لازمی ہو جاتی۔ لیکن اس کی توقعات سے کچھ زیادہ ہی مواد ڈاکٹر کی کونٹھی سے برآمد ہوا۔

ٹرانس میٹر پر صفدر کا پیغام موصول ہوتے ہی بلیک زیرو نے کارروائی شروع کر دی تھی۔ بہت ہی اہم قسم کے کاغذات کونٹھی سے برآمد ہوئے۔۔۔ ایسے جو ڈاکٹر دعاگو کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے کافی تھے۔۔۔ وہ اسی وقت پولیس کی حراست میں دے دیا گیا۔

دوسرے دن جوزف نے بھی دل کی بھڑاس نکالی۔ گنوڈا کا تعلق براہ راست سفارت خانے سے نہیں تھا۔ ڈوہرنگ کا نجی ملازم تھا۔ اسے بذریعہ پولیس گرفت میں لے کر تشدد کیا گیا۔۔۔ جوزف کے ہاتھوں اس کی خوب ہی درگت بنی اور اس نے اعتراف کیا کہ عمران پر ہسپتال میں اسی نے گولی چلائی تھی۔

دانش منزل کے قیدی بھی پولیس کے حوالے کر دیئے گئے۔۔۔ یہی نہیں۔ اور بہت سے ایجنٹ بھی گرفتار ہوئے۔ جنہیں بلیک میل کر کے ڈاکٹر دعاگو نے اس تنظیم میں شامل کیا تھا۔ ان کی لسٹ ڈاکٹر دعاگو کی کونٹھی ہی سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ روزنامچہ بھی ملا جس میں ڈاکٹر دعاگو اپنی روزانہ کی مصروفیات تحریر کرتا تھا۔!



حالات کا رخ دیکھ کر عمران نے یہی فیصلہ کیا کہ سمیعہ کو عدالت میں جانے سے بچایا جائے۔۔۔ چونکہ وہ سارے کاغذات پہلے اسی کے ہاتھ پڑے تھے۔ اس لئے کارکنوں کی لسٹ سے اس کا نام اور پتہ غائب کر دینے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔!

## تمام شد

